

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_222021

UNIVERSAL
LIBRARY

آغا: لیب مکام

نجم الدولہ دبیر الملک میرزا اسد اللہ خان بہادر نظام جنگِ دہلوی متخلص بہ
غالب کے اون عرایض و خطوط کا مجموعہ جو نواب فردوس مکان،
نواب خلد آشیان (طاب ثراہما) یا دیگر وابستگانِ
دربار کی خدمت میں لکھے گئے تھے

باضافہ

مقدمہ و حواشی از

امتیاز علی عرشی

ناظم کتابخانہ ریاست رامپور

حسب الحکم فرمانروایِ رامپور دام اقبالہم و ملکہم

مطبوعۂ قیمہ — بمبئی

(مالکان : شرف الدین الکتبی واولادہ)

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

فہرست مضامین

تقریب کتاب	۹ - ۵
دیباچہ:	
تمہید	۱۶ - ۱۶
سرگذشت غالب	۳۸ - ۱۷
تصانیف	۴۴ - ۳۹
تلامذہ	۴۶ - ۴۵
لوازمات امارت	۴۷
انگریزی تعلقات	۵۷ - ۴۸
ہمدرد شاہ ظفر سی تعلقات	۵۹ - ۵۸
تعلقات رامپور	۱۱۳ - ۶۰
انشای غالب	۱۵۷ - ۱۱۴
متعلقات انشا	۱۶۴ - ۱۵۸
طباعت خطوط	۱۸۳ - ۱۶۵
بمحضور نواب فردوس مکان، طاب ثراہ	۴۷ - ۱
بمحضور نواب خلد آشیان، طاب ثراہ	۱۰۸ - ۴۸
بخدمت نواب سید زین العابدین خان ہمدرد	۱۱۱ - ۱۰۹
بمطالعہ منشی سیلچند صاحب میر منشی	۱۱۶ - ۱۱۲
بنام خلیفہ احمد علی صاحب احمد رامپوری	۱۱۹ - ۱۱۷
بنام مولوی محمد حسن خان مالک مطبع	۱۲۱ - ۱۲۰
فہرست اشخاص و قبائل	۱۲۸ - ۱۲۳
فہرست مقامات	۱۳۰ - ۱۲۹
فہرست کتب و اخبارات	۱۳۲ - ۱۳۱
تصحیح و استدراک	۱۳۵ - ۱۳۳

فهرستِ تصاویر

مقابل صفحه

۱ - شبیهِ نجم الدوله دیر الملک اسد الله خان بهادر نظام جنگ

متخلص به غالب ۱۷ دیاچه

۲ - عکسِ خطِ میرزا اسد الله خان غالب دهلوی محفوظه

دارالانشاء ۱۴۶ دیاچه

۳ - شبیهِ مبارک جناب نواب سید محمد یوسف علیخان بهادر

فردوس مکان، طاب ثراه ۱

۴ - شبیهِ مبارک جناب نواب سید محمد کلب علیخان بهادر

خلد آشیان، طاب ثراه ۴۸



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

دیباچہ

نحمدہ و نستعینہ و نصلی علی رسولہ الکریم

سنہ ۱۹۳۵ ع میں جنابِ معلی القاب عالمیر تبث سید بشیر حسین صاحب بہادر زیدی، چیف منسٹر ریاست رامپور، نے حقیر عرشی کو حکم دیا، کہ ہندگانِ اعلیٰ حضرت ہز ہائیں کپتان عالیجاہ، فرزندِ دلپزیرِ دولتِ انگلیشیہ، مخلص الدولہ ناصر الملک امیر الامرا، نواب سید محمد رضا علیخان بہادر مستعد جنگ فرماںروایِ رامپور دام اقبالہم و ملکہم کے ایمایِ ہمایون کے مطابق، میرزا اسد اللہ خان بہادر غالب دہلوی کے مکاتیب، جو موصوف نے نواب فردوس مکان، نواب خلد آشیان (طاب ثراہما) یا دیگر وابستگانِ دربار کے نام لکھے تھے، اور عرصہ سے محکمۂ عالیۃ دارالانشا میں محفوظ تھے، ضروری حواشی اور ایک سیر حاصل مقدمہ کیساتھ مرتب کروں۔

میری علمی بے بضاعتی اس بارِ گران کی کسی طرح متحمل نہ تھی، اور دامنِ ہمت اس شرفِ بے پایاں کے احاطہ سے کوتاہ نظر آتا تھا۔ مگر بمقتضایِ من درین رتبہ از کجا؟ لیکن * مور پروردۂ سلیمان است

بتعمیلِ حکم ترتیبِ مکاتیب کا کام شروع کیا، اور مسلسل دو سال کی شب و روز کی محنت کے بعد اس مجموعہ کی ترتیب کے فریضہ سے سبکدوش ہوا۔ مجھے اسکا اعتراف ہے کہ میرزا غالب کے سہلِ ممتنع مکتوبات پر حواشی

کا اضافہ ریشمی لباس میں ٹاٹ کا پیوند لگانا، اور اونکی انشا پر اظہارِ رای آفتاب کو دنیا سے روشناس بنانا ہے۔ تاہم اسکی قبولیت کا خواستگار، اور یہ سوچکر کہ قبولیت کے لئے نازِ خوبی سے زیادہ نیازِ خلوص کی ضرورت ہے، جو میرا واحد سرمایہٴ حیات ہے، اپنی مراد کے حصول کا امیدوار ہوں۔

دیاچہ کی ضرورت

میرزا غالب مرحوم کے سوانحِ حیات اور کلامِ نظم و نثر کا انداز و مرتبہ سمجھنے کیلئے خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم کی «یادگارِ غالب» مولانا غلام رسول مہر کی «غالب»، اور مسٹر محمد اکرام، ایم، اے، کی تازہ ترین کتاب «غالب نامہ»، عصرِ حاضر کی وہ مایہٴ ناز تصنیفات ہیں، جنکے بعد اس مضمون پر کسی مطوّل یا مختصر تالیف کی ضرورت عرصہ تک محسوس نہیں کیجائیگی۔ اسلئے کہ ان حضرات نے اندرونی و بیرونی شہادتوں پر اپنے بیانات کی بنیاد استوار کی ہے، جسکے باعث انکا مطالعہ کرنیوالا میرزا صاحب کی مادی و فکری دنیا میں باریاب ہونیکا شرف حاصل کرلیتا ہے، اور یہی ایک شاعر و مفکر کے خیالات سمجھنے کا بلند ترین درجہ ہے۔ لیکن با اینہم میرے لئے ناگزیر ہے کہ میرزا صاحب کے حالاتِ زندگی اور انشائی اردو کی خصوصیات پر خامہ فرسائی کروں۔

اولاً اسلئے کہ ضروری مواد دستیاب نہونیکے باعث مذکورہ بالا تصنیفات میرزا صاحب کے تعلقاتِ رامپور پر، جو اونکی آخری زندگی کا اہم باب ہے، کا حقہ روشنی ڈالنے سے قاصر نظر آتی ہیں۔

ثانیاً اسلئے کہ ان تالیفات کا دائرہ میرزا صاحب کی ساری کائناتِ ادب کو محیط ہے، جسکے سبب سے ان میں خاص انشائی اردو سے سیر حاصل بحث نہیں کی گئی ہے۔ حالانکہ یہ صنفِ ادب اونکی خصوصیتِ خاصہ تسلیم کی گئی ہے، جس میں ہندوستان کا کوئی ادیب، بغیر استثنا، آجکے شرکت

کی جرات نہیں کر سکا ہے۔

ثالثاً اسلئے کہ خود میرزا غالب نے ۱۴ جنوری سنہ ۱۸۵۸ ع کو نواب فردوس مکان کی خدمت میں عرض کیا تھا، کہ میری یہ آرزو ہے کہ ولی نعمت کو اپنی ساری روداد سنا دوں، تا کہ کسی طرح کا پردہ درمیان نہ رہے۔ میرزا صاحب کے الفاظ یہ ہیں:

”ہر آئینہ در دل چنان گزشت، کہ درین بارید انسان سخن سرای توان گشت، کہ سرگزشت من از ولی نعمت نہان و حجابی در میان نماند۔“ (۱)

دیباچہ کی مباحث

لیکن میرزا صاحب کے سوانح لکھتے وقت اس امر کا لحاظ رکھا گیا ہے، کہ صرف وہی واقعات بیان کیے جائیں جو خود میرزا صاحب نے ان مکاتیب میں دربارِ رامپور یا وابستگانِ دربار کو تحریر کیے تھے اور عام حالات سے، جو اردویِ معلیٰ یا عودِ ہندی وغیرہ میں مذکور ہیں، قطعاً بحث نہ کی جائے۔ البتہ تعلقاتِ رامپور کی بنا میرزا صاحب کی تمام اردو فارسی تحریروں پر رکھی گئی ہے۔ کیونکہ اس موضوع سے کسی بزرگ نے تفصیلی بحث نہیں کی تھی۔

میرزا صاحب کے حالاتِ زندگی کے بعد اونکی انشائیِ اردو کے انداز، اور اوسکے اجزا کی خصوصیات سے علیحدہ علیحدہ تفصیلی بحث کی گئی ہے، اور کوشش کی ہے کہ حتی الامکان زیرِ نظر مکاتیب سے مثالیں میا کی جائیں۔ لیکن اردویِ معلیٰ اور عودِ ہندی کو بھی ہر جگہ پیشِ نگاہ رکھا ہے، اور نئی امثلہ کیساتھ ساتھ قدیم نظائر بھی درج کی ہیں۔ اس ضمن میں بعض ایسی چیزیں بھی زیرِ بحث آئی ہیں، جنکا تعلق انشا سے زیادہ میرزا صاحب کے عادات و خصائل یا عام حالات سے تھا۔ لیکن، جیسا کہ ابھی عرض کیا جا چکا ہے، دیباچہٗ ہذا میں عنوانِ سرگزشت کے ماتحت صرف وہی حالات

لکھے گئے ہیں، جنکا ذکر اس مجلہ کے مکاتیب میں ہوا ہے، دیگر تمام عام حالات نظر انداز کر دیئے گئے ہیں۔ ایسی صورت میں یہی مناسب نظر آیا کہ ان مباحث کو انشا کے ساتھ بیان کیا جائے۔ چونکہ ان کا انشا سے بھی کافی تعلق ہے، اسلئے امید ہے کہ مطالعہ کیوقت بے محل معلوم نہ ہونگے۔

ماخذ دیباچہ و حواشی

حواشی اور دیباچہ کی ترتیب میں جن کتابوں سے امداد حاصل کی گئی ہے، اونکے اسما اور سنیں طباعت حسب ذیل ہیں :

- (۱) - اردوِ معلیٰ، طبع اول، اکمل المطابع دہلی سنہ ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۹ع)۔
- (۲) - ایضاً، طبع لاہور سنہ ۱۹۲۶ع۔
- (۳) - عودِ ہندی، طبع اول، مطبع مجتہائی میرٹھ ۱۰ رجب سنہ ۱۲۸۵ھ۔
- (۴) - کلیاتِ نظمِ فارسی، طبع اول، مطبع نولکشور سنہ ۱۲۷۹ھ (۱۸۶۳ع)۔
- (۵) - کلیاتِ شری فارسی، طبع دوم، مطبع نولکشور سنہ ۱۸۷۱ع۔
- (۶) - قاطعِ برہان، طبع اول، مطبع نولکشور سنہ ۱۲۷۸ھ (۱۸۶۲ع)۔
- (۷) - ابرِ گہر بار، طبع اول، اکمل المطابع دہلی سنہ ۱۲۸۰ھ۔
- (۸) - دیوانِ غالب مع شرحِ نظامی، مطبوعہ نظامی پریس بدایون سنہ ۱۹۲۲ع۔
- (۹) - یادگارِ غالب، مطبوعہ نامی پریس کانپور سنہ ۱۸۹۷ع۔
- (۱۰) - غالب، مصنفہ مولانا مہر، طبع لاہور سنہ ۱۹۳۶ع۔
- (۱۱) - خزائنہ عامرہ، مصنفہ آزادِ بلگرامی، مطبوعہ نولکشور پریس کانپور سنہ ۱۸۷۱ع۔
- (۱۲) - انتخابِ یادگار، مصنفہ امیرِ مینائی، مطبوعہ رامپور سنہ ۱۲۹۰ھ۔
- (۱۳) - اخبار الصنادید، مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۹۱۸ع۔
- (۱۴) - تذکرہ کاملانِ رامپور، مطبوعہ ہمدرد پریس دہلی سنہ ۱۹۲۹ع۔
- (۱۵) - انشائی نور چشم، مطبوعہ نظامی پریس کانپور سنہ ۱۲۹۱ھ۔

- (۱۶) - ڈکشنری آف انڈین لیاگرافی، مصنفہ بکلینڈ بزبانِ انگریزی مطبوعہ سنہ ۱۹۰۶ع (اس کتاب سے صرف انگریز حکام کے حالات ماخوذ ہیں)۔
- (۱۷) - اورینٹل لیاگرافیکل ڈکشنری، مصنفہ ییل بزبانِ انگریزی، مطبوعہ سنہ ۱۸۹۴ع۔

ان مطبوعہ کتابوں کے علاوہ حسبِ ذیل قلمی کتابیں بھی زیرِ مطالعہ رہی ہیں :

- (۱) - تاریخِ محمدی، مصنفہ محمدِ حارثی بدخشی، نسخہٴ مولف۔
- (۲) - تاریخِ لطیف، مصنفہ مولوی مہدیعلیخان رامپوری، نسخہٴ مولف۔
- (۳) - تشریح السنین، مصنفہ محمد بشیر الدین کاکوروی، نسخہٴ مولف۔

تصاویر

کتاب میں نواب فردوس مکان، نواب خلد آشیان اور میرزا غالب کی تصویریں اور موخر الذکر کے ایک خط کا فوٹو شامل ہے۔

نواب فردوس مکان کی تصویر اونکے کلیاتِ اردو کے آغاز کی قلمی تصویر کا عکس ہے۔ یہ تصویر نواب صاحب کے درباری مصور محمد جان کی بنائی ہوئی ہے، اور اصل کتاب میں رنگ آمیز ہے۔ تصویر کے چاروں طرف کشمیری طلاکاری مرزا محمد حسن کشمیری کے قلم کی رہیں منت ہے۔ مرزا محمد حسن دربارِ رامپور کے متوسلین میں تھے، اور یہاں کی قدردانی کی بدولت اپنے وطن کو خیرباد کہہ کر رامپور میں قیام پزیر ہو گئے تھے۔ انکے اخلاف اب تک کتب خانہ کے اسٹاف میں موجود ہیں۔

نواب خلد آشیان کی قلمی تصویر، جسکا عکس شایع کیا جا رہا ہے، کسی نامعلوم پینٹر کی بنائی ہوئی ہے۔ لیکن یہ بھی ندرتِ فن کا اعلیٰ نمونہ ہے، اور اصلاً رنگ آمیز ہے۔

میرزا غالب کی تصویر اوس قلمی تصویر کا عکس ہے، جو اونکی زندگی میں کلیاتِ نظمِ فارسی کے پہلے ایڈیشن مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ (۱۸۶۳ع) میں شایع ہوئی تھی۔ یہ ایڈیشن اب نایاب ہے۔ اسلئے مناسب خیال کیا

گیا کہ بجائے عام تصاویر کے، جنکی تاریخی حیثیت مشتبہ ہے، اوس تصویر کا عکس پیش کیا جائے، جو خود میرزا صاحب شایع کراچکے ہین۔

میرزا صاحب کا رسم تحریر پیش کرنیکے لئے وہ خط منتخب کیا گیا ہے، جو اون کے تعلقاتِ رامپور کے آغاز کی تاریخی سند ہے۔ اس سے یک وقت معلوم ہوسکے گا کہ میرزا صاحب کا رسم خط کیسا تھا، اور رامپور سے اونکے تعلقات کس سنہ میں شروع ہوئے۔

شکریہ

میرا فرض ہے کہ جناب سید شوکت علی صاحب ڈپٹی سیکریٹری دار الانشا اور حکیم انوار الحسن صاحب محافظ دفتر دار الانشا کا شکریہ ادا کروں۔ ان حضرات نے اپنے قیمتی وقت کا بڑا حصہ صرف کر کے، امثلہ کی تلاش میں مجھے امداد بہم پہنچائی ہے۔ اسی طرح میسرز شرف الدین اینڈ سنس مالکانِ مطبع قیمہ، بمبئی، کا شکریہ بھی میرے ذمہ واجب ہے۔ ان اصحاب نے طباعت کے سلسلہ میں ہر قسم کے فنی مشورے دیئے، اور تغیر و تبدل الفاظ و فقرات کی انتہائی فراخ حوصلگی سے تعمیل کی۔ آخر میں میں سرکار کی درازیِ عمر و ترقیِ جاہ و جلال کی دعا پر تمہید ختم کرتا ہوں۔

از دستِ گدایِ ینوا ناید ہیچ • جز آنکہ بصدقِ دل دعائی بکند

احقر

امتیاز علی عرشی

ناظمِ کتبخانہ

کتبخانہ، قلمہ مغل، ریاست رامپور۔

۱۵ مارچ سنہ ۱۹۳۷ ع۔

سرگزشتِ غالب

آتشِ غدر سرد ہو جانیکے بعد میرزا غالب نے نواب فردوس مکان کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا تھا، جسکا یہاں سے جواب نہیں گیا۔ میرزا صاحب نے خیال کیا کہ غالباً میری رودادِ غدر سے واقف نہونے کے باعث سرکار کو شبہ ہے کہ میں بھی باغیوں کا شریکِ کار رہا ہوں، اور اس بنا پر از رام احتیاط مراسلت سے احتراز فرمایا ہے۔ اس شبہ کے ازالہ کیلئے ۱۴ جنوری سنہ ۱۸۵۸ ع کو انھوں نے دوسرا عریضہ ارسال کیا، اور اوس میں اپنے انگریزی روابط، حقیقتِ تعلقِ قلعہ، اور ایامِ غدر میں اپنی گوشہ گیری کے تذکرہ سے پہلے سرکار کو لکھا:

• در زمان چیرہ دستی کور نمکان سپاہ روسیاء سر رشتہ یام از ہم گسست۔ ناچار بفرستادن نامہ بر رساندن نامہ و پیام صورت بست۔ درین روزگار، کہ فرمان داوران داد گروائی و سلسلہ آمد شد نامہ رسائی یافت، نامہ در یام روان داشته شد، و نا رسیدن پاسخ آترا چنان پنداشته شد، کہ مگر آن نیایشنامہ نرسیده باشد، یا فرط احتیاط مانع تحریر جواب گردیده باشد۔ ہر آئینہ در دل چنان گزشت کہ درین باربد انسان سخن مرای توان گشت کہ سرگزشت من از ولی نعمت نہان و حجابی در میان نماند۔ (۱)

میرزا صاحب کی اس توجیہ کے پیش نظر میں نے بھی یہی مناسب خیال کیا کہ کم از کم وہ حالات، جو خود میرزا صاحب اس عریضہ یا دیگر عرایض و مکاتیبِ رامپور کے ذریعہ نواب فردوس مکان، نواب خلد آشیان، یا وابستگانِ دربار کے علم میں لانا ضروری سمجھتے تھے، آغازِ مکاتیب میں شامل کردوں، تا کہ اس مجموعہ کے مطالعہ کرنیوالے کی نگاہ سے بھی وہ حجاب دور ہو جائے، جو مکتوب الیہم کے درمیان سے اوٹھایا گیا تھا۔

نام تخلص اور القاب شاہی

میرزا صاحب کا نام » اسد اللہ خان « تخلص » غالب « اور شاہی لقب » نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ « تھا ۔ عریضہ نمبر ۱۳ کے آخر میں نام ، نمبر ۷ اور ۱۱ کے خاتمہ میں نام اور تخلص ، اور نمبر ۱ کے زیرین گوشہ کی مہر میں نام مع القاب شاہی مذکور ہے ۔ (۱)

عرف

عرایض میں میرزا صاحب کا عرف کہیں مذکور نہیں ۔ لیکن سرکاری جوابات کے مسودوں کے آغاز میں ہمیشہ » بنام میرزا نوشہ صاحب « درج ہوتا ہے ۔ نیز قصیدہ » ہمانا اگر گوہر جان فرستم « کے لفافہ کی پشت پر بھی میر منشی صاحب نے یہی نام لکھا ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب کا عرف » مرزا نوشہ « تھا ۔ (۲)

تاریخ پیدائش

عریضہ نمبر ۷ میں میرزا صاحب لکھتے ہیں :

« از سر آغاز سال بکھار و مشت صد و شش کہ درانگاہ شمار بنین عمر من از ده نگزشتہ بود » (۳)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ سنہ ۱۸۰۶ ع میں میرزا صاحب کی عمر کا دسواں سال تھا ۔ گویا وہ سنہ ۱۷۹۷ ع میں پیدا ہوئے تھے ۔ اردوی معلیٰ اور عودِ ہندی میں ۸ رجب سنہ ۱۲۱۲ ھ تاریخ پیدائش بتائی گئی ہے ، (۴) جو سنہ ۱۷۹۷ ع کے مطابق ہے ۔ اسلئے اس انگریزی سنہ کو صحیح سالِ پیدائش شمار کرنا چاہیے ۔

نسبی خاندان — چچا

میرزا صاحب نصر اللہ بیگخان بہادر کے بھتیجے تھے ۔ نصر اللہ بیگخان چار سو سواروں کے رسالہ کے افسر تھے ، اور جنرل لارڈ لیک بہادر کی

(۱) مکاتیب ، ص ۲۰ و ۱۴ و ۱۸ و ۴ (۲) ایضاً ، ص ۶ حاشیہ نمبر ۱ (۳) ایضاً ، ص ۱۱

(۴) اردوی معلیٰ ، ص ۳۹۹ و عودِ ہندی ، ص ۶۹

معیت میں حکومتِ انگریزی کی گرانقدر فوجی خدمات انجام دیجکے تھے، جسکے صلہ میں پرگنہ 'سونک سونسا' بقیدِ حیات جاگیر میں عطا ہوا تھا۔ سنہ ۱۸۰۶ ع میں نصر اللہ بیگ خان بہادر کا یکایک انتقال ہو گیا۔ گورنمنٹ نے جاگیر واپس لیکر اونکے ورثا کی پنشن مقرر کردی، جو ابتداء ریاستِ فیروزپور جھر کہ کے خزانہ سے اور بعد ازاں غدر تک خزانہ کلکٹری دہلی سے تقسیم ہوتی رہی۔ یہ تمام تفصیل میرزا صاحب نے عریضہ نمبر ۷ میں تحریر کی ہے۔ فرماتے ہیں:

د حالِ رای جهان آرای باد کہ دیرنہ نمکخوار سرکار انگریزم۔ و از سر آغاز سال بکھوار و هشت صد و شش کہ درانگاه شمار سنین عمر من از ده نگزشتہ بود، بعوض جاگیر عم حقیقی نسبی خود نصر اللہ بیگخان بہادر، کہ باجمعی رسالہ چار صد سوار بمعیت جرنیل لاؤد لیک بہادر در فتح هندوستان کو ششہای نمایان کردہ، و پرگنہ سونک سونسا بقیدِ حیات جاگیر یافتہ، و ہم دران عہد ہمرگ ناکاہ از جہان رقتہ بود، فرمان جرنیل لاؤد لیک بہادر و منظوری گورنمنٹ مشتمل زوی شامل جاگیر عم سببی من نواب احمد بخش خان بہادر در وجہ معاش من منجملہ زر استمراری سرکاری، کہ بذمہ احمد بخش خان بہر دوام واجب الادا بود، قرار یافت۔ (۱)

حقیقی بھائی

ایک عریضہ میں میرزا صاحب نے اپنے چھوٹے بھائی میرزا یوسف خان کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

د بہر حال دو امر ہنوز مبہم ہیں۔ ایک اس انگریزی تحریر کا حال، اور دوسری میری بھائی کی پنشن کی حقیقت۔ (۲)

میرزا یوسف خان نے ۲۹ صفر سنہ ۱۲۷۴ ھ مطابق ۱۹ اکتوبر سنہ ۱۸۵۷ ع کو بحالتِ دیوانگی دلی میں انتقال کیا۔ (۳)

سبی خاندان - بی بی

میرزا صاحب کی بی بی امراؤ بیگم نواب الہی بخش خان معروف کی بیٹی تھیں۔ یہ ۷ رجب سنہ ۱۲۲۵ ھ (۱۸۱۰ ع) کو میرزا صاحب کے عقد میں آئیں، اور اونکی وفات کے چند ماہ بعد تک زندہ رہیں۔ نواب فردوس

(۱) مکاتیب، ص ۱۱ (۲) ایضاً، ص ۲۷ (۳) کلیاتِ ثغر فارسی، ص ۳۹۹

مکان کی مزاج پر سی کرتے ہوئے میرزا صاحب نے انکے متعلق لکھا ہے :

• جب می حضرت کی ناسازی مزاج مبارک کا حال خارج می مسموع ہوا می ، عالم الغیب گواہ می کہ بچہ اور میری بی بی پر ... کیا گزر رہی می . (۱)

میرزا صاحب کے انتقال کے بعد امراؤ بیگم نے اپنی مالی مصیبت کا سارا بچا چٹھالکھکر کشنر دہلی سے درخواست کی تھی کہ میرزا صاحب کی پنشن حسین علیخان پسر متبی کے اور میرے نام منتقل کر دیجائے۔ لیکن ڈپٹی کشنر کی ہمدردانہ رپورٹ کے باوجود کشنر دہلی نے جواب دیا کہ متبی بیٹے کے نام پنشن کی سطح جاری نہیں ہو سکتی۔ البتہ بیوہ پچھری مین حاضر ہو تو اوسکے نام دس روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا جائیگا۔ اس باغیرت بی بی نے پچھری کی حاضری کو گوارا نہ کیا، اور دس روپیہ ماہوار کے وظیفہ سے انکار کر دیا۔ حسین علیخان نے ۱۲ جون سنہ ۱۸۶۹ ع کو نواب خلد آشیان کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا تھا۔ اوس میں میرزا صاحب کے قرض کی ادائیگی کی درخواست، اور اپنے حاضر نہوسکنے کے عذر کے بعد، بیگم صاحبہ غالب کی درخواست پنشن کے بارے میں لکھتے ہیں :

• پنشن سرکار انگریزی کی یہ صورت ہوئی، کہ ہنگام ثبوت و تحقیق مفلسی و بیمقدوری و قرضداری ڈپٹی کشنر صاحب نے رپورٹ اچھی کی۔ اوسپر صاحب کشنر بہادر نے حکم دیا کہ پسر متبی کی پنشن نہیں ہو سکتی۔ ہان زوجہ کیواسطی مبلغ دس روپیہ تجویز ہوئیگی۔ جناب دادی صاحبہ نے دس روپیہ نامنظور کیو۔ یہ امید بھی جاتی رہی . (۲)

اس عرضی کے آخر میں بیگم صاحبہ نے لکھا ہے :

• از جانب امراؤ بیگم . بعد کورنش بتوحد مضمون عرضی ہذا یہ گزارش می . کترینہ اول بعمر ہفتادسالہ حرکت و نقل مکان می معذور . اور سوائے اوسکی صدمہ انتقال شوہر اور هجوم قرض خواہان می اور معیشت آئندہ می مجبور . با این ہمہ بسبب عدت کی غائے می باہر نہیں نکلسکتی . بدین وجوہ مانع حضوری می . اور سوائے دولت کی کوئی ملجا و ماوا نظر نہیں آتا . حضور کو دستگیری مجھ یکسہ عاجزہ کی واجب می . اور یہ ارادہ می کہ بعد انقضای مدت عدت خدمت میں حاضر ہوں ، اور وہیں انفاس بقیہ کو گزاروں . اب نان شینہ کو محتاج ہوں .

چارہ اسکا بچہ بندگان عالی کو ممکن نہیں۔ رحم فرمائیے اور خبر گیری کیجیے، کہ بدعا گوئی دولت ابد مدت مشغول رہوں۔

۲۲ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۶ھ (اگست سنہ ۱۸۶۹ع) کو بیگم صاحبہ نے

نواب خلد آشیان کو پھر لکھا:

و جناب عالی! جس روز می مرزا اسد اللہ خان غالب نے وفات پائی ہو، تو یہ عاجزہ بیوہ اسقدر مصائب میں گرفتار ہو، کہ تحریر سے باہر ہو۔ اول تو یہ مصیبت ہو کہ مرزا صاحب مرحوم آٹھ سو روپیہ کی قرضدار مری۔ دوسری مصیبت یہ کہ پنشن انگریزی مسدود ہوئی۔ تیسری یہ کہ تنخواہ سو روپیہ ماہوار، جو آپ از راہ قدر دانی کے مرزا مرحوم کو ارسال فرمائی تھی، وہ بھی یک لخت موقوف ہوئی۔ اب تک قرض لیکر اوقات بیری کی۔ اب قرض بھی نہیں ملتا۔ نوبت قافہ کشی کی پہنچی۔ اس حالت حیرانی اور پریشانی میں پھر یہی خیال آیا، کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا وسیلہ پرورش اور اوقات گزاری کا اس دنیا میں آپکی ذات بابرکات کو بنایا ہو، اور سوائے آپکی ذات بابرکات کے دوسرا کوئی نظر نہ آیا۔ لاچار برخوردار حسین علیخان کو آپکو قدموں پر ڈالا۔ آپنی بسبب شرفا پروری اور اقتضای مروت اور فتوت کے اسقدر اوپر حال برخوردار کے عنایت فرمائی ہو، کہ بیان سے باہر ہو۔ اب دعا گو کی یہ تمنا ہو کہ ایسی پرورش مجھے ضعیفہ کی ہوجاؤ، کہ مرزا مرحوم حق عباد سے بری ہوجائیں، کہ یہ سخت عذاب ہو۔ اگر حضور صورت ادای قرض فرمادیں تو کمال ثواب عظیم ہوگا۔ اور اگر دفعہ صورت ادای قرض مناسب رای بیضا ضیا کی نہو، تو یہ تنخواہ ششہ کی بحساب فی ماہ صد روپیہ بالفعل مجھے بیوہ کو عنایت ہوجاؤ۔ باقی ۶ ماہ اور بحساب مذکورہ بالا مرحمت فرمائیے، تاکہ میں بیوہ قرض مرزا صاحب کا ادا کردوں، اور ظاہر یقین ہو کہ زندگی میری بھی اسی میعاد میں پوری ہوجائیگی۔ اور پنشن میری دس روپیہ انگریز کرتا ہو، بشرط اینکه کچہری میں حاضر ہوں۔ اور جانا میرا کچہری میں ہرگز نہوگا۔ گو قافون سے مر جاؤں۔ کیا میں اپنی باپ اور چچا اور شوہر کا نام روشن کروں۔ اور جو عزت اور ریاست میری چچا کی اور حرمت میری والد کی اور شوہر کی آگے خاص و عام کے تھی حضور پر سب روشن ہو۔ (۱)

اس عریضہ پر بھی سرکار نے کوئی حکم نہ دیا۔ تو ۲۴ جمادی الاول سنہ ۱۲۸۶ھ کو بیگم صاحبہ نے مکرر درخواست پرورش پیش کی۔ اسکا مضمون تقریباً سابق درخواست کے مطابق ہے، اسلئے اعادہ مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ اس عرضی کے لفافہ پر میر منشی صاحب کا نوٹ ہے:

• پیش نموده شد . حکم نفاذ یافت کہ درین خصوص بہ نواب مرزا خان فہائش و ہدایت بعمل آمدہ . ۹ ستمبر سنہ ۱۸۶۹ ع .

اس تاریخ کے بعد صرف ایک اور درخواست کا پتہ چلتا ہے ، جو شعبان میں بھیجی گئی تھی . لیکن مثل میں اوسکا لفافہ شامل ہے . اصل عرضی موجود نہیں . اسکے بعد امراؤ بیگم کا تذکرہ نہیں ملتا . اس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ اونکی یہ پیشینگوئی کہ » میں اسی ششماہی میں فوت ہو جاؤنگی « درست نکلی . اور وہ سنہ ۱۲۸۶ ھ ہی میں فوت ہو گئیں .

بی بی کی چچا اور بھائی

نواب احمد بخش خان بہادر والی فیروزپور جھرکہ و جاگیردار لوہارو میرزا صاحب کی بی بی کے حقیقی چچا اور میرزا صاحب کے چچا سسر تھے . انہوں نے اپنی زندگی میں اپنے بڑے لڑکے نواب شمس الدین احمد خان کو فیروزپور کا رئیس بنا دیا تھا ، اور خود گوشہ گیر ہو گئے تھے . نواب شمس الدین احمد خان بہادر کو ولیم فریزر ریزیڈنٹ دہلی کے قتل کے الزام میں پھانسی دیدی گئی . میرزا صاحب نے اپنی سرگزشت میں ان دونوں کا ذکر کیا ہے ، اور اوسی میں نواب شمس الدین احمد خان کے قتل کی طرف بھی اشارہ کر گئے ہیں . فرماتے ہیں :

• بفرمان جرنیل لاژد لیک بہادر و منظوری گورنمنٹ مشن زری شامل جاگیر عم سبی من نواب احمد بخش خان بہادر دروجہ معاش من منجملہ زراستمراری سرکاری ، کہ بذمہ نواب احمد بخش خان بہر دوام واجب الادا بود ، قرار یافت . چون جانشین احمد بخش خان کیفر کردار یافت و جاگیر بسرکار باز یافت شد ، رسیدن آن وجہ مقرری از خزائنہ کلکتری دہلی صورت پزیرفت . (۱)

نواب احمد بخش خان نے سنہ ۱۸۲۷ ع میں اور نواب شمس الدین احمد خان نے سنہ ۱۸۳۵ ع میں اس دار فانی سے کوچ کیا .

بی بی کی پوتی — باقر علی خان

امراؤ بیگم کے سات اولادین ہوئیں ، لیکن ان میں سے کسی نے پندرہ ماہ

سے زیادہ عمر نہیں پائی۔ ان میان بی بی نے زین العابدین خان عارف کو، جو امراؤ بیگم کے حقیقی بھانجے تھے، منہ بولا بیٹا بنالیا۔ یہ دو خورد سال بچے چھوڑ کر جوانی میں انتقال کر گئے۔ ان دونوں میں بڑے باقر علیخان تھے، جو والد کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ تک اپنی دادی بنیادی بیگم کے ہاں رہے اور انکے بعد میرزا صاحب کے پاس چلے آئے۔ میرزا صاحب نے انکی پرورش کی، پڑھایا لکھایا، اور جب جوان ہو گئے تو ڈھائی ہزار روپیہ لگا کر نواب ضیاء الدین خان بہادر کی صاحبزادی سے شادی کر دی۔ نواب خلد آشیان کو انکی شادی اور اوسکے اخراجات کے بارے میں لکھا ہے:

«باقر علیخان کی شادی نواب ضیاء الدین خان کے ہاں ہوئی۔ اونہوں نے کھانہ جوڑی کی دو ہزار

روپیہ دی۔ اور میری زوجہ نے پانسو روپیہ کا زیور لگا کر پچیس سو روپیہ صرف کیے۔» (۱)

باقر علیخان نے سنہ ۱۲۹۳ ھ (۱۸۷۶ ع) کو انتقال کیا۔

حسین علیخان

عارف کے چھوٹے لڑکے حسین علیخان کو میرزا صاحب نے عارف کی جگہ متبنی کر لیا تھا۔ چنانچہ نواب فردوس مکان کی مزاج پرسی کے پہلے خط میں انکو اپنا فرزند لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

«جب میری حضرت کی ناسازی مزاج مبارک کا حال خارج ہو، مسعود ہوا ہو عالم الغیب گواہ ہو کہ

مجھ پر..... اور میری فرزند حسین علی خان پر کیا گزر رہی ہو۔» (۲)

نواب خلد آشیان کی خدمت میں انکے متعلق میرزا صاحب نے بار بار تحریریں لکھی ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے ۱۹ اگست سنہ ۱۸۶۷ ع کو انکی منگی کے بارے میں لکھا:

«آپ کو غلام زر خرید، یعنی حسین علیخان، کی منگی ہو گئی۔ اور اپنی کچھ میں ہوئی۔ یعنی نواب

احمد بخش خان مرحوم کے حقیقی بھائی کی پوتی ہو۔ اور رجب کا مہینہ قرار پایا۔ اب میری

بڑھاپہ اور میری مفلسی کی شرم آپ کو ہاتھ ہو۔» (۳)

سرکار نے جواباً تحریر فرمایا کہ آپکی تحریر مجمل ہے۔ خلاصہ مکنونِ خاطر

تحریر فرمائیے۔ اسکے جواب میں میرزا صاحب نے ۵ ستمبر کو لکھا:

ہم جملہ یہ کہ میں در دولت کا گدای خاك نشین اور وہ آپ کا غلام۔ تفصیل یہ کہ میری پاس نقد، جنس، اسباب، املاک، اور میری گھر میں زیور زینہ و سیمینہ کا نام و نشان نہیں۔ ہت اودھار قرض کوئی دیتا نہیں۔ آپ روپیہ عنایت فرمائیں، تا یہ کام سر انجام پاؤ، اور بوڑھی فقیر کی برادری میں شرم رہجاؤ۔ دوسری بات یہ کہ سو روپیہ آپ کی سرکار میں بطریق خیرات اور باسٹھ روپیہ آٹھ آؤ مہینا سرکار انگریزی میں بعض جاگیر پانا ہوں۔ عالم الغیب جانتا ہو کہ اس میں میرا بڑی مشکل میں گزارا ہوتا ہو۔ بہو کو کہاں میں کھلاؤنگا؟ حسین علیخان کی کچھ تنخواہ مقرر ہو جائی۔ لیکن توقع تنخواہ اوسکی نام جاری نہ ہو۔ بلکہ اوسکی زوجہ حسن جہان بیگم بنت اکبر علیخان کی نام وہ تنخواہ مقرر ہو۔ اور اوسکی مہری رسید میں ملا کری۔ زر مصرف شادی کی مقدار اور تنخواہ کی مقدار جو خداوند کی ہمت اور اس کنگال اپاہج کی قسمت۔ (۱)

سرکار نے ارقام فرمایا کہ آپ مصارف کی مقدار لکھیے۔ اسکے بعد حکم مناسب دیا جاسکیگا۔ مابدولت کو بر بنای موانست و اتحاد قدیمہ آپ کی خوشنودی خاطر مد نظر ہے۔ اسکے جواب میں میرزا صاحب نے ۲۳ ستمبر کو تحریر کیا:

ہم حضرت فی غمخواری و تفقد و درویش نوازی کو اوس پایہ پر پہنچایا کہ شاہان عجم میں سلطان سنجر فی اور شاہان ہند میں شاہجہان فی ملازمن کی اتنی پرسش اور نوازش کی ہوگی۔ باقر علیخان کی شادی نواب ضیاء الدینخان کی ہاں ہوئی۔ انہوں نے کھانے جوڑی کے دو ہزار روپیہ دیے۔ اور میری زوجہ فی پانسو روپیہ کا زیور لگا کر پچیس سو روپیہ صرف کیے۔ حسین علیخان کا سسر، یعنی اکبر علیخان، اپنی خاندان کا ہو۔ لیکن امیر نہیں۔ نوکری پیشہ ہو۔ اب یہ میں کیونکر عرض کروں کہ بھی کیا دو۔ سائل ہوں۔ یہ رسم نہیں کہ سائل مقدار سوال عرض کری۔ حال مصارف شادی خاندان لکھ دیا ہو۔ دو ڈھائی ہزار میں شادی اچھی ہو جائیگی۔ لیکن یہ بھی ساتھ عرض کرنا ہو کہ میرا حق خدمت اتنا نہیں کہ اسقدر مانگ سکوں۔ جو کچھ دوگو اوس میں شادی کر دوںگا۔ (۲)

اس عریضہ کا سرکار کی جانب سے کوئی جواب نکیا، اور رجب میں شادی ملتوی ہو گئی۔ میرزا صاحب نے ۲ رمضان سنہ ۱۲۸۴ھ مطابق ۲۹ دسمبر سنہ ۱۸۶۷ع کو یاد دہانی کرتے ہوئے لکھا:

ہم ماہ صیام میں سلاطین و امرا خیرات کرتے ہیں۔ اگر حسین علیخان یتیم کی شادی امی صبیغہ میں ہو جائی، اور اس بوڑھی فقیر کو روپیہ ملجائی تو اس مہینے میں تیاری ہو رہی، اور

دیاجہ

شوال میں رسم نکاح عمل میں آؤ۔ اور چونکہ اس ماہ مبارک میں در فیض باز اور سال انگریزی کا بھی آغاز ہو، وہ پچیس روپے مہینا جو زبان مبارک سے نکلا ہو، جنوری سنہ ۱۸۶۸ء میں نام حسین علیخان مذکور جاری ہو جائے، تو مجھے گویا دونوں جہان مل گئے۔ (۱)

لیکن اس عریضہ کا جواب بھی صیغۃ التوا میں رہا، اور ذیقعدہ آہنچا میرزا صاحب نے ۹ مارچ سنہ ۱۸۶۸ء کو لکھا:

مرزا حسین علیخان کی شادی رجب کی مہینے میں قرار پائی تھی۔ عطیہ حضور کی نہ پہنچ کر سب ملتوی رہی۔ آج جو ذیقعدہ کی ۱۵ ہو، ۱۵ دن یہ اور مہینا ذی الحجہ کا۔ اگر اسی ذیقعدہ کی مہینے میں کچھ حضرت عطا فرمائیں گی، تو آخر ذی الحجہ تک نکاح ہو جائیگا۔ خدا کری! خداوند کی ضمیر میں یہ بھی گزری، کہ غالب جب بہو بیابا لائیکا، تو اوسکو روٹی کہاں سے کھلائیکا۔ غرض اس سے یہ کہ حسین علیخان کی تنخواہ جاری ہو جائے۔ حضرت! کوئی ایسا نہیں کہ جو میری مطالب حضور میں عرض کرتا رہی اور مجھے بار بار لکھتے ہوئے شرم آتی ہو۔ (۲)

سرکار نے یہ درخواست منظور فرمائی، اور آمدِ زمستان تک شادی سے فراغت کی امید ہو گئی۔ نواب مرزا خان داغ دھلوی، اور حکیم مظفر حسین خان بہادر لکھنوی نے علی الترتیب میرزا صاحب کو قبولیت التماس کی اطلاع دی۔ اسکی توثیق نیز مکرر یاد دہانی کی خاطر میرزا صاحب نے ۱۳ اگست سنہ ۱۸۶۸ء کو لکھا:

تین التماسیں سابق پیش ہوئی تھیں۔ سو اب پہلی برخوردار نواب مرزا خان کی تحریر سے اور پھر جناب مظفر حسین خان بہادر کی خط سے اُن خواہشوں کی منظور و مقبول ہونے کی نوید پائی۔ انشاء اللہ الکریم حسب ارشاد حضور امی برس ۶۸ میں آمدِ زمستان یعنی نومبر و دسمبر میں میرا فرض بھی ادا ہو جائیگا، اور حسین علیخان کی شادی بھی ہو جائیگی، اور اوسکی واسطو اوسکی زندگی تک تنخواہ جداگانہ مقرر ہو جائیگی۔ (۳)

اس عرصہ میں حسین علیخان کی سسرال سے شادی کا تقاضا شروع ہو گیا۔ میرزا صاحب نے مجبور ہو کر ۷ ستمبر کو ولی نعمت کی خدمت میں عرض کیا:

پیر و مرشد! حسین علیخان کی سسرال والوں کا بڑا تقاضا ہو۔ زندگی مشکل ہو گئی ہو۔ بطریق و شیئاً اللہ سوال مختصر یہ ہو کہ جو حضرت کی مزاج میں آوی وہ عطا کیجیے، اور حسین علیخان کی نام جداگانہ تنخواہ مقرر کر دیجیے۔ لیکن یہ دونوں امر جلد صورت پکڑ جائیں۔ (۴)

سرکار نے ابھی اسکا جواب ارقام نہیں فرمایا تھا کہ اس عرصہ میں

(۱) مکاتیب، ص ۱۰۰ (۲) ایضاً، ص ۱۰۲ (۳) ایضاً، ص ۱۰۵ (۴) ایضاً، ص ۱۰۶

میرزا صاحب پر قرضخواہوں کا سخت تقاضا ہونے لگا، اور شادی کی خوشی کے حصول سے قبل قرض کے غم کا رفع کرنا ضروری ہو گیا۔ ادائیگی قرض کی سیل صرف عطیہ سرکارِ رامپور تھا۔ بنابرین ۱۶ نومبر کو میرزا صاحب نے بحالتِ اضطراب لکھا:

• حال میرا تباہ ہوتا ہوتا اب یہ نوبت پہنچی، کہ ابھی تنخواہ مین سی ۵۴ روپے بجے ۶۳ روپے کا چٹھا ماہوار کا سو سے مادہ دینا۔ مجھ لائے سو روپے ہوں تو میری آبرو بچتی ہو۔ ناچار حسین علیخان کی شادی اور اوسکو نام کی تنخواہ سے قطع نظر کی۔ اب اس باب میں عرض کروں کیا مجال۔ کبھی نکھونگا۔ آٹھ سو روپے بھگو اور دیجو۔ شادی کیسی؟ میری آبرو بچ جائی، تو غنیمت ہو۔ (۱)

میرزا صاحب مرتے دم تک اپنے اس عہد پر قائم رہے۔ آخری عریضہ مین بھی، جو ۱۰ جنوری سنہ ۱۸۶۹ ع کو تحریر کیا تھا^(۲)، حسین علیخان کی شادی کا ذکر نہیں کیا، اور یہ ارمان ساتھ لیکر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ حسین علیخان نے انکے انتقال کے ایک مہینے بعد ۱۷ مارچ سنہ ۶۹ ع کو اپنے تقررِ تنخواہ کی درخواست بھیجی۔ بعد ازان ۱۲ جون کے عریضہ مین پھر اپنی خواہشِ وظیفہ کا اعادہ کیا، اور یہ بھی عرض کیا کہ فدوی بیمار ہے، اسلئے حاضرِ خدمت نہیں ہو سکتا۔ انشاء اللہ صحت کے بعد قدمبوسی کی سعادت حاصل کریگا۔

۲۲ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۶ ھ (اگست سنہ ۱۸۶۹ ع) کو بیگم غالب نے سرکار کو جو عریضہ لکھا ہے اوس سے معلوم ہوتا ہے کہ اوس وقت حسین علیخان ملازم ہو چکے تھے۔ لیکن ابھی انکی شادی نہیں ہوئی تھی۔ ۲۱ فروری سنہ ۱۸۷۰ ع کو حسین علیخان نے رامپور سے دلی واپس جا کر منشی سیلچند صاحب کو ایک خط لکھا ہے۔ اوس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسین علیخان اگست سنہ ۶۹ ع کے بعد رامپور آئے، اور فروری سنہ ۷۰ ع مین میرزا صاحب کی برسی کی فاتحہ کیلئے رخصت لیکر دلی گئے۔ وہاں سسرال والوں

نے شادی کا تقاضا کیا۔ ان کی تنخواہ صرف پچیس روپیہ ماہوار مقرر ہوئی تھی، اور ابھی ۶ ماہ ملازمت پر گزرے تھے، اسلئے کچھ پس انداز بھی نہ ہونے پایا تھا۔ لہذا بذریعہ عریضہ جداگانہ سرکار سے درخواست کی کہ مصارفِ شادی عطا فرما کر بندہ کی پرورش فرمائیے، اور منشی صاحب سے خواہش کی کہ اس کام میں آپ کوشش کریں۔ یقین تو ہے کہ حضور دام اقبالہ بس رحم فرما کر کچھ عنایت فرمائینگے۔ آگے مقدر،

اسکے بعد املہ میں شادی سے متعلق کوئی تحریر نہیں۔ اسلئے قیاس یہ ہے کہ حسین علیخان کو امداد ملگئی، اور سنہ ۷۰ ع میں انکی شادی کی تقریب انجام پائی۔

تعلیم — عربی و فارسی

میرزا صاحب نے عربی و فارسی کی صرف ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی۔ لیکن زبانِ فارسی سے فطری دلچسپی تھی۔ خوش قسمتی سے عنفوانِ شباب میں ایک ایرانی نژاد بزرگ ملا عبد الصمد آگرہ وارد ہوا، اور دو سال تک انکے مکان پر مقیم رہا۔ یہ اصلاً زرتشتی تھا، اور فلسفہ و حکمت میں دستگاہِ کامل رکھتا تھا۔ میرزا صاحب نے اوس سے زبانِ فارسی کے حقائق و دقائق سیکھے، اور اسطرح اپنی بواسطہ تحصیلِ ادبِ فارسی کو پایہ تکمیل تک پہنچالیا۔ چنانچہ ایک عریضہ میں فرماتے ہیں:

»بدو فطرت می میری طبیعت کو زبان فارسی می ایک لگاؤ تھا۔ چاہتا تھا، کہ فرہنگوں می بڑھکر کوئی ماخذ جھگو ملی۔ باری مراد بر آئی، اور اکابرِ پارس میں می ایک بزرگ بیان وارد ہوا، اور اکبر آباد میں فقیر کی مکان پر دو برس رہا، اور میں نے اوس می حقائق و دقائق زبانِ پارسی کی معلوم کیو۔ اب مجھو اس امر خاص میں نفس مطمئنہ حاصل ہو۔ مگر دعویٰ اجتہاد نہیں ہو۔ بحث کا طریقہ یاد نہیں ہو۔ (۱)

قاطع برہان سے معلوم ہوتا ہے کہ ملا عبد الصمد سنہ ۱۲۲۶ ھ (۱۸۱۱ ع) میں آگرہ وارد ہوا تھا^(۲)۔

طب

میرزا صاحب نے ایک عریضہ میں اپنے طبی تجربہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو غالباً قدرے کتبِ طب کے از خود مطالعہ سے اور زیادہ تر ایامِ امراض کی طوالت اور کثرتِ استعمالِ ادویہ سے حاصل ہوا تھا۔ فرماتے ہیں :

• میں طبیب نہیں مگر تجربہ کار ہوں۔ ستر برس کا آدمی ہوشیار ہوں۔ (۱)

اسکے بعد مختلف ادویات تجویز کی ہیں، اور بعض اشیاء سے پرہیز کی ہدایت کی ہے۔

علم نجوم

نواب فردوس مکان کے جشنِ غسلِ صحت کی تہنیت میں میرزا صاحب نے جو فارسی تہنیت نامہ لکھا ہے اوس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں علمِ نجوم میں بھی دخل تھا۔ اس مکتوب میں از رویِ نجوم ثابت کیا گیا ہے کہ مرضِ سرطان سے سرکار کی صحتیابی ایسی مبارک ساعت میں واقع ہوئی ہے کہ اسکے اثرات کے ماتحت عرصہ دراز تک سرکار مہلک امراض کے حملوں سے محفوظ رہیں گے۔ (۲)

وطن اور سکونت دہلی

میرزا صاحب کا وطن اکبر آباد (آگرہ) ہے۔ چنانچہ اپنے ایرانی استاد کے ذکر میں نواب خلد آشیان کو لکھا ہے :

• اکبر پارس میں سی ایک بزرگ بیان وارد ہوا، اور اکبر آباد میں فقیر کے مکان پر دو برس رہا۔ (۳)

لیکن شادی کے بعد دلی میں آ رہے تھے۔ یکم ستمبر سنہ ۱۸۶۶ع کو لکھتے ہیں :

• میں باون ترین برس سی بیان رہتا ہوں۔ (۴)

اس حساب سے اونکا دلی میں قیام سنہ ۱۸۱۳ ع یا سنہ ۱۸۱۴ ع سے ہونا چاہیے۔ میرزا صاحب نے دلی میں ذاتی مکان کبھی نہ بنایا۔ ہمیشہ کرایہ کے مکانات میں رہے۔ ان میں سے دو کا ذکر ایک عریضہ میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں :

و دیران خاص بر عنوان نامہ های پیشین نشان کلبہ این درویش دلربش عقب مسجد جامع ناشتہ اند .
و من از ہفت ہشت سال در محلہ بلیار می مانم . (۱)

مسکن کی حالات

جس عہد میں میرزا صاحب دلی تشریف لائے وہ اگرچہ دلی کی پیرانہ سالی کا زمانہ تھا، لیکن آثارِ شگفتگی و آبادانی ہر طرف ہویدا تھے۔ غدرسنہ ۵۷ع نے اس شہر کی بھی کھچی دولت لوٹکر نیا سکہ چلایا۔ عمارات گرا کر سڑکین بچھائی گئیں۔ شہر اوجاڑ کر قبرستان آباد کیے گئے، اور اہل ہنر کو شہر بدر کر کے فوج کا شہر میں پڑاؤ ڈالا گیا۔ ایکبار نواب فردوس مکان کو چوب چینی کی ضرورت پیش آئی۔ دلی اطبا اور عطاروں کا مخزن تھا، اسلئے سرکار نے میرزا صاحب سے فرمایش کی۔ اسکے جواب میں ۲۶ دسمبر سنہ ۱۸۶۴ع کو میرزا صاحب تحریر کرتے ہیں:

دلی اب شہر نہیں۔ چھاؤنی ہو۔ کپ ہو۔ نہ قلعہ۔ نہ شہر کہ امرا، نہ اطراف شہر کہ
روسا ۲۰۰ (۲)

۱۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ع کو دلی میں کاتبوں کے فقدان کی وجہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

شہر مراسر ویران ہو۔ کاتب کہاں؟ (۳)

خشک سالی

سنہ ۶۵ع میں دلی بارانِ رحمت کے فیض سے محروم رہی۔ جولائی بھری برسات کا مہینا ہے، لیکن اس زمانہ میں شہر کے اندر لو چلتی رہی۔ ۲۳ جولائی کو میرزا صاحب نے دلی کی محرومی کا رونا رویا ہے۔ فرماتے ہیں:

دیہان خلق کو مینہ درکار ہو، اور ہوا شرارہ بار ہو۔ دھوپ کی تیزی سے آدمی کی تیور اور پہاڑ کی پتھر جل جاتی ہیں۔ پانی جگر گداز، ہوا جانستان، امراض مختلفہ کا ہجوم جہان تہان۔ جز اعضای انسان، کہ وہ ہسی می تر ہیں، طراوت و رطوبت کا کہین پتا نہیں۔ یا لو چلتی ہو یا مطلق ہوا نہیں۔ (۴)

۱۱ ماہ اگست کو پھر لکھتے ہیں:

دیہان مینہ اسبقدر برسا ہو کہ جسکو پانی سے زمیندار حاصل فصل ربیع سے ہاتھ دھو لین۔ (۵)

برسات

لیکن آئندہ سال بارش نے سنہ ۶۵ ع کی کمی باران کی تلافی کی ، اور شہر میں اسقدر پانی برسا کہ گزشتہ باون ترین برس سے ایسا نہ برسا تھا . یکم ستمبر سنہ ۱۸۶۶ ع کو میرزا صاحب نے لکھا ہے :

دبرسات ایسی ہوتی ہے کہ مین باون ترین برس می بیان رہتا ہوں . عرش آرا نگہ اکبر شاہ کی عہد میں ایکبار ایسی برسات دیکھی تھی یا امسال نظر آئی ہے . (۱)

عقائد

میرزا صاحب کے ایک عریضہ سے اونکے عقائد اسلامی پر بھی روشنی پڑتی ہے . فرماتے ہیں :

اگرچہ فاسق و فاجر ہوں ، مگر وحدانیت خدا اور نبوت خاتم الانبیا کا بدل معتقد اور بزبان معترف ہوں . (۲)

اخلاق و عادات

میرزا صاحب کے اخلاق و عادات اوس عہد کے شرفا کے اخلاق و عادات کا نمونہ تھے . لغو گوئی سے پرہیز ، جھوٹ اور تکلف سے نفرت ، احباب کی تکلیف سے رنج ، خوشی سے راحت ، چھوٹوں پر مہربانی ، اور بزرگوں کی خیرخواہی ، اونکا شعار تھا .

صدق و سداد

ایکبار نواب فردوس مکان کی جانب سے مراسلت مدین تاخیر ہوئی . میرزا صاحب نے ۱۵ ستمبر سنہ ۱۸۶۲ ع کو لکھا :

د فقیر کا شیوہ صدق و سداد کا ہو . چند روز سی تفقد و التفات قدیم مین ، خدا نخواستہ باشد ، کچھ کمی پاتا ہوں . اگر غلط ہو میرا گمان تو بشرط اطلاع مشرف فرمائو . اور اگر میرا دل دیوانہ سچ سمجھا ہو تو متوقع ہوں کہ عتاب کو سبب ہو آگہی پاؤں . (۳)

لغو گوئی می نفرت

۲۲ جولائی سنہ ۱۸۶۱ ع کو ایک سفارش کے سلسلہ میں تحریر کرتے ہیں :

د لازم کر لیا ہو کہ بیہودہ گزارش نکرون اور کبھی کسی کی سپارش نکرون . (۴)

قسم می برہیز

جھوٹی قسم کھانے کے بارے میں لکھتے ہیں:

و خدا و رسول کی قسم جھوٹی نکھاؤنگا . (۱)

رنج بر رنج

نواب فردوس مکان کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا تو اونکی تعزیت میں

۲۸ مارچ سنہ ۵۹ ع کو تحریر کیا:

و کیا کون کیا غم و اندوہ کا هجوم ہوا . حضرت کی غمگین ہونیکا تصور کر کر اور زیادہ مضموم

ہوا . (۲)

سنہ ۱۸۶۵ ع میں نواب خلد آشیان کی بیاہتا بیگم فوت ہوئیں تو ۱۸

ستمبر سنہ مذکور کو لکھا:

و چاہتا ہوں کہ کچھ لکھوں . مگر نہیں جانتا کہ کیا لکھوں . لازم تھا کہ تعزیت نامہ زبان

فارسی و عبارت بلیغ لکھوں . آپکی قدموں کی قسم ! دل فی قبول نکیا . (۳)

خوشی می خوشی

سنہ ۵۹ ع میں نواب فردوس مکان کو بصلۃ خدماتِ غدر علاقہ جدید

عطا ہوا . اسکی تہنیت میں لکھتے ہیں:

و یہ چار بالش عمارت اور کاشی پور کا ضمیمہ ملک موروثی ہونا پہل آپکو اور پھر ولیمہ بہادر

کو اور پھر آپکی اولاد و اخوان و انصار کو اور سبکی بعد غالب دعا گوی گوشہ نشین کو

مبارک ہو . (۴)

خیر خواہی

جون سنہ ۶۵ ع میں نواب خلد آشیان کو از راہِ خیر خواہی

تحریر کیا ہے:

و پیر و مرشد ! از راہ خیر خواہی ایک امر عرض کرتا ہوں حضرت کی جد امجد

کو احمد شاہ درانی نے مخاطب پیر غلص الدولہ فرمایا . حضرت اگر مناسب جانیں تو اوس

خطاب کو مع دو جزو و شمس الملک و بہرام جنگ و جناب ملکہ معظمہ سے بذریعہ گورمند

اپنی واسطی لین . (۵)

قدما کا اعتراف

میرزا صاحب شعرائِ قدیم کے فنی مرتبہ اور اونکے کلام سے استشہاد

(۱) مکاتیب ، ص ۸۴ (۲) ایضاً ، ص ۱۸ (۳) ایضاً ، ص ۶۴ (۴) ایضاً ، ص ۲۳ (۵) ایضاً ، ص ۵۴

کو تسلیم کرتے تھے۔ چنانچہ اسبارے میں نواب خلد آشیان کو صراحتاً لکھا ہے کہ:

دفعہ اشعار قدما کا معتقد۔ اون لوگون کو کلام کا عاشق۔ (۱)

نیز خلیفہ احمد علی صاحب رامپوری کو دورِ متاخرین کے گلِ شگفتہ مولانا عرفی شیرازی کے متعلق لکھتے ہیں:

قواعد زبان فارسی کا ماخذ تو ان حضرات کا کلام ہی..... عرفی کی زبان سے جو نکلیاؤ وہ سند ہی۔ ہماری واسطی وہ ایک قاعدہ حکم ہی۔ وہ مطاع ہی اور ہم اوسکو مقلد اور مطیع ہیں۔ (۲)

ہندی شعرا اور فرہنگ نویسوں کا انکار

لیکن ہندی شعرائِ فارسی گو اور ہندی فرہنگ نویسوں کے قائل نہ تھے۔ اونکا خیال تھا، کہ یہ حضرات اہلِ زبان کا کلام پڑھکر اپنے قیاس سے اوسکے محاورات و الفاظ کے معنی قائم کرتے ہیں۔ اور یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ اونکا قیاس صحیح نکلے، بنابرین بارہا اون سے غلطیاں سرزد ہوتی ہیں۔ اس سلسلہ میں نواب خلد آشیان کو لکھا ہے:

”میان انجو جامع فرہنگ جہانگیری، شیخ رشید راقم فرہنگ رشیدی، عظمای عجم میں سے نہیں۔ ہند انکا مولد۔ ماخذ انکا اشعار قدما۔ ہادی انکا قیاس۔ نیکچند اور سیالکوٹی مل انکو پیرو۔ سبحان اللہ! ہندی بھی اور ہندو بھی۔“ (۳)

اس عریضہ کے جوابِ الجواب میں لکھتے ہیں:

”شعراِ ہند کو کلام میں جو غلطیاں نظر آتی ہیں۔ یا ہندی فرہنگ لکھنے والوں کی بیان میں جو نادرستی اور بام جو اونکو عقول میں اختلاف ہیں۔ اوس میں کلام نہیں کرتا۔ اپنی تحقیق کو مانی ہوؤ ہوں۔“ (۴)

برنگنی

اپنے مخلص احباب اور محسنوں سے میرزا صاحب تکلف برتنا ناسزا جانتے تھے۔ نواب فردوس مکان سے انکا تعلق سراسر اخلاص پر مبنی تھا۔ اسلئے اگر روپیہ کی ضرورت آپڑتی تو میرزا صاحب بلا تکلف سرکار سے مانگ لیا

کرتے تھے۔ اپنے اس رویہ کو ایک خط میں ظاہر بھی کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں:
 "جو آپ بن مانگو دین اوسکی لیو میں بھرو انکار نہیں۔ اور جب بھرو حاجت آ پڑی تو آپ
 می مانگو میں عار نہیں۔" (۱)

قرض می نفرت

اگرچہ میرزا صاحب عمر بھر مقروض رہے، لیکن اونہیں طبعاً قرضداری سے نفرت تھی۔ وہ ہمیشہ کوشش کرتے رہے کہ اس مصیبت کا سامنا نہو، مگر ایک متمول اور ذی عزت خاندان کا فرد ہونے کے سبب اخراجات زیادہ تھے۔ اسلئے اونکی رامپور اور سرکارِ انگریزی کی ماہوار آمدنی، ایکسوبا سٹھ روپیے آٹھ آنے، ضروری اخراجات کو ناکافی ہوتی، اور تقریباً ہر مہینے قرض لینا پڑتا۔ سرکارِ رامپور اونکا ملجوا و ماوا تھی۔ جب قرض خواہوں کا تقاضا سخت ہو جاتا تو ادائیگی قرض کیلئے روپیہ کا سوال پیش کر دیتے، اور یہاں کی امداد سے بارگراں سے سبکدوشی حاصل کرتے۔ اس سلسلہ کی جسقدر تحریریں اس مجموعہ میں پائی جاتی ہیں، اون سے صاف عیاں ہے کہ میرزا صاحب قرض کا بار بہت محسوس کیا کرتے، اور چاہتے تھے کہ جلد از جلد اس بلا سے نجات حاصل ہو جائے۔ چنانچہ سب سے پہلی تحریر میں، جو ۱۷ نومبر سنہ ۱۸۵۸ ع کو نواب فردوس مکان کی خدمت میں ارسال کی ہے، لکھتے ہیں:

"بارگراں غم می بہت ہو گیا ہوں۔ آگے تنگدست تھا۔ اب تہی دست ہو گیا ہوں۔ جلد میری
 خبر لیجو، اور کچھ بھجوا دیجیو۔" (۲)

اسکے بعد ۸ دسمبر سنہ ۱۸۵۹ ع کو پھر لکھا ہے:

"سورویہ کی ہڈی... پہنچی۔ اور رویہ وصول میں آیا، اور صرف ہو گیا، اور میں بدستور
 بھوکا اور تنگا رہا۔ تم می نکہوں تو کس می کہوں۔ اس مشاہدہ مقرر می علاوہ دو سورویہ
 اگر بچکو اور بھجید بیگم تو جلا لیجیگا۔ لیکن اس شرط می کہ اس عطیہ مقرر می محسوب نہو
 اور بہت جلد مرحمت ہو۔" (۳)

۲۲ اگست سنہ ۱۸۶۵ ع کو نواب خلد آشیان کی خدمت میں تحریر کیا ہے:

ان دنوں میں متفرقات کی قرضدار سرگرم تقاضا بلکہ آمادہ شور و غوغا تھی۔ دو سو روپیہ کی ہڈوی صراحی آب حیات ہو گئی۔ دام مرگ سے نجات ہو گئی۔ (۱)

ایکبار رامپور سے تنخواہ کی روانگی میں دیر ہو گئی تھی۔ میرزا صاحب کو قرضخواہوں کی رقمیں ادا کرنی ہونگی، اسلئے ۱۰ اگست سنہ ۱۸۶۶ ع کو سرکار کی خدمت میں لکھا:

میرا حال یہ کہ انگریزی تنخواہ گھر میں اور کچھ قرض کی قسط میں جاتی ہو۔ حضور کو عطیہ پر میرا اور شاگرد پیشہ کا اور حسین علی کا گزارا ہو۔ عالم الغیب جانتا ہو جس طرح گزرتی ہو۔ چار سو ساڑھے چار سو کا قرض باقی ہو۔ اب کوئی قرض بھی نہیں دیتا۔ (۲)

۱۳ اگست سنہ مذکور کو پھر لکھتے ہیں:

غم فز بشمول بڑھاپے کو پست و مضمل کر دیا ہو۔ حضرت کو قدموں کی قسم! نہ حواس درست نہ رای صحیح۔ برسوں سے مکروہات میں مبتلا رہو رہو اب طاقت تحمل کی نہ رہی۔ خدا جانو کیا ہوتا ہو کیا سمجھتا ہوں۔ کیا کرنا چاہی کیا کرنا ہوں۔ کل آخر روز میر مفتی حضور کا خط آیا۔ جون کی تنخواہ کی رسید نہ پہنچو کی اطلاع پائی۔ تہدستی و قرض کو رنج میں خستہ و آزرده بیٹھا تھا۔ اوسی وقت عرضی لکھی۔ اگرچہ ڈاک کا وقت نہ تھا، مگر بھجادی۔ (۳)

۶ اکتوبر سنہ ۶۶ ع کے عریضہ میں میرزا صاحب نے راحت کا انحصار قرض کی ادائیگی میں بتایا ہے۔ تحریر کرتے ہیں:

حضور ملک و مال جسکو جسقدر چاہیں عطا کر سکتی ہیں۔ میں آپ سے صرف راحت مانگتا ہوں۔ اور راحت منحصر اس میں ہو کہ قرض باقیانده ادا ہو جائے۔ اور آئندہ قرض لہو کی حاجت نہ پڑے۔ (۴)

سرکار نے میرزا صاحب کا قرض ادا فرمادیا تو ۸ جنوری سنہ ۶۷ ع کو اوسکے شکریہ میں لکھتے ہیں:

حضرت کو تصدق سے قرض ادا ہو گیا۔ تنخواہ و قسط سے اور میں تو رنج سے رہائی پائی۔ (۵)

اگست سنہ ۱۸۶۸ ع میں میرزا صاحب کے قرض کی ادائیگی کا سرکار نے پھر وعدہ فرمایا۔ اس وعدہ سے میرزا صاحب کو جو مسرت ہوئی، اوسکا اندازہ ان الفاظ سے بخوبی ہوتا ہے:

تین التماسین سابق پیش ہونی تھیں... اون خواہشوں کو منظور و مقبول ہونے کی نوید پائی۔ انشاء

افہ الکرم حسب ارشاد حضور امی برس ۶۸ مین آمد زمستان یعنی نومبر و دسمبر مین میرا قرض... ادا ہو جایگا۔ (۱)

۱۶ نومبر سنہ ۶۸ ع کو پھر لکھا:

• حال میرا تباہ ہوؤ ہوؤ اب یہ نوبت پہنچی کہ ابکی تنخواہ مین می ۵۴ روپیہ بچی۔ ... مجھلا آٹھ سو روپیہ ہون تو میری آبرو بچی می۔ ناچار حسین علیخان کی شادی اور اوسکی نام کی تنخواہ می قطع نظر کی۔ اب اس باب مین عرض کروں کیا مجال۔ کبھی نکھونگا۔ آٹھ سو روپیہ مجھکو اور دیجی۔ شادی کیسی؟ میری آبرو بچ جائی تو غنیمت می۔ ... مختصر یہ کہ اب میری جان اور میری آبرو آپکی ہاتھ می۔ مگر حضور جو عطا فرمانا می جلد ارشاد ہو۔ (۲)

۱۷ دسمبر کو میرزا صاحب نے یاد دہانی کی، اور پھر آخری خط مین اپنے اضطراب کو ان الفاظ سے ظاہر کیا:

• حضور قرض خواہوں نے بہت عاجز کر رکھا می۔ بس میرا یہی کام ہو کہ یاد دلادون۔ آگے حضرت مالک مین۔ (۳)

لیکن ابھی یہاں سے رقم پہنچنے نہ پائی تھی کہ میرزا صاحب کا انتقال ہو گیا۔
امراض اور ضعف پیری

میرزا صاحب نے سب سے پہلے عریضہ نمبر ۱۴ مورخہ یکم اکتوبر سنہ ۱۸۵۹ ع مین عوارض جسمانی کا ذکر کیا ہے۔ لیکن وہ ضعف پیری تک محدود ہے۔ فرماتے ہیں:

• خدمت گزار ہوں اور دعا و ثنا میرا کام می۔ بڑھاپی نے کھو دیا۔ جز نفی چند مجھ مین کچھ باقی نہیں۔ (۴)

قولنج

امراض کا شکوہ ۱۱ نومبر سنہ ۶۱ ع سے شروع ہوتا ہے۔ اس زمانہ مین میرزا صاحب ابتداء درد قولنج اور بعد ازان بخار مین مبتلا ہوئے، اور ایک ماہ تک ان امراض کی مصیبت جھیلے رہے۔ فرماتے ہیں:

• دعا گو ایک مہینا بھر می بیمار می۔ ابتدا وہی قولنج دوری۔ بسبب استعمال ادویہ حارہ۔ کہ اس مرض مین اوس می گریر نہیں، تب و آگہیرا۔ کئی بار باران بھگتین۔ اب دو بار باران تلگتی مین۔ لیکن طاقت بالکل سلب ہو گئی می۔ اور ضعف دماغ و قریب ہلاکت پہنچا دیا می۔ بالفعل آب سبب کا استعمال می۔ (۵)

(۱) مکاتیب، ص ۱۰۵ (۲) ایضاً، ص ۱۰۷ (۳) ایضاً، ص ۱۰۸ (۴) ایضاً، ص ۲۰ (۵) ایضاً، ص ۳۳

امراض مختلفہ کا ہجوم

نواب خلد آشیان کی دعوتِ قدومِ رامپور کے جواب میں امراض مختلفہ اور صعوبتِ سفرِ تابستان کا عذر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دو آگ برس رہی ہو کہ طیور کو ہر جل رہی ہیں۔ بعد آگ کو پانی برس گیا۔ سفر خصوصاً بوڑھی رنجور آدمی کو دونوں صورت میں متعذر۔ (۱)

۲۳ جولائی کو پھر تحریر کیا ہے:

ہانی جگر گداز، ہوا جانتان، امراض مختلفہ کا ہجوم جان تھان۔ (۲)

نیم مردہ

سنہ ۱۸۶۵ ع میں نواب سکندر زمانی بیگم صاحبہ کا انتقال ہوا۔ ایسے موقع پر میرزا صاحب کو بزبان فارسی و عبارتِ بلیغ تعزیت نامہ لکھنا چاہیے تھا۔ لیکن بڑھاپا اور ضعف مانع آیا، اور انہوں نے ۱۸ ستمبر سنہ مذکور کو از رامِ معذرت لکھا:

اب میں نیم مردہ، دل پر مردہ، خاطر افسردہ، جس باب میں لفظ و معنی فرام کیا چاہوں وہ مرا سر طبع کی خلاف۔ (۳)

کوفتہ و رنجور

رامپور کے دوسرے سفر سے واپس ہوتے ہوئے میرزا صاحب مراد آباد پہنچ کر بیمار ہو گئے تھے۔ نواب خلد آشیان نے مزاجِ پرسی کی تو اس کے جواب میں ۲۱ جنوری سنہ ۶۶ ع کو رودادِ سفر بیان کر کے لکھتے ہیں:

ایک ہفتہ کوفتہ و رنجور رہا۔ اب ویسا پیر و ناتوان ہوں جیسا کہ اس سفر سے پہلے تھا۔ (۴)

نیمجان ہوں

سفر کی صعوبت اور عرضِ راہ کی بیماری نے میرزا صاحب کی رہی سہی صحت برباد کر دی، اور یہ اپنے آپ کو نیمجان سمجھنے لگے۔ چنانچہ ۲۹ مارچ کو لکھتے ہیں:

اپنا حال اس سے زیادہ کیا لکھوں کہ آگے ناتوان تھا۔ اور اب نیمجان ہوں۔ برخوردار نواب مرزا خان اپنی مشاہدہ کی مطابق جو میری حقیقت عرض کری وہ مسموع و مقبول ہو۔ (۵)

(۱) مکاتیب، ص ۵۴ (۲) ایضاً، ص ۵۵ (۳) ایضاً، ص ۶۴ (۴) ایضاً، ص ۶۸ (۵) ایضاً، ص ۶۹

حواس درست نہیں

امراض اور مالی دقتوں نے میرزا صاحب کے احساسات پر بھی کافی اثر اندازی کی۔ چنانچہ ۱۱ اگست سنہ ۶۶ ع کو تحریر کیا ہے :

« غم و یشمول بڑھاپی کے بست و مضحل کر دیا ہے۔ حضرت کے قدموں کی قسم ! نہ حواس درست، نہ رای صحیح۔ برسوں سے مکروہات میں مبتلا رہتی رہتی اب طاقت تحمل کی نرمی۔ خدا جانو کیا ہوتا ہے، کیا سمجھتا ہوں۔ کیا کرنا چاہی، کیا کرتا ہوں۔ » (۱)

ضعف بصر اور رعشہ

۱۸ ستمبر سنہ ۶۶ ع کو چند نئے امراض کی شکایت کرتے ہوئے تحریر کیا ہے :

« خاطر اقدس میں نگہری کہ غالب تعیل احکام میں کاہل ہے۔ بصارت میں فتور۔ ہاتھ میں رعشہ۔ حواس مختل۔ » (۲)

امراض قدیم بڑھگئی

اس کے ۶ ماہ بعد ۱۳ مارچ سنہ ۶۷ ع کو لکھتے ہیں :

« اس درویش کا حال اب قابل گزارش نہیں۔ امراض قدیم بڑھگئی۔ دوران مر، اور رعشہ، اور ضعف بصر، تین بیماریاں نئی پیدا ہوئی ہیں۔ قلم نہیں بنا سکتا۔ لڑکوں سے بنوالتا ہوں۔ برسوں کی بات نہیں رہی۔ ہفتوں کی یا مہینوں کی زندگی رہ گئی ہے۔ » (۳)

فرض محال

اسکے ایک مہینے بعد ۱۴ اپریل سنہ ۶۷ ع کو نمائشِ باغِ بینظیر کی

شرکت کی آرزو کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں :

« نمائشگاہ مراد پور کا ذکر اخبار میں دیکھتا ہوں، اور خون جگر کھاتا ہوں، کہ ہاؤ میں وہاں نہیں ! بالاخانہ پر رہتا ہوں۔ اوتر نہیں سکتا۔ مانا کہ آدمیوں و گود میں لیکر اوتارا، اور بالکی میں بٹھادیا۔ کبار چلو، راہ میں نہ مرا اور رامپور پہنچ گیا۔ کھارون و جاگر بینظیر میں میری بالکی رکھدی۔ بالکی قفس اور میں طائراسیر۔ وہ بھی بڑے پروبال۔ نہ چل سکوں۔ نہ پھر سکوں۔ (جو کچھ اوپر لکھ آیا ہوں یہ سب بطریق فرض محال ہے۔ ورنہ ان امور کے وقوع کی کہاں مجال ہے)۔ » (۴)

اب دم نہیں

رفتہ رفتہ ماہ و سال کے سفر کیساتھ ساتھ میرزا صاحب کے اعضا بھی

فرسودہ و ناتوان ہوتے چلے گئے۔ تا آنکہ ۱۱ جون سنہ ۱۸۶۷ ع تک یہ نوبت پہنچی کہ اونھوں نے منشی سیلچند صاحب کو صاف صاف لکھ دیا: ”بھائی بی تکلف لکھتا ہوں کہ مجھ میں اب دم نہیں۔ نہ طاقت باقی ہو۔ نہ حواس درست ہیں۔ لکھا کچھ چاہتا ہوں۔ لکھ کچھ جاتا ہوں۔ بس اب تو یہ نوبت پہنچی ہو کہ آج بجا کل مرا۔ کل بجا پرسون مرا۔“ (۱)

وفات اور مدفن

آخر کار وہ دن بھی آگیا، جسکی میرزا صاحب کو برسوں سے آرزو تھی، اور ۱۵ فروری سنہ ۱۸۶۹ ع مطابق ۲ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۵ ھ کو ان کا انتقال ہو گیا۔ لیکن انکی خواہش تھی کہ بعد مرگ رامپور میں دفن کیا جاؤں۔ چنانچہ ۳۱ دسمبر سنہ ۵۹ ع کو حسین مرزا صاحب کو لکھا تھا: ”رامپور زندگی میں میرا مکان اور بعد مرگ میرا مدفن ہو لیا۔“ (۲)

قضا و قدر نے یہ تمنا پوری نہونے دی، اور میرزا صاحب شاہ نظام الدین اولیا کے مزار کے قریب اپنے خاندان کے احاطے میں مدفون ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔



تصانیف

میرزا صاحب نے زیرِ نظر عریضوں میں اپنی متعدد تصنیفات کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں سے اکثر مشہور ہیں اور کئی کئی بار طبع بھی ہو چکی ہیں۔ لیکن بعض کے حالات سے ارباب علم ابھی تک آگاہ نہیں۔ اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کا اجمالی ذکر کر دیا جائے۔

تاریخِ سلاطینِ تیموریہ

۱۴ جنوری سنہ ۵۸۰ھ کے عریضہ میں میرزا صاحب نے اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

«از هفت هشت سال بتحریر تاریخ سلاطین تیموریہ می پرداختم ...» (۱)

واقعہ یہ ہے کہ سنہ ۱۸۵۰ع میں شاہِ ظفر نے میرزا صاحب کو تاریخ نویسی کی خدمت پر بمشاہرۃ پچاس روپیہ ماہوار مقرر فرمایا، اور حکم دیا کہ حکیم احسن اللہ خان بہادر تواریخ سے حالات اقتباس کر کے میرزا کو دیا کریں، اور میرزا صاحب اپنے اندازِ خاص میں ان واقعات کو تحریر کریں۔ میرزا صاحب نے کتاب کا نام پرتوستان رکھا، اور یہ تجویز قرار پائی، کہ کتاب دو حصوں میں تقسیم کی جائے۔ پہلا حصہ ابتدائی آفرینش سے امیر تیمور گورکان تک بالاختصار اور تیمور سے ہمایون تک قدرے تفصیل کیساتھ مرتب کیا جائے۔ دوسرے میں جلال الدین اکبر سے سراج الدین بہادر شاہ تک کے واقعات ہوں۔ میرزا صاحب نے حصہ اول کا نام «مہرِ نیمروز» اور ثانی کا «ماہِ نیم ماہ» رکھا۔ حصہ اول کے متعلق ۱۱ جون سنہ ۱۸۵۲ع کو میرزا صاحب نے منشی جواہر سنگھ جوہر کو لکھا ہے:

»مسودہ روزنامہ روداد اورنگ نشینان چٹائیہ بدست ہیرا سنگھ روان داشتہ ایم، و ہنوز از رسیدنش نشان نیافتہ ایم۔ اگر رسیدہ است بنویسند۔ ورنہ از ہیرا سنگھ باز پرس کنند۔« (۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سال ڈیڑھ سال کے اندر ہی »مہرِ نیروز« تمام ہو چکی تھی۔ لیکن سنہ ۱۲۷۱ھ تک زیورِ طباعت سے آراستہ نہوسکی^(۲)، جسکی وجہ یہ ہوگی کہ اگر میرزا صاحب فوراً حضورِ شاہ میں کتاب پیش کر دیتے تو حصہ دوم کا تقاضا شروع ہو جاتا، جسکی واسطے یہ اسقدر جلد تیار نہ تھے۔

بہر حال مطبوعہ کتاب بادشاہ کے روبرو سنہ ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۴ع) میں پیش ہوئی۔ چاہئے تھا کہ میرزا صاحب حصہ ثانی کی ترتیب شروع کر دیتے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا، حتیٰ کہ سنہ ۵۷ع نے بساطِ حکومت اولئدی، اور »ماہِ نیم ماہ« شرمندہ طلوع نہوسکا۔ بظاہر اسکی ایک اہم وجہ میرزا صاحب کی جدید طرزِ انشا بھی ہے، جو بادشاہ تو بادشاہ اوس عہد کے کسی ادیب کو بھی پسندیدہ نہ تھی۔ ورنہ ناممکن تھا کہ سنہ ۵۴ع سے سنہ ۵۷ع تک بادشاہ تقاضا نہ کرتے، یا مہلت عطا کر دیتے اور قبلِ اتمام کتاب جلاوطن ہو جاتے تو میرزا صاحب اپنے خطوط میں یہ نہ لکھتے کہ میں نے حصہ ثانی کی ترتیب کا آغاز کر دیا تھا، لیکن اوسکو انجام تک اسلئے نہیں پہنچایا کہ اب اوسکا قدردان دلی سے رخصت ہو گیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ چونکہ اسی سال شیخ ابراہیم ذوق کا انتقال ہوا اور میرزا صاحب بہ تنخواہ موجودہ استادِ شہ قرار پائے، اسلئے انہوں نے خلافِ دانشمندی سمجھا ہو کہ ایک تنخواہ کے عوض دو خدمتیں انجام دین۔ واللہ اعلم۔

دیوان اردو

میرزا صاحب نے ۵ ذی الحجہ سنہ ۱۲۷۳ھ کے عریضہ میں اسکا اسطرح ذکر کیا ہے :

• جیو غم یہ ہو کہ غزلہای اصلاحی اور دیوان اردو کی رسید میں نہ پائی دیوان کی رسید ایسی ہی باریک کاغذ پر لکھکر اس ساموکار کو دیجیگا، اور اوسکو تاکید کیجیگا کہ اسکو بھجادی .. (۱)

منشی شیونرائن اکبر آبادی کو اس نسخہ کے بارے میں لکھتے ہیں :

• اب تم سنو . دیوان ریختہ اتم و اکمل کہاں تھا . مگر ہاں میں تو غدر ہو پہل لکھوا کر نواب یوسف علیخان بہادر کو رامپور بھجویا تھا .. (۲)

اس بیان سے بظاہر یہ مترشح ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے مئی سنہ ۵۷ ع سے قبل دیوان اردو رامپور بھیجا . لیکن دراصل نسخہ مذکور عریضہ نمبر ۵ کے جواب کی تاریخ ۹ مئی اور تاریخ آشوب غدر ۱۱ مئی کے درمیان کسی تاریخ کو بھیجا گیا تھا . چونکہ وہ تاریخ غدر سے قبل تھی اسلئے میرزا صاحب نے مجملہ " غدر سے پہلے " کہا ہے .

میرزا صاحب کو اسکی رسید نومبر سنہ ۵۸ ع تک موصول نہوسکی . جب ماء مذکور میں انہوں نے " دستنبو " کی ایک جلد تحفۃ ارسال کی اور نواب صاحب نے جواب میں لکھا کہ عذیم الفرستی کے سبب دیوان اور دستنبو ملاحظہ سے نگررا، تو میرزا صاحب نے ۷ نومبر کو لکھا :

• اس قریب سے کہ بسبب کم فرصتی کے اونکا ملاحظہ نکرنا مرقوم ہوا ریختہ کے دیوان اور اس کتاب کا پہنچنا معلوم ہوا .. (۳)

اس نسخہ کی مفصل کیفیت صفحہ ۱۰ کے حاشیہ میں ملاحظہ ہو .

دستنبو

میرزا صاحب نے " آغاز یازدہم مئی سنہ ۱۸۵۷ ع سے ۳۱ جولائی سنہ ۱۸۵۸ ع تک رودادِ شہر اور اپنی سرگزشت یعنی پندرہ مہینے کا حال ثر میں لکھا ... اور التزام اسکا کیا ... کہ دساتیر کی عبارت یعنی پارسی قدیم لکھی جائے، اور کوئی لفظ عربی نہ آئے " (۴) . اور منشی شیونرائن کے مطبع واقع اکبر آباد (آگرہ) میں طبع کرا کے ایک نسخہ نواب فردوس

(۱) مکاتیب، ص ۱۰ (۲) اردو مئی، ص ۳۸۱ (۳) مکاتیب، ص ۱۸ (۴) اردو مئی، ص ۴۹ و — مکاتیب غالب

مکان کو ارسال کیا۔ ۷ نومبر سنہ ۵۸ ع کو اسکی رسید کے متعلق لکھتے ہیں:

«اس فریقی سی کہ بسبب کم فرصتی کو اونکا ملاحظہ نکرنا مرقوم ہوا، ریختہ کی دیوان اور اس کتاب کا پہنچنا معلوم ہوا۔ دیوان کو دیکھتی ندیکھتی میں آپ کو اختیار ہو۔ مگر یہ چار جزو کا رسالہ جو اب پہنچا ہو اسکا دیکھنا ضرور درکار ہو۔ فارسی قدیم اور پھر حسن معنی اور صنعت الفاظ۔ با این همه ہر امر کی احتیاط اور ہر بات کا لحاظ! جنابعالی! طرفہ معاملہ ہو۔ خدا کا شکر ہو اور اپنی قسمت کا گلہ ہو۔ خدا کا شکر یہ کہ باوجود تعلق قلمہ کی طرح کو جرم کا یہ نسبت میری احتمال بھی نہیں۔ قسمت کا گلہ یہ کہ عطای ہنس قدیم کا حکام کو خیال بھی نہیں۔ یہ نومبر سنہ ۱۸۵۸ اتیسواں مہینا ہو۔ گویا بن کھاڑ جینا ہو۔ کتو ہین کہ جنوری شروع سال میں ہنسندارون کو روپیہ ملیگا۔ دیکھتی کیا نیا گل کھلیگا۔ پہلی نومبر کو بیان اشتہار عام ہو گیا ہو۔ کہ اب قلمرو ہندوستان میں عمل ملکہ معظمہ عالمقام ہو گیا ہو۔ میں پہلی سی مداحون میں اپنا نام لکھوا چکا ہوں، اور وزرای ملکہ دارا دربارت کی دو ساریٹیکٹ پاچکا ہوں۔ اگر اس اجمال کو بہ تفصیل معلوم کیا جاہی، نو اسی کتاب موسوم بہ «دستنبو» میں دیکھا جاہو۔» (۱)

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ۷ نومبر سنہ ۵۸ ع سے قبل کتاب طبع ہو چکی تھی۔ اس کتاب کی طباعت میں میرزا صاحب نے جسقدر اہتمام اور کوشش کی ہے اوسکی داستان سے اردوی معلیٰ اور عود ہندی کے صفحے کے صفحے پر ہین۔ ان خطوط کا ضروری اقتباس مولانا مہر کی کتاب کے صفحات ۳۲۶ - ۳۳۴ میں ملاحظہ ہو۔

کلیات فارسی

کلیات فارسی کا نسخہ میرزا صاحب نے مارچ سنہ ۱۸۶۱ ع میں نذر کیا تھا۔ یہ نسخہ خاندان لوہارو کے ایک بزرگ نواب نحر الدین خان مرحوم کے قلم کا لکھا ہوا ہے۔ ۷ اپریل سنہ ۶۱ ع کو اسکے بارے میں میرزا صاحب تحریر کرتے ہیں:

«کلیات فارسی کی پہنچو سی اور اس نذر کے مقبول ہوؤ سی بھکو بہت خوشی حاصل ہوئی۔» (۲)

۱۹ محرم سنہ ۱۲۸۲ ھ (۱۴ مئی سنہ ۱۸۶۵ ع) کو پھر اسکا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

و دو قصیدہ مدحیہ میری دیوان فارسی میں مرقوم اور وہ دیوان حضرت کی کتابخانہ میں موجود ہو . (۱)

بعد ازان ۱۸ جون سنہ ۶۵ ع کو پھر لکھتے ہیں :

و اب عرض یہ ہو کہ حسب الحکم حضور کہ یہ قصیدہ میری دیوان فارسی میں ، جو کتابخانہ میں موجود ہو ، درج کیا جائی . (۲)

نسخہ کی مزید تفصیل ص ۲۸ کے حاشیہ نمبر ۲ میں درج ہے .

نامہ غالب

میرزا صاحب نے سنہ ۱۸۶۰ ع میں فرهنگِ برہانِ قاطع کے اغلاط پر مشتمل ایک رسالہ مسمی بہ « قاطعِ برہان » لکھکر نواب فردوس مکان کی امداد سے شایع کیا تھا . اسکے جواب میں ہندوستان کے متعدد اہل علم نے رسائل لکھے . ان حضرات میں سے ایک مرزا رحیم بیگ تھے . انہوں نے « ساطعِ برہان » رسالہ تصنیف کیا ، اور اوسمین میرزا صاحب کو بہت جلی کٹی باتیں سنائیں . میرزا صاحب نے اسکا جواب الجواب لکھا ، اور اوسکے پانچ نسخے نواب مرزا خان داغ دہلوی کے توسط سے نواب خلد آشیان کی خدمت میں نذر گزارا کر ۱۳ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۵ ع کو نواب صاحب کو لکھا :

و ایک عبارت کا ایک جزو بطریق خط ایک انصاف دشمن کو لکھکر چھپوا دیا ہو . پارسل اوسکا نواب مرزا کو ارسال کیا ہو . پانچ رسالہ وہ میرطرف می نذر گزارا نیگی . حضرت قبول نذر کو میرا عز و شرف جائز نہ گئی . (۳)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسالہ مذکورہ شروع اگست سنہ ۶۵ میں شایع ہوا تھا .

انتخاب دیوان اردو

نواب خلد آشیان اساتذہ فارسی و اردو کے منتخبہ اشعار کی ایک بیاض مرتب فرمانا چاہتے تھے . اسکے لئے میرزا صاحب کے چیدہ چیدہ اشعار کی بھی ضرورت تھی . لہذا انہوں نے ۲۵ اگست سنہ ۱۸۶۶ ع کو میرزا صاحب کو لکھا کہ آپ اپنے اردو اور فارسی کلام کا انتخاب روانا فرمائیے ، تاکہ

مجموعہ مذکور میں شامل کیا جائے۔ میرزا صاحب نے ۱۰ ستمبر کو جواباً تحریر کیا:

اردو کا دیوان ایک شخص کو دیا ہو بعد اتمام تحریر نذر کیا جائیگا۔ (۱)

۱۸ ستمبر کو پھر تحریر کیا:

و خاطر اقدس میں نگری کہ غالب تعمیل احکام میں کاہل ہو۔ بصارت میں فتور۔ ہاتھ میں رعشہ۔ حواس مختل۔ ناچار کاتب کی تلاش کی۔ شہر سرامر ویران ہو۔ کاتب کہاں؟ باری ایک دوست فی کاتب نشان دیا۔ اردو کا دیوان اشعار پر صاد کر کے اوسکو حوالہ کیا۔ کل وہ اجزای منقولہ آئے۔ آج بطریق پارسل مع اس عرضی کے ارسال کیے۔ خط کاتب کا جھکو پسند نہیں آیا۔ حضرت کو کیونکر پسند آئیگا۔ اغلاط اتنے تھے کہ جھکو تحریر کی برابر محنت پڑی۔ (۲)

۲۴ ستمبر کو سہ بارہ اردو دیوان کا اسطرح ذکر کیا ہے:

اردو دیوان کا انتخاب بھیج چکا ہوں۔ یقین ہو کہ حضرت کی نظر انور سی گزر گیا ہو۔ (۳)

انتخاب دیوان فارسی

اسی سلسلہ میں میرزا صاحب نے اپنی فارسی غزلوں کا انتخاب بھی روانا

کیا تھا۔ ۱۰ ستمبر کے خط میں اسکے متعلق فرماتے ہیں:

فارسی دیوان کا شیرازہ کھولکر چند شخصوں کے حوالہ کیا ہو۔ (۴)

۱۸ ستمبر کے عریضہ میں دیوان اردو کے ارسال کی اطلاع کے بعد لکھتے ہیں:

فارسی کی کلیات کا شیرازہ کھولکر اجزا اوسکی احباب پر تقسیم کر دیئے ہیں۔ جاہل اشعار پر صاد کر دیئے ہیں۔ وہ بھی میری انتخاب کے مطابق نقل ہو رہے ہیں۔ بعد اتمام وہ بھی پیشکش کرونگا۔ (۵)

میرزا صاحب نے یہ انتخاب ۲۴ ستمبر کو روانا کر کے بطریق اطلاع سرکار کو لکھا:

آج فارسی دیوان کا انتخاب بطریق پارسل اس عرضی کیساتھ بھیجتا ہوں۔ ... اس درویش فی صرف غزلین اور رباعیوں کا انتخاب بھیجا ہو۔ قصائد و قطعات و مشروبات کا انتخاب ابھی نہیں بھیجا۔ اگر حکم ہو تو وہ بھی بھیجوں۔ (۶)

لیکن اغلب یہ ہے کہ سرکار نے ان اصنافِ نظم کا انتخاب طلب نہیں فرمایا۔ ان دونوں نسخوں کے متعلق ص ۷۹ کا حاشیہ نمبر ۱ ملاحظہ کیجیے۔

تلامذہ

میرزا صاحب کے شاگردوں کی تعداد خاصی ہے۔ لیکن مکاتیب میں صرف چند اصحاب کا ذکر آیا ہے۔ ان میں سے باقر علیخان اور حسین علیخان سببی خاندان کے عنوان کے ماتحت مذکور ہو چکے۔ بقیہ اصحاب حسب ذیل ہیں۔

نیر

نواب ضیاء الدین خان بہادر نیپور و رخشان ابن نواب احمد بخش خان بہادر والی فیروزپور جھڑک و لوہارو میرزا صاحب کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ نواب خلد آشیان نے ۲۵ اگست سنہ ۶۶ ع کے فرمان میں میرزا صاحب سے ارشاد فرمایا تھا کہ بھائی ضیاء الدین خان صاحب کے کلام کا انتخاب بھی بھجوائیے۔ اسکے جواب میں میرزا صاحب نے ۱۰ ستمبر کو لکھا:

”بھائی ضیاء الدین خان کا مجموعہ نظم و نثر فارسی و اردو مراسر دیکھا ہوا میرا، جو اونکو کتابخانہ میں تھا، غدر میں لٹ گیا۔ بعد غدر ذوق شعر باطل اور دل افسردہ ہو گیا۔ دو تین غزلین فارسی و ہندی جو لکھی ہیں اوسکا انتخاب بھی پہنچا گا۔“ (۱)

۲۴ ستمبر کو انتخاب دیوان فارسی کیساتھ جو عریضہ بھیجا تھا اوسمیں ضیاء الدین خان بہادر کے بارے میں تحریر کیا ہے:

”بھائی ضیاء الدین خان بہادر نے جو اوراق میری پاس بھیجے ہیں وہ بھی اس پارسل میں رکھ دیو ہیں۔ حضرت اس غریب کا مجموعہ نظم و نثر غدر میں لٹ گیا۔ بعد غدر جو کچھ کہا ہو وہ یہی ہو۔ جو پہنچتا ہو۔“ (۲)

نواب ضیاء الدین خان بہادر کیلئے ص ۷۹ کا حاشیہ نمبر ۲ ملاحظہ ہو۔

ناظم

میرزا صاحب کے دوسرے قابلِ فخر شاگرد، جنکا مکاتیب میں اسلئے

بارہا ذکر آیا ہے کہ ابتدائی ۴۲ عرایض اون کے نامِ نامی سے معنون ہیں ، نواب سید محمد یوسف علیخان بہادر فردوس مکان ناظم تخلص ہیں ۔ چونکہ دیباچہ میں موصوف الذکر کی شاگردی سے بالتفصیل بحث کی گئی ہے ، نیز اونکے سوانح پر ایک مختصر نوٹ مکاتیب کے آغاز میں درج ہے ، اسلئے یہاں صرف ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔

نواب خلد آشیان

نواب سید محمد کلب علیخان بہادر خلد آشیان بھی میرزا صاحب کے زمرہ تلامذہ کے رخشندہ گوہر ہیں ۔ آپ نے ۲۷ اگست ۶۶ ع کو ایک فارسی نثر میرزا صاحب کو بغرض اصلاح بھیجی تھی ، اور گرامی نامہ مورخہ ۲ اکتوبر میں تحریر فرمایا تھا :

« مرا ازان مشفق واسطہ نلذ بوده است . » (۱)

بعض وجوہ سے یہ رشتہ پایدار ثابت نہ ہوا ، اور غالباً صرف ایک نثر پر میرزا صاحب اصلاح دیسکے ۔ مکاتیبِ ہذا کی بڑی تعداد آپ کی خدمتِ اقدس میں لکھی گئی ہے ۔ چونکہ آپ کے نام کے عرایض کے شروع میں سوانحِ حیات پر مشتمل ایک نوٹ اضافہ کر دیا گیا ہے ، اسلئے یہاں تفصیل کی حاجت نہیں ۔



لوازمات امارت

شاگرد پیشہ

ایک عریضہ مین میرزا صاحب نے اپنے ملازمون کا بھی اجمالی ذکر کیا ہے۔

فرماتے ہیں :

حضور کو عطیہ پر میرا اور شاگرد پیشہ کا اور حسین علی کا گزارا ہو . عالم الغیب جانتا ہو
جس طرح گزرتی ہو . (۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب کے ملازمون کی تعداد خاصی تھی ،
اور یہ کہ وہ اس غربت مین بھی لوازمات امارت کے پابند تھے . ان
خدمتگاروں مین سے بعض کا تذکرہ میرزا صاحب کے دوسرے سفرِ رامپور
کے ضمن مین آئیگا .

مختار کار

میرزا صاحب نے روسا کی طرح مالی اور دیگر دفتری کاروبار کے انصرام
کیلئے مختار کار بھی رکھ چھوڑا تھا . یہ قوم کا بنیا اور ساھوکاری پیشہ تھا .
بسا اوقات اسی سے میرزا صاحب قرض بھی لیا کرتے ، اور اسی کے ہاتھ
سرکارِ رامپور کی فرستادہ ہنڈوی فروخت کر ڈالتے تھے .

۱۳ اگست سنہ ۱۸۶۶ ع کے عریضہ مین میرزا صاحب نے پہلی بار اسکا

ذکر کیا ہے . فرماتے ہیں :

آج آخر روز توفیق وقع مع جولانی کی تنخواہ کی ہنڈوی کو پہنچا . ہنڈوی مختار کار کو دی
اور یہ عرضی لکھو بیٹھا . (۲)

بعد ازاں ۱۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۸ ع کو منشی سیلچند کے نام کے مکتوب مین
لکھتے ہیں :

اگلی مہینہ یعنی اگست سنہ ۱۸۶۸ کی تنخواہ کی ہنڈوی جو تم نے بھیجی تھی اوسکا رویہ
ابنک نہیں پٹا . مین تو جسدن ہنڈوی آتی ہو اوسیدن یا دوسری دن اپنی مختار کار کو ہاتھ ،
کہ وہ بھی مہاجن ہو ، بیچ ڈالتا ہوں . مگر اوس مختار کو جسکو مان ہنڈوی آتی ہو
اوسو رویہ ابنک نہیں دیا . (۳)

انگریزی تعلقات

دیرینہ نمکخوار

حکومت انگلشیہ سے میرزا صاحب کے تعلق کا آغاز اونکے چچا نصر اللہ بیگ خان بہادر کے توسط سے ہوتا ہے۔ نصر اللہ بیگ خان بہادر انگریزی فوج میں رسالدار، اور پرگنہ سونک سونسا کے جاگیردار تھے۔ میرزا صاحب اپنے والد کے انتقال کے بعد چچا کی سرپرستی میں پرورش پا رہے تھے کہ سنہ ۱۸۰۶ ع میں، جبکہ انکی عمر ہنوز دس سال کی بھی نہ ہوئی تھی، نصر اللہ بیگ خان بہادر کا انتقال ہو گیا۔ لارڈ لیک بہادر نے دیرینہ خدمات کا لحاظ کر کے جاگیر کے عوض اونکے متعلقین کی پنشن مقرر کرادی، اور اسطرح میرزا صاحب انگریزوں کے وظیفہ خوار بن گئے۔ یہ پنشن نواب احمد بخش خان بہادر والی فیروزپور جھرک، برادر نسائی نصر اللہ بیگ خان بہادر، کے خزانہ سے مائی تھی۔ لیکن اونکے جانشین، نواب شمس الدین احمد خان بہادر کو ولیم فریزر ریزیڈنٹ دہلی کے قتل کرانے کے الزام میں پھانسی دیدی گئی، اور فیروزپور کی جاگیر ضبط ہو گئی، تو میرزا صاحب اور دیگر ورثائی نصر اللہ بیگ خان کی پنشن خزانہ کلکتری دہلی سے تقسیم ہونے لگی اور اپریل سنہ ۱۸۵۷ ع تک میرزا صاحب کو ملتی رہی۔

میرزا صاحب اپنی اس «دیرینہ نمکخواری» کے متعلق نواب فردوس مکان کو تحریر کرتے ہیں :

حالی رای جہان آرای باد، کہ دیرینہ نمکخوار مرکار انگریزم، و از سر آغاز سال یکہزار و ہشتصد و شش، کہ درانگاہ شمار سنین عمر من از ده نگزشتہ بود، بموض جاگیر عم حقیقی نسی خود نصر اللہ بیگ خان بہادر، کہ با جمعیت رسالہ چہار صد سوار بمعیت جرنیل لازد لیک بہادر در فتح ہندوستان کوششہای نمایان کردہ، و پرگنہ سونک سونسا بقید حیات جاگیر

یافتہ ، وہم دران عہد بمرگ ناگاہ از جہان رفته بود ، بفرمان جرنیل لاژد لیک بہادر و منظوری گورمنٹ مشت زری شامل جاگیر عم سبی من نواب احمد بخش خان بہادر در وجہ معاش من منجملہ زر استمراری سرکاری ، کہ ہدسہ نواب احمد بخش خان بہر دوام واجب الادا بود ، قرار یافت . چون جانشین احمد بخش خان کیفر کردار یافت و جاگیر بسرکار باز یافت شد ، رسیدن آن وجہ مقررہ از خزائنہ کلکتری دہلی صورت پزرفت . چنانکہ تا انجام اپریل سنہ ۱۸۵۷ از کلکتری دہلی یافتہ ام . . (۱)

دربار اور خلعت

پنشنخوار کی حیثیت سے میرزا صاحب اہم شخصیت کے مالک نہ تھے . اونہیں ساڑھے سات سو روپیے سالانہ یا ساڑھے باسٹھ روپیہ ماہوار کا معمولی وظیفہ ملتا تھا . نواب خلد آشیان کو ۵ ستمبر سنہ ۶۷ ع کے عریضہ میں لکھا ہے :

« باسٹھ روپو آٹھ آن مہینا انگریزی سرکار سی بعوض جاگیر پاتا ہوں . . (۲)

در اصل اونکا حقیقی اعزاز یہ تھا کہ گورنر جنرل کے دربار میں داہنی صف میں دسویں کرسی اور سات پارچے مع جیغہ ، سرپیچ و مالای مروارید خلعت پاتے تھے . نواب فردوس مکان کو یہ تفصیل لکھتے ہوئے فرماتے ہیں :

« میں انگریزی سرکار میں علاقہ ریاست دودمانی کا رکھتا ہوں . معاش اگرچہ قلیل ہے ، مگر عزت زیادہ پاتا ہوں . گورمنٹ کے دربار میں داہنی صف میں دسواں لمبر اور سات پارچہ اور جیغہ ، سرپیچ ، مالای مروارید خلعت مقرر ہے . . (۳)

غیر اور قصور خدمت

سرکار انگریزی سے میرزا صاحب کے تعلقات مئی سنہ ۵۷ ع تک خوشگوار تھے . جب دہلی اور دیگر اطراف ملک میں انگریزوں کے خلاف فوج اور رعایا نے بغاوت کا جھنڈا بلند کیا ، اور شاہ ظفر مطلق العنان حکمران قرار دیے گئے ، تو میرزا صاحب کیلئے بجز گوشہ گیری کوئی چارہ کار نہا . کیونکہ اگر اپنی محسن سرکار کا ساتھ دیتے ، تو باغی گھر بار لوٹ لیجاتے ، اور اہل قلعہ کی کھلم کھلا حمایت کرتے ، تو بصورتِ ناکامی انگریزوں کی طرف سے بدسلوکی کا خوف تھا . نصیب کی تائید سے میرزا صاحب کی تدبیر کارگر ہوئی ، اور وہ

شہر دہلی کے اندر باغیوں کیساتھ » بیاطن بیگانہ و بظا ہر آشنا « ایام گزاری کرتے رہے۔ تا آنکہ انگریزی فوج نے دوبارہ شہر فتح کیا، اور اون اشخاص کی دار و گیر شروع ہوئی، جنہوں نے باغیوں کی جنبہ داری کی تھی۔ اہل شہر نے انگریزی سپاہ کے داخل شہر ہوتے ہی بھاگنا شروع کر دیا، لیکن میرزا صاحب اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ شہر میں تحقیقات شروع ہوئی۔ مخبروں نے اطلاعین بہم پہنچا کر باغیوں کی تلاش میں گورنمنٹ کی مدد کی، مگر باوجود تعلق قلعہ میرزا صاحب کے داہن وفاداری پر دہبہ نہ آیا۔ حکام کو میرزا صاحب کے قیام دہلی کی اطلاع ہوئی، مگر اونہوں نے اس سے دلچسپی نہ لی۔ خود میرزا صاحب نے کسی حاکم سے اسلئے ملنا مناسب نہ جانا کہ موجودہ اصحاب میں اونکا کوئی شناسا نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عرصہ کیلئے انکے تعلقات انگریزی منقطع ہو گئے۔ دوران بغاوت میں نواب فردوس مکان نے انگریزوں کی بڑی امداد کی تھی۔ میرزا صاحب اس حقیقت سے واقف تھے۔ جب غدر کی آگ بجھ گئی، تو انہوں نے ازراہ مصلحت ۱۴ جنوری سنہ ۱۸۵۸ ع کو اپنی ساری روداد نواب صاحب کو لکھی، اور آخر میں عرض کیا:

» راستی اینکہ درین فتنہ و آشوب خدمتی بجا نیاوردہ ام۔ لیکن مقام شکر است کہ بہ تقدیم ترسیدن خدمت از راہ بیدستگاہیست و ذریعۂ اخلاص و خلوص همان بیگناہیست۔ « (۱)

بعد ازان ۷ نومبر سنہ ۵۸ ع کو تحریر کیا ہے:

» خدا کا شکر یہ کہ باوجود تعلق کیطرح کہ جرم کا بہ نسبت میری احتمال بھی نہیں۔ « (۲)

اسی سلسلہ میں ۷ نومبر سنہ ۵۹ ع کو لکھتے ہیں:

» اینک میں اپنی کو یہ بھی نہیں سمجھا کہ بیگناہ ہوں یا گناہگار۔ مقبول ہوں یا مردود۔ مانا کہ کوئی خیر خواہی نہیں کی جو نوا انعام کا مستحق ہوں۔ لیکن کوئی بیوفائی بھی سرزد نہیں ہوئی جو دستور قدیم کو برہم ماری۔ « (۳)

مسدودی دربار و خلعت و پنشن

میرزا صاحب نے ایام غدر میں جو رویہ اختیار کیا تھا اوسکی بنا پر

حکومتِ انگلشیہ کی نظر میں مجرم ثابت نہوے کہ سزا دیجاتی، لیکن کسی خاص خدمت کے انجام ندینے کے سبب اس کے بھی مستحق خیال نہ کیے گئے کہ پنشن، دربار اور خلعت بحال رکھا جائے۔ چنانچہ یہ تینوں اعزاز بند ہو گئے۔ نواب فردوس مکان کو ۷ نومبر سنہ ۱۸۵۹ ع کے عریضہ میں دربار و خلعت کے ذکر کے بعد لکھا ہے:

ولاؤد ہاردنگ صاحب کو عہد تک پایا۔ لاؤد دلہوسی یہاں آؤ نہیں۔ اب یہ نواب معلی القاب آؤ ہیں۔ زماؤ کا رنگ اور۔ کوئی حاکم کوئی سکرتر میرا آشنا نہیں۔ بڑی میری مربی قدردان جناب اڈمنشن صاحب۔ وہ بھی چیف سکرتر نہو۔ لفٹنٹ گورنر ہو گئو۔ وہ سکرتر رہق تو بھری کچھ غم نہ تھا۔ (۱)

پنشن کی مسدودی کے بارے میں ۱۴ جنوری سنہ ۵۸ ع کے محولہ بالا عریضہ میں لکھتے ہیں:

وچنانکہ تا انجام اپریل سنہ ۱۸۵۷ از کلکتری دہلی یافتہ ام۔ و از منی خود آشکار است کہ حال چیست۔ (۲)

اسکے بعد ۷ نومبر سنہ ۱۸۵۸ ع کو تحریر کرتے ہیں:

وچنا بعالی! طرفہ معاملہ ہو۔ خدا کا شکر ہو، اور اپنی قسمت کا گلہ ہو۔ خدا کا شکر یہ کہ باوجود تعلق قلعہ کی طرح کی جرم کا بہ نسبت میری احتمال بھی نہیں۔ قسمت کا گلہ یہ کہ عطای پنشن قدیم کا حکام کو خیال بھی نہیں۔ یہ نومبر سنہ ۱۸۵۸ انیسواں مہینا ہو۔ گویا بن کھانی جینا ہو۔ (۳)

پنشن کی بحالی کی کوشش

غالباً مئی سنہ ۱۸۰۶ ع سے اپریل سنہ ۵۷ ع تک میرزا صاحب کو خاندانی وظیفہ ملتا رہا۔ مئی میں غدر ہو گیا اور چند ماہ تک اہل دہلی اور گورنمنٹ کے تعلقات منقطع رہے۔ فتح دہلی کے بعد جنوری سنہ ۵۸ ع تک میرزا صاحب نے اسلئے تجدیدِ راہ و رسم کی سعی نکى، کہ شناسا حاکمون میں سے اب کوئی نہ رہا تھا، اور نئے حکام سے ملاقات کی تقریب کوئی خدمت ہونی چاہیے تھی، جو از راہ احتیاط انہوں نے انجام نہیں دی تھی۔ چنانچہ ۱۴ جنوری سنہ ۵۸ ع کے عریضہ میں نواب فردوس مکان کو لکھا ہے:

ہاں مر آغاز سال ۱۸۰۶ ... بعوض جاگیر عم حقیقی نسبی خود ... مشت زری ... در وجہ معاش من قرار یافت چنانکہ تا انجام اپریل سنہ ۱۸۵۷ از کلکتری دہلی یافتہ ام . و از مئی خود آشکاراست کہ حال چیست می بایست کہ خود سلسلہ جنبان گشتی . و با حکام پیوستی . درین بارہ سخن آنست ، کہ درین فرماندہان با ہیچ کس سابقہ معرفتی ندارم . و معینا موقع و محل آن نمی نگرم کہ نامہ نویسم ، و خواہش ملاقات بہیان آورم . راستی اینکہ درین فتنہ و آشوب خدمتی بجا نیآورده ام . (۱)

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ۱۴ جنوری اور ۲۵ مارچ سنہ ۵۸ ع کے درمیان ہی مین بحالی پنشن کی سلسلہ جنبانی شروع کردی تھی . اسلئے کہ نواب فردوس مکان کی بالواسطہ دعوت رامپور کے جواب مین صاحبزادہ سید زین العابدین خان بہادر کو ۲۵ مارچ سنہ ۵۸ ع کو لکھتے ہیں :

ہ مین ز اپنی پنشن کو باب مین چیف کشنر بہادر کو درخواست دی تھی . وہاں می صاحب کشنر شہر کو وہ درخواست حوالہ ہوئی . صاحب کشنر دہلی ز صاحب کلکتر شہر سی کیفیت طلب کی ہی . پس اگر وہ کیفیت پنشن کی ہو تو یہاں کی کلکتری کا دفتر اگر نہیں رہا نہ رہی . رہنوبوڑد کو دفتر اور لفٹنٹ گورنری آگرہ اور نواب گورنر جنرل کلکتہ کو دفتر اس پنشن کی کیفیت سی خالی نہیں مین . اور اگر میری کیفیت مطلوب ہی ، تو میرا بیجرم اور بری اور الگ ہونا فساد سی از روی دفتر قلعہ و اظہار مخبرین ظاہر ہو . بہر حال صاحب کشنر شہر کیفیت صاحب کلکتر سی طلب کر کر چیف کشنر کے ساتھ پنجاب کو گئے ہیں . دیکھو کب آوین ، اور بعد ملاحظہ کیفیت کیا حکم دین . (۲)

مداحوت مین نام

اس عرصہ مین میرزا صاحب نے مداحان حکومت انگلشیہ مین اپنا نام درج کرا کے وزرایِ ملکہ معظمہ کے دو سارٹیفیکٹ حاصل کر لئے تھے . لیکن اسکے باوجود نومبر سنہ ۵۸ ع تک پنشن جاری نہوئی ، اور جب شہر مین یہ افواہ مشہور ہوئی کہ جنوری سنہ ۱۸۵۹ ع مین پنشنداروں کو روپیہ ملیگا ، تو ۷ نومبر سنہ ۵۸ ع کو میرزا صاحب نے از راہ شکایت نواب فردوس مکان کو لکھا :

ہ قسمت کا گلہ یہ کہ عطای پنشن قدیم کا حکام کو خیال بھی نہیں . یہ نومبر سنہ ۱۸۵۸ انیسوان مینا ہو . گویا بن کھاؤ جتنا ہی . کہو مین کہ جنوری شروع سال مین پنشنداروں کو روپیہ ملیگا .

دیکھو کیا نیا گل کھلیگا۔ پہلی نومبر کو یہاں اشتہار عام ہو گیا ہی، کہ اب قلمرو ہندوستان میں عمل ملکہ معظمہ عالیقہام ہو گیا ہی۔ میں پہلی ہی مداحوں میں اپنا نام لکھوا چکا ہوں۔ اور وزرای ملکہ دارادربان کو دو سارنی فکٹ پا چکا ہوں۔ (۱)

اسکے جواب میں نواب صاحب نے لکھا کہ آپ رامپور تشریف لے آئیے۔ میرزا صاحب نے ۳ دسمبر کو جواباً تحریر کیا:

”میری حاضر ہونیکو جو ارشاد ہوتا ہی، میں وہاں نہ آؤنگا، تو اور کہاں جاؤنگا۔ پنشن کو وصول کا زمانہ قریب آیا ہی۔ اسکو ملتوی چھوڑ کر کیونکر چلا آؤں۔ سنا جاتا ہی، اور یقین بھی آتا ہی، کہ جنوری آغاز سال ۵۹ عیسوی میں یہ قصہ انجام پاؤ۔ جسکو روپیہ ملنا ہی اسکو روپیہ، جسکو جواب ملنا ہی اسکو جواب ملجاؤ۔ (۲)

عرضی کی روداد

جنوری سنہ ۵۹ ع پر دو مہینہ اور گزر گئیے، مگر ہنوز مقدمہ پنشن فیصل نہوا۔ سرکار نے ۱۳ اپریل کو پھر دعوتِ آمدِ رامپور دی، تو میرزا صاحب نے امیدِ وصولیابی پنشن کا گیت گاتے ہوئے لکھا:

”مجموع پنسدناروں کی مثل مرتب ہی، اور ہنوز صدر کو روانا نہیں ہوئی۔ نواب گورنر جنرل لاؤڈ کینٹ بھادر نے کلکتہ سے میری کواغذ طلب کی، اور وہ کاغذ فہرست میں سے الگ ہو کر لفٹنٹ گورنر بھادر پنجاب کی خدمت میں ارسال ہوؤ۔ وہاں سے کلکتہ کو بھیج جائینگو۔ پھر وہاں سے حکم منظوری پنجاب ہوتا ہوا یہاں آئیگا، اور یہاں جسکو روپیہ ماجائیگا۔ (۳)

راہ چارہ مسدود

جب مہینے پر مہینا گزرنے لگا، اور پنشن کا تصفیہ نہوا، تو میرزا صاحب نے ۷ نومبر سنہ ۵۹ ع کو مجبوراً لکھا:

”اہلک میں اپنی کو یہ بھی نہیں سمجھا کہ بیگناہ ہوں یا گناہگار۔ مقبول ہوں یا مردود۔ مانا کہ کوئی خیر خواہی نہیں کی جو نئی انعام کا مستحق ہوں۔ لیکن کوئی بیوفائی بھی سرزد نہیں ہوئی جو دستور قدیم کو برہم ماری۔ بہر حال راہ چارہ مسدود اور دکھ موجود۔ عرفی خوب کہتا ہی: مرا زمانہ طناز دست بستہ و تیغ زند بفرقم و گوید کہ ہاں سری میخار۔ (۴)

نواب فردوس مکان کی سفارش

نواب فردوس مکان اپنے استاد کی پریشانی سے کماحقہ واقف تھے۔ آپ نے از راہِ نوازش اکثر انگریز حکام سے اسلئے میرزا صاحب کی تعریف کی

کہ انکے سابقہ مدارج بحال ہو جائیں . اور جب میرزا صاحب کا یاسنامہ مورخہ ۷ نومبر سنہ ۵۹ ع مطالعہ فرمایا تو تسکینِ خاطر کیلئے لکھا :

• مشفق! هنگام ملاقات کے اکثر صاحبانِ ذیشان سے تذکارِ محامد اوصافِ ذاتی اور صفاتی آپکا عمل میں آیا ہے . اللہ تعالیٰ کے فضل اور قدرِ ذاتی سرکارِ دولتمدار سے یقینِ واثق ہے کہ جو مدارج شریف آپکو قدیم سے ہیں ، پیشگاہِ گورنمنٹ سے بھی اوسے مطابق ظہور میں آویگا . کسواسطی کہ اہالی سرکار ابد قرارِ قدردان و قدر شناس ہیں . (۱)

اقبال کی تائید

سرکار کی سفارش بار آور ہوئی ، اور پنشنسنداروں کا نقشہ بعدِ صدور حکم صدر سے واپس آگیا . میرزا صاحب نے ۱۲ اپریل سنہ ۶۰ ع کو ان الفاظ میں سرکار کو اطلاع دی :

• عالم دو ہیں . ایک عالمِ شہادت ، ایک عالمِ غیب . جس طرح عالمِ شہادت میں آپ میری دستگیری کر رہے ہیں ، عالمِ غیب میں آپکا اقبال مجھکو مدد پہنچا رہا ہے . تفصیل اس اجمال کی یہ کہ وہ نقشا پنشنسنداروں کا جو یہاں سے صدر کو گیا تھا ، وہ اب صدر سے بعدِ صدور حکم آگیا . حکم بہ نسبت ہر واحد کے مختلف ہے . تقلیل بہت ہے . سو رویہ میری والیکو چھتر بھی ہیں اور پچیس بھی ہیں اور دس بھی ہیں . اب فرمائیے میری واسطی کیا احتمال گزرتا ہے . اس کلی ہے . لیکن واقعہ یہ ہوا ہے کہ سب سے پہلے میرا نام اور پوری پنشن کی واگداشت کا حکم . طرفہ یہ کہ میری نام کے ساتھ ایک انگریزی تحریر ہے ، کہ جسکو دیکھو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گورنمنٹ کا حکم منظوری اس تحریر پر متفرع ہے . حکام کے عمل میں اور وکلا اور اہل شہر میں یہ مشہور ہو کہ وہ تحریر ولایت سے آئی ہو . بہر حال دوا امر ہنوز مبہم ہیں . ایک اس انگریزی تحریر کا حال اور دوسری میری بھائی کی پنشن کی حقیقت . سو یہ دونوں امر چند روز میں معلوم ہو جائیگی . اور جو معلوم ہوگا وہ عرض کیا جائیگا . (۲)

خدا سب بات

میرزا صاحب نے ۴ مئی سنہ ۶۰ ع کو زری پنشن وصول کر لیا . اہل دہلی نے اس اجرا کو نواب فردوس مکان کی سعی و کوشش کا نتیجہ قرار دیا . میرزا صاحب ان مراتب سے سب سے زیادہ آگاہ تھے ، اور جنوری سنہ ۶۰ ع میں رامپور آئے وقت بعض احباب کو یہ لکھ بھی چکے تھے کہ

اس سفر کا مقصد یہ ہے کہ نواب صاحب کے ذریعہ گورنمنٹ سے میری صفائی ہو جائے۔ لیکن اسکے باوجود جب یوسف مرزا صاحب نے لکھا کہ خواجہ جان کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ والی رامپور کی کوشش سے آپکی پنشن جاری ہوگئی، تو اسکے جواب میں میرزا صاحب نے اجرای پنشن کو مسبب الاسباب کی طرف منسوب کرتے ہوئے حقیقتِ حال کے اظہار سے انغماض کیا۔ فرماتے ہیں:

«خواجہ جان جھوٹ بولتا ہو۔ والی رامپور کو اس پنشن کو اجرا میں کچھ دخل نہیں۔ یہ کام خدا ساز ہو بعلی بن ایطال علیہ السلام» (۱)

بحالی دربار و خلعت کی کوشش

اوپر عرض کیا جا چکا ہے، کہ میرزا صاحب گورنر جنرل کے دربار میں خلعتِ ہفت پارچہ اور سہ رقومِ جواہر لارڈ ہارڈنگ صاحب کے وقت تک حاصل کرتے رہے۔ لارڈ ڈلہوسی نے دلی آکر دربار نہیں کیا۔ اسلئے سنہ ۱۸۴۸ ع سے غدر سنہ ۵۷ ع تک میرزا صاحب کو شرکتِ دربار اور حصولِ خلعت کا کوئی موقع میسر نہ آیا۔ غدر کے بعد بعدرِ اشتباہ پنشن بند ہوئی تو دربار و خلعت کی امید بھی جاتی رہی۔ لیکن اجرای پنشن کے بعد میرزا صاحب نے بحالی دربار کی درخواست کی، جس پر عرصہ تک تحقیقات ہوتی رہی۔

گورنر کا دربار اور خلعت

سہ شنبہ ۳ مارچ سنہ ۱۸۶۳ ع کو^(۲) سر رابرٹ منٹگمری لفٹنٹ گورنر پنجاب نے دلی میں دربار کیا۔ میرزا صاحب کو بھی شرکت کا حکم ملا۔ یہ اوس روز نہ گئے۔ دوسرے دن گورنر نے یاد کیا، تو خیام

(۱) اردو معنی، ص ۳۳۱

(۲) مولانا مہر نواز غالب، صفحہ ۲۳۹ اور ۲۴۱ پر لکھا ہے کہ مارچ سنہ ۱۸۶۲ ع میں دربار و خلعت بحال ہوئی۔ یہ رای درست نہیں ہو۔ دراصل یہ مارچ سنہ ۱۸۶۳ ع کا واقعہ ہو۔ کیونکہ نواب فردوس مکان اور میرزا صاحب کی مراسلت کا ہر خط مورخہ ہو۔ اور جن خطوں میں زیر بحث مسئلہ کا ذکر آیا ہے وہ سنہ ۱۸۶۲ ع کے نہیں، بلکہ سنہ ۱۸۶۳ ع کے تحریر شدہ ہیں۔ غالباً اردو معنی کے مطبوعہ نسخہ کی غلطی طباعت میں میرزا صاحب کو یہ غلط فہمی پیدا ہوئی۔ نیز اردو معنی ص ۱۱۲ پر میرزا تقی محمد کو نام کے مکتوب کی تاریخ، فروری بھی غلط ہو۔ اسکو ۴ مارچ ہونا چاہیے۔

گورنری مین حاضر ہوئے۔ صاحب نے خلعت دیا اور فرمایا کہ گورنر جنرل بہادر کا دربار انبالے میں ہونیوالا ہے۔ آپ وہاں بھی تشریف لیجائیے، اور دربار میں شریک ہو کر خلعت معمولی حاصل کیجئے۔ میرزا صاحب نے غالباً ۴ مارچ کو سرکار سے زادِ راہ کیلئے عطیہ کی درخواست کی۔ ۱۱ کو سرکار نے ۲۰۰ روپیہ بھیجے۔ ۱۶ مارچ کو میرزا صاحب روپیہ کی رسید کیساتھ نواب فردوس مکان کو لکھتے ہیں :

واب سنتی اپنی دعاگو کی داستان۔ منگل ۳ مارچ کو جناب لفٹنٹ گورنر بہادر نے خلعت عطا کیا، اور فرمایا کہ تمہیں مزید دیے ہیں کہ نواب گورنر جنرل بہادر نے اپنی دفتر میں تمہاری دربار اور خلعت کے بدستور بحال رہنے کا حکم لکھوا دیا۔ میں نے عرض کیا کہ میں انبالے جاؤں ؟ فرمایا البتہ انبالے جانا ہوگا۔

بعد جناب نواب صاحب کے جانیکو شہر میں شہرت ہوئی کہ دلی کے لوگ انبالے جاتے ہی ممنوع ہیں۔ گھبراہٹ اور صاحب کمشنر کے پاس گیا۔ آپ خط اپنا دی آیا۔ زبانی پرسش کا جواب زبانی پایا۔ پھر خط کے جواب میں خط محررہ ۷ مارچ آیا۔ چنانچہ لفافہ بلحاظ گرانوی وزن رہنے دیتا ہوں۔ اور خط بجنہ حضرت کو بھیجتا ہوں۔ کل سے ایک اور خبر اوڑی ہے کہ نصیب اعدا لاؤد صاحب کی طبیعت ناساز ہوگئی ہے۔ انبالے میں دربار نکرینگو، اور شملہ کو چلی جائیگی۔ اب میں دو وجہ سے بین السفر والسکون متردد ہوں۔ پہلی وجہ خاص اور دوسری وجہ عام۔ دو سو میں سے سو لیکر ساز و سامان درست کیا ہے، اور سو مہاجن کے ہاں ڈاک اور خرچ راہ کیواسطی رہنے دیے ہیں۔ نار برقی میں جناب نواب صاحب سے حکم منگواؤنگا۔ جو حکم آئیگا، آپ سے عرض کر کے اوسکی تعمیل کرونگا۔ (۱)

گورنر جنرل کے دربار میں نجاسکی

نواب فردوس مکان نے میرزا صاحب کے عریضہ مورخہ ۱۶ مارچ کے جواب میں کمشنر صاحب کے خط کا جسقدر مضمون دہرایا ہے (۲) اوس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب نے یہی لکھا تھا کہ آپ انبالے نجاتین۔ اتفاقاً اسی زمانہ میں میرزا صاحب کے پھنسیان بھی نکل آئیں۔ اسلئے مجبوراً خود انبالے جانیکے بجائے اپنا قصیدہ، جو معمولی نذر تھی، بطریق ڈاک بھیجکر شکریہ کے جوابی فرمان پر قناعت کرلی۔ اور ۴ اگست سنہ ۱۸۶۳ ع کو نواب فردوس مکان کو تحریر کیا :

• جب انبالہ میرا جانا نہوا تو میں نے قصیدہ مدح، جو دربار کی نذر کیواسطیٰ لکھا تھا، بطریق ڈاک جناب چیف سکریٹری بہادر کو اس مراد سے بھیجا، کہ آپ اسکو جناب نواب معلیٰ القاب کی نظر سے گزرائیں۔ اور یہ دستور قدیم تھا کہ جب میں قصیدہ مدحیہ بھیجتا تو صاحب سکریٹری بہادر کا خط بیواسطہ حکام ماتحت بجھو آجاتا۔ اب جو میں نے موافق معمول قصیدہ بھیجا، یقین ہے کہ مارچ یا اپریل کے مہینے میں وہ لفافہ پھان سے لشکر کو گیا۔ ”صدائی برخواست“ نا امید ہو کر بیٹھ رہا۔ بلکہ یہ خیال گزرا کہ جب رسم تحریر خطوط نرہی تو دربار و خلعت کہاں۔ ناگاہ کل شام کو صاحب سکریٹری بہادر کا خط ڈاک میں آیا۔ وہی افشانی کاغذ۔ وہی القاب۔ جی چاہتا تھا کہ اصل خط مع سرنامہ بھیج دوں۔ تاکہ حضور ملاحظہ فرمائیں۔ مگر برسات کا اندیشہ مانع آیا۔ نقل سرنامہ اور خط کی بھیجتا ہوں۔ (۱)

لیکن اسکے بعد زندگی بھر میرزا صاحب کو گورنر جنرل کے دربار کی شرکت کا موقع نہ ملا، اور یہ آرزو بھی دوسری بہت سی آرزوون کیساتھ پیوندِ خاک ہو گئی۔

گورنر کا دوسرا دربار اور خلعت

سر ڈائل میکلوڈ گورنر پنجاب نے ۱۷ دسمبر سنہ ۱۸۶۶ ع کو دلی میں دربار کیا۔ میرزا صاحب اس میں شریک اور «خلعتِ ہفت پارچہ وسہ رقمِ جواہر» سے مشرف ہوئے۔ رامپور اس زمانہ میں نواب خلد آشیان کی زیر حکومت تھا۔ دربار کے دوسرے دن میرزا صاحب نے سرکار کو لکھا:

• حضرت کی توجہ باطنی، جو ہمیشہ میری مصلح حال اور افزایش عز و وقار کی کفیل ہے، بعد ادائی شکر الہی، اوسکا سپاس بجا لاتا ہوں۔ پیش از غدر گورنمنٹ کے دربار میں ۷ پارچے اور جیفہ، سرپیچ، مالای مروارید، تین رقیں جواہر کی بجھو ملتی تھیں۔ بعد غدر اگرچہ پنسن اور دربار بحال رہا، لیکن خلعت موقوف ہو گیا۔ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب کا کل ۱۲ پر چار بجو دربار تھا۔ حکم سب دربار داروں کو پہنچ گیا تھا۔ میں نواب مہدی علیا خاں صاحب کو رخصت کر کے گھر آیا۔ دو گھنٹی کے بعد دربار میں گیا۔ خیال ہے کہ ملاقات ہوگی۔ ایک رباعی کاغذ مذہب پر لکھی ہوئی نذر کرونگا۔ کلمات عنایت سنکر چلا آؤنگا۔ نہ بھیجے کہیں۔ احتمال۔ نہ صاحب کشنر بہادر شہر کو علم۔ باری بروقت ملاقات تعظیم معمولی اور مصافحہ کر کے لازد صاحب نے کھڑی کھڑی جیفہ، سرپیچ میری ٹوپی پر باندھا، اور فرمایا: یہ ہم نے آپکو واسطیٰ رکھا تھا۔ مالای مروارید میر منشی نے گلی میں ڈالی۔ ... میں اس عطیہ کو آپکی بخشش معنوی سمجھتا ہوں۔ (۲)

یہ میرزا صاحب کا آخری دربار اور خلعت تھا۔ اسکے بعد فروری سنہ ۶۹ ع تک کسی دربار کی شرکت کا ذکر نہیں ملتا۔

بہادر شاہ ظفر سی تعلقات

تاریخ نویسی

دلی کے لال قلعہ سے میرزا صاحب کے تعلقات ذاتی تھے۔ لیکن پہلے صرف مختلف تقریبوں میں آمد و رفت رہا کرتی تھی۔ شاہ ظفر کے عہد میں رشتہ ملازمت بھی پیدا ہو گیا اور سلاطین تیموریہ کی تاریخ نویسی سپرد ہوئی۔ نواب فردوس مکان کو لکھتے ہیں :

» پیوند تعلق با بہادر شاہ جز آن نبود کہ از ہفت ہشت سال بتحریر تاریخ سلاطین تیموریہ..... می پرداختم۔ (۱)

یہ عریضہ ۱۴ جنوری سنہ ۱۸۵۸ ع کو لکھا گیا تھا۔ اس حساب سے اونکے تعلق خدمت کا آغاز سنہ ۱۸۴۹ ع یا سنہ ۱۸۵۰ ع سے ہونا چاہیے۔ خواجہ حالی مرحوم نے اس واقعہ کا سال متعین کرتے ہوئے صرف سنہ ہجری ۱۲۶۶ لکھا ہے (۲)، جو ۱۷ نومبر سنہ ۱۸۴۹ ع سے شروع ہو کر ۵ نومبر سنہ ۱۸۵۰ ع پر ختم ہوتا ہے۔ مولانا مہر فرماتے ہیں کہ میرزا صاحب کو قلعہ کی پہلی تنخواہ جون سنہ ۱۸۵۰ سے ملی (۳)۔ اس حساب سے میرزا صاحب کے تخمینہ سنیں تعلق قلعہ میں سے سنہ ۱۸۵۰ ع درست ہوگا۔

اصلاح اشعار

میرزا صاحب کی ملازمت کو ۴ سال ہوئے تھے کہ شیخ ابراہیم ذوق، استاد شاہ ظفر، کا انتقال ہو گیا۔ بادشاہ نے اصلاح اشعار کی خدمت بھی میرزا صاحب کے سپرد کر دی۔ میرزا صاحب نے محولہ بالا عریضہ میں اسکا بھی ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں :

» و از دو سہ سال باصلاح اشعار شہریار می پرداختم۔

(۱) مکاتیب، ص ۱۲ (۲) یادگار غالب، ص ۳۳ (۳) غالب، ص ۱۳۹

اس تخمینہ کی رو سے تعلقِ استادی سنہ ۱۸۵۴ ع یا ۱۸۵۵ ع میں شروع ہوا۔ خواجه صاحب نے یہاں بھی سنہ ہجری ۱۲۷۱ پر اکتفا کی ہے^(۱)، جو ۲۴ ستمبر سنہ ۱۸۵۴ ع سے شروع ہو کر ۱۳ ستمبر سنہ ۱۸۵۵ ع پر ختم ہوتا ہے۔ قاموس المشاہیر سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوق نے ۲۴ صفر سنہ ۱۲۷۱ ھ کو انتقال کیا^(۲)، جو ۱۶ ماہِ اکتوبر سنہ ۱۸۵۴ ع کے مطابق ہے۔ لہذا سنہ ۱۸۵۴ ع سالِ تعلقِ استادی ہونا چاہیے۔

خطاب شاہی

بہادر شاہ نے میرزا صاحب کو »نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ« خطاب عطا فرمایا تھا۔ مکاتیب کے متن میں اس کا مذکور نہیں۔ لیکن عریضہ اول مورخہ ۲۸ جنوری سنہ ۵۷ ع کے آخر میں مہر کے اندر پورا منقوش ہے۔ مہر میں سنہ ۱۲۶۷ ھ سال کندہ ہے، جو سنہ ۱۸۵۰ ع کے مطابق ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملازمتِ شاہی کے موقع پر تقررِ تنخواہ کیساتھ خطاب بھی عطا ہوا تھا^(۳)۔



(۱) یادگار غالب، ص ۳۵ (۲) قاموس المشاہیر، ج ۱، ص ۲۴۷ (۳) یادگار غالب، ص ۳۳۔ یہی اسکی تائید ہوتی ہو۔ اسلئے سال ملازمت ہی کو عطای خطاب کا سال شمار کرنا چاہی۔
ح۔ الف

تعلقاتِ رامپور

ریاستون سے تعلق کی نوعیت

میرزا صاحب کو اپنی عالیٰ نسب پر ہمیشہ نخر رہا۔ وہ اوس زمانہ میں بھی، جبکہ سر پر مصائب کے بادل منڈلا رہے تھے، اور ہر چہار طرف نفسی نفسی کا عالم تھا، اپنی نسب انفرادیت کے گیت گاتے رہے، اور «زادشم و افراسیاب» کو نہ بھولے۔

لیکن سنہ ۱۸۴۷ ع میں ایک ایسا روح فرسا واقعہ پیش آیا، کہ کچھ عرصہ کیلئے اونکے ہوش پراگندہ ہو گئے۔ اوس عہد کے روسا چوسرو شطرنج کے ذریعہ وقت گزاری کیا کرتے تھے۔ میرزا صاحب کا خاندان بھی امارت کے ان لوازمات سے عاری نہ تھا۔ اسلئے یہ بھی چوسر کے دلدادہ ہو گئے تھے۔ مگر کھیل میں سرگرمی پیدا کرنے کیلئے بازی لگا کر کھیلا کرتے۔ کوتوالِ شہر نے از راہِ عداوت جوئے کا مقدمہ قائم کر کے مجسٹریٹ کی عدالت میں چالان کر دیا، اور ولعہدِ ہندوستان کی سفارش کے باوجود میرزا صاحب کو ۶ ماہ کی سزا ہو گئی۔ تین مہینے کے بعد اوسی مجسٹریٹ کی رپورٹ پر انہیں رہا کر دیا گیا۔ لیکن اس غیر شریفانہ برتاؤ سے انکی حسِ غیرت سخت مجروح ہوئی، خود اپنی نظر میں شرافتِ خاندان پر دھبہ آ گیا، اور یہ اپنے آپکو روسایِ ہندوستان سے ملنے جلنے کے قابل شمار کرنے سے احتراز کرنے لگے۔

سنہ ۱۸۵۲ ع میں ریاست جیپور سے اتفاقاً رابطہ پیدا ہوا۔ میرزا تفتہ نے اسکی تفصیلات دریافت کرتے ہوئے لکھا کہ میرا بھی خیال رہے۔ اسکے جواب میں جمعہ دھم دسمبر سنہ مذکورہ کو میرزا صاحب نے لکھا:

• جیور کا امر محض اتفاق ہی . بڑی قصد و بڑی فکر درپیش آیا ہو . ہوسنا کا نہ ادھر متوجہ ہوا ہوں . بوڑھا ہو گیا ہوں . بہرا ہو گیا ہوں . سرکار انگریزی میں بہت بڑا پایہ رکھتا تھا . رئیسزادوں میں گنا جاتا تھا . پورا خلعت پاتا تھا . اب بدنام ہو گیا ہوں . بہت بڑا دہبہ لگ گیا ہو . کسی ریاست میں دخل نہیں کر سکتا تھا . مگر ہاں استاد یا پیر یا مداح بنکر راہ و رسم پیدا کروں . کچھ آپ فائدہ اونٹھاؤں . کچھ اپنی کسی عزیز کو وہاں داخل کر دوں . دیکھو کیا صورت پیدا ہوتی ہے ؟ (۱)

چونکہ استاد یا پیر بنکر ملنے میں ان کا درجہ کم از کم والی ریاست کے مساوی ہو جانا یقینی تھا ، اور بصورتِ مداحی مدوح سے مساوی برتاؤ کی آرزو نہیں پیدا ہوتی ، اسلئے ان صورتوں میں میرزا صاحب کو اپنے اخلاقی دھبے کے احساس کا خطرہ نہ تھا ، اور اب وہ ہر ریاست سے اسی قسم کے تعلقات کے خواہاں تھے .

رامپور سے ابتدائی تعلق

نواب سید غلام محمد خان بہادر (نَوَّارَ اللہُ مَرْقَدُہُ) کے صاحبزادے اپنے والد ماجد کی تخت سے دستبرداری کے بعد حکومتِ انگلشیہ کی زیرِ حمایت رامپور سے باہر اقامت گزین ہونے پر مجبور ہوئے تھے ، اور سابقہ تعلقات کی بنا پر دارالسلطنتِ دہلی کو اپنا مستقر بنایا تھا . میرزا صاحب جس زمانہ میں دلی تشریف لائے یہ خاندان وہاں فروکش تھا . چونکہ یہ حضرات صاحبِ علم و فضل تھے ، اسلئے ان سے میرزا صاحب کے روابطِ خلوص و اتحاد پیدا ہو گئے .

ایک عریضہ میں میرزا صاحب نے ان روابط کا تذکرہ کیا ہے . فرماتے ہیں :

• ہمدین کج ، کہ مسکن منست ، شنیہ ام کہ والاشان زین العابدین خان بہادر بشہر آمدہ اند . نیازمندی من . با مرحوسی نواب عبداللہ خان بہادر ، و مہرورزی من با اصغر علیخان مرحوم ، و محبت و خلت من با نواب عبدالرحمن خان بہادر مغفور بکا دیدہ اند ، و آن مدارج کی در نظر دارند ، کہ ایشان را در ضمیر میگزشت کہ گدای گوشہ نشین را باید دید . (۲)

نواب فردوس مکان کی شاگردی

نواب سید یوسف علیخان بہادر فردوس مکان نے سنِ شعور میں قدم

نواب فردوس مکان کی تخت نشینی اور رشتہ استادی کی تجدید

اس مراسلت کے پندرہ سال بعد اپریل سنہ ۱۸۵۵ ع میں نواب جنت آرامگاہ نے وفات پائی، اور نواب سید یوسف علیخان بہادر فردوس مکان تخت نشین ہوئے۔ میرزا صاحب نے قدیم رابطہ کو مد نظر رکھتے ہوئے قطعہ تاریخ جلوس ارسال کیا۔^(۱) لیکن معلوم ہوتا ہے کہ دربار رامپور سے اسکا کوئی جواب نہ گیا، اور تقریباً دو سال تک تجدید تعلقات کی یہ کوشش بار آور ہوئی۔

حسن اتفاق سے مولانا فضل حق خیر آبادی رامپور میں فروکش تھے۔ انھوں نے حق دوستی ادا کیا، اور وقتاً فوقتاً سرکار کے روبرو میرزا صاحب کی اسقدر تعریف و توصیف کی، کہ سرکار انکے کلام کے مشتاق ہو گئے۔ جب حالات سازگار نظر آئے، تو مولانا نے میرزا صاحب کو لکھا کہ سرکار کی خدمت مبارک میں «نامہ بندگی» اور قصیدہ مدحیہ ارسال کرین۔ مولانا کا نامہ گرامی میرزا صاحب کو ۲۷ جنوری سنہ ۱۸۵۷ ع کو موصول ہوا۔ ۲۸ جنوری کو انھوں نے بتعمیل ارشاد نواب فردوس مکان کی خدمت میں پہلا عریضہ ارسال کیا۔ اسکے جواب میں سرکار نے ۵ فروری کو اپنے کچھ اشعار بغرض اصلاح بھیجے اور اونکے ساتھ تحریر فرمایا:

«نمقہ انیقہ بلاغت آگین مشعر رسید خط مولوی صاحب مخدوم محمد فضل حق صاحب با دیگر مراتب محبت و اشفاق عبارت رنگین و دقیق در عین انتظار سرمہ کش عیون وصول نشاط شمول گردیدہ، باطلاع خبریتہا سرمایہ سرور ناخصور افزودہ، از مزید شفقت و ایلاف قلبی متصور شد.»^(۲)

اس فرمان نے میرزا صاحب میں نیا ولولہ پیدا کیا، اور انھوں نے ۱۱ فروری کو سرکار کی مدح میں قصیدہ مدحیہ نظم کر کے بذریعہ ڈاک ارسال کیا۔ اسکی ایک نقل میرزا صاحب نے مولانا کی خدمت میں بھی بھیجی تھی، جو انھیں الور میں موصول ہوئی۔ وہاں سے ۱۰ ماہ اپریل کو مولانا نے سرکار کو تحریر کیا:

«بغرض عرض میرساند، کہ خیر سگال بافضال ایزد یہاں بصحت و اعتدال بالور رسیدہ ملاطفہ

مرزا صاحب مشفق نجم الدولہ مرزا اسد اللہ خان صاحب متخلص بغالب مع قصیدہ مہمہ، کہ در مدح حضور فیض معمور منظوم کردہ اند، از داکخانہ یافت۔ مرزا صاحب موصوف در ثنا و ستایش موزونی طبع اقدس و توصیف غزلہائی، کہ نزد شان شرف ارسال یافتہ بودند، و شکر و سپاس عطای مبلغ بانصد روپیہ، کہ بدو دفعہ ہمرزا صاحب موصوف عنایت شدند، اسباب در تحریر فرمودہ اند۔ حالانکہ طبع اقدس در علوم عقلیہ و فنون حکمیہ آنچنان دقیقہ رس، کہ عدیل آن در ملک ہندوستان، کہ حال علای آن تفصیلاً معلوم است، کمتر بلکہ معدوم است۔ نظم شعر و فہم آن و ابداع معانی تازہ و مضامین مبتکرہ و سرد الفاظ فصیحہ و تراکیب بلیغہ بحسب اوزان عروض نسبت بعلو طبع اقدس و بلندی افکار صایبہ از ادنی مراتب است۔ مرزا صاحب ازین حال لاعلم اند۔ طبع عالی و فکر صائب در دقائق حکمیہ و معضلات فلسفیہ بجای میرسد، کہ رسیدن افہام علام اعلام تا آن مقام معلوم الانتفاست۔ درین سخن هیچ مبالغہ و اغراق نیست۔ حضور لامع النور بنفس نفیس امتحانات فرمودہ اند، و تکریر امتحان ہم سہل است۔ و انظر بہمت والا در جود و سخا بذل آلف الوف را اقل اقل توان پنداشت۔ مرزا صاحب حق سپاسگزاری ادا کردہ اند۔ نظم قصیدہ مدحیہ در غایت بلاغت و انسجام است۔ غالباً شرف اندوز ملاحظہ والا شدہ باشد۔ (۱)

مولانا کی اس تحریر نے میرزا صاحب کے سابقہ تعلقات از سر نو استوار کر دیئے، اور ایک مخلص دوست کی کوشش سے میرزا صاحب کی یہ تجویز کہ «آئندہ ریاستون میں پیر یا اوستاد بنکر رسوخ حاصل کرنا چاہیے» ریاست رامپور میں کامیاب ہو گئی۔

نواب فردوس مکان کا سال شاگردی

نواب فردوس مکان کے سال تلذذ کا تذکرہ میرزا صاحب نے متعدد خطوط میں کیا ہے۔ لیکن تقریباً ہر خط میں اونکا بیان دوسرے خط سے مختلف ہے۔ مارچ سنہ ۶۰ ع میں خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر کو لکھا ہے کہ نواب فردوس مکان سنہ ۵۵ ع میں میرے شاگرد ہوئے۔ فرماتے ہیں:

سنہ ۱۸۵۵ ع میں نواب یوسف علیخان بہادر والی رامپور، کہ میری آشنائی قدیم ہیں، اس سال یعنی سنہ ۱۸۵۵ میں میری شاگرد ہوئے۔ ناظمہ اونکو مخلص دیا گیا۔ بیس پچیس غزلین اردو کی بھیجی۔ میں اصلاح دیکر بھیج دیتا۔ گاہ گاہ کچھ روپیہ اودھر سو آتا رہتا۔ قلعہ کی تنخواہ جاری۔ انگریزی پنشن کھلا ہوا۔ اونکو عطایا فتح گئی جاتو تھی۔ جب وہ دونوں تنخواہیں جاتی رہیں، تو زندگی کا مدار اونکو عطیہ پر رہا۔ بعد فتح دہلی وہ ہمیشہ

(۱) مثل نمبر (۲۵۹)، صفحہ احباب، عہد نواب فردوس مکان، محکمہ دارالانشاء

ط — مکاتیب غالب

میری مقدم کی خواہان رہو تھی ۔ میں عذر کرتا تھا ۔ جب جنوری سنہ ۱۸۶۰ میں گورنمنٹ سے وہ جواب پایا کہ جو اوپر لکھ آیا ہوں ، تو میں آخر جنوری میں رامپور گیا ۔ (۱)

اسی ماہ میں منشی ہرگوپال تفتہ کو لکھتے ہیں :

نواب یوسف علیخان بہادر تیس بتیس برس کی میری دوست اور پانچ چھ برس سے میری شاگرد ہیں ۔ آگے گاہ گاہ کچھ بھیج دیا کرتی تھی ۔ اب جولائی سنہ ۱۸۵۹ سے سو روپیہ مہینہ ماہ بماء بھیجتی ہیں ۔ (۲)

اس تخمینہ کی رو سے نواب فردوس مکان کا سالِ شاگردی سنہ ۵۴ یا ۵۵ ع قرار پاتا ہے ۔ لیکن ۳۰ جولائی سنہ ۱۸۶۵ ع کو میان داد خان سیاح کو تحریر کیا ہے :

ایک قرن ۱۲ برس سے فردوس مکان نواب یوسف علیخان والی رامپور اپنی اشعار میری پاس بھیجتی تھی ، اور سو روپیہ مہینہ ماہ بماء بسیل ہنڈوی بھجواتی تھی ۔ (۳)

اس حساب سے نواب فردوس مکان کو سنہ ۵۳ ع میں میرزا صاحب سے مشورۂ سخن آغاز کرنا چاہیے ۔ میرزا صاحب کے سوانح نگاروں میں سے مولانا مہر نے سنہ ۵۵ ع اختیار کیا ہے^(۴) ۔ غالباً اسکی وجہ یہ ہوگی کہ بظاہر اول الذکر دونوں سنہ تخمینی اور یہ واقعی ہے ۔ لیکن فی الحقیقت یہ سنہ بھی تخمینی ہے ، اور میرزا صاحب کے دوسرے تخمینی اعداد و شمار کی طرح دو سال قبل کی تاریخ بتاتا ہے ۔

ابھی عرض کیا جا چکا ہے کہ میرزا صاحب نے ۲۸ جنوری سنہ ۵۷ ع کو اپنا پہلا »نامۂ بندگی« ارسال کیا تھا ، اور اوس میں یہ عرض کیا تھا ، کہ سنہ ۵۵ ع میں قطعۂ تاریخِ جلوس کا ارسال سابقہ تعلق کی بنا پر تھا ۔ اب یہ عریضہ مولانا فضل حق خیرآبادی کے ارشاد کی تعمیل میں لکھ رہا ہوں ۔ اس کے جواب میں نواب فردوس مکان نے ۵ فروری سنہ ۵۷ ع کو گرامی نامہ تحریر فرمایا ۔ جسکا ضروری حصہ اوپر نقل کیا جا چکا ہے ۔ اس میں یہ الفاظ ارادۂ تلذذ پر دال ہیں :

(۱) اردو معلیٰ ، ص ۲۸۳ و عود ، ص ۱۳۶ ۔ عود میں »پنس کھل ہوئی، بصیفۂ مونٹ ہی ۔

(۲) اردو معلیٰ ، ص ۵۴ (۳) ایضاً ، ص ۱۶ (۴) غالب ، مصنفۂ مولانا مہر ، ص ۱۴۱

«مشفقاً ! هر چند که کاتب را اتفاق موزونیت يك مصرعه هم اتفاق نشده بود، لیکن محض بجهت سماعت کلام ساری زبانی مولوی صاحب صدر الوصف دلم خواست، که طریقهٔ رسل و رسائل جاری شود۔ چون سبیل به ازیں بنظرم نرسید، لهذا چند آیات و اہیات موزون نمودہ، برصد اصلاح پیش آن یگانہ آفاق مرسل گشت۔ چشمداشت کہ بعد اصلاح غزلہای مذکور مع کدام طرح جدید لطف فرمودہ شوند۔» (۱)

میرزا صاحب نے ۱۲ فروری کو اس فرمان کے جواب میں عریضہ نمبر ۳ تحریر کیا، اور اوس میں غزلیات اور ہنڈوی کے پہنچنے کی اطلاع کے بعد عرض کیا کہ

«اشعار خود بہنگام خویش خواهد رسید۔»

نیز ۱۵ فروری کو اصلاح شدہ غزلوں کے ساتھ جو عریضہ بھیجا اوس میں تخلص کے متعلق لکھا:

«میں نہیں چاہتا کہ آپکا اسم ساری اور نام نامی تخلص رہی۔ ناظم، عالی، انور، شوکت، نیشان، ان میں سے جو پسند آئے وہ رہو دیجی۔ مگر یہ نہیں کہ خواہی نخواہی آپ ایسا ہی کریں۔ اگر وہی تخلص منظور ہو تو بہت مبارک۔» (۲)

سرکار نے یکم مارچ کو جواباً تحریر فرمایا:

«منجملۃ الفاظ تخلص لفظ «ناظم» مطبوع طبع نیاز گشت۔» (۳)

ان تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ نواب فردوس مکان ۵ فروری سنہ ۵۷ ع کو میرزا صاحب کے شاگرد ہوئے، ۱۵ فروری کو میرزا صاحب نے اونہیں تخلص کیلئے چند الفاظ لکھے، اور یکم مارچ سنہ ۵۷ ع کو سرکار نے «ناظم» تخلص پسند آنے کی میرزا صاحب کو اطلاع تحریر فرمائی۔

ابك غلط فہمی

منشی امیر احمد صاحب مینائی مرحوم نے نواب فردوس مکان کے تذکرہ میں تحریر فرمایا ہے:

«طبیعت ازل سے موزون پائی تھی۔ محنگونی کا ذوق، اردو شعر فرماؤ کا شوق تھا۔ پہلو مومن خان صاحب دہلوی سے مشورہ رہا۔ پھر مرزا اسد اللہ خان غالب سے تلمذ ہوا۔ آخر آخر بوضع

(۱) مکاتیب، ص ۴، حاشیہ نمبر ۱ (۲) ایضاً، ص ۷ (۳) ایضاً، ص ۸، حاشیہ نمبر ۱

اوستادان لکھنو موزون فرماؤ لگی۔ منشی مظفر علی صاحب کو، جو آج لکھنو میں سببان
صریکائی دھر میں، کلام دکھاؤ لگی۔ (۱)

جہانتک حکیم مومن خان مرحوم کی شاگردی کا تعلق ہے، سرکار کے اس
سیان کی موجودگی میں کہ »کاتب را اتفاق موزونیت یک مصرعہ ہم اتفاق
نشده بود، اسکی کوئی گنجایش باقی نہیں رہتی، کہ ایک لمحہ کیلئے بھی امیر
مینائی کے بیان کو تسلیم کیا جائے۔ اسلئے کہ اگر نواب فردوس مکان مومن
سے اصلاح لے چکے ہوتے تو میرزا صاحب کو یہ کبھی تحریر فرماتے، کہ
مجھے ابھی تک ایک مصرعہ موزون کرینکا بھی اتفاق نہیں ہوا ہے۔

البتہ منشی مظفر علی صاحب اسیر لکھنوی کی شاگردی کا مسئلہ باقی
رہتا ہے۔ اسکے متعلق عرض یہ ہے کہ نواب فردوس مکان نے میرزا صاحب
کی حیات میں انتقال فرمایا ہے، اور جیسا کہ عریضہ نمبر ۴۴ بنام نواب خلد
آشیان سے معلوم ہوتا ہے، آخر وقت تک سرکار میرزا صاحب کے پاس اپنا
کلام بھیجتے رہے۔ اس حالت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نواب فردوس
مکان نے میرزا صاحب کی زندگی میں اور اونسے اصلاح لیتے ہوئے اسیر
لکھنوی سے کیوں اور کب مشورۂ سخن کیا۔ غالباً امیر مرحوم کے پاس اس کا
جواب صرف یہی ہوگا کہ نواب فردوس مکان کے آخری کلام میں لکھنوی
اثر کا پایا جانا اس مدعا کے ثبوت کی اہم دلیل ہے۔

مجھے اس خیال سے اتفاق ہے کہ سرکار کے آخری کلام میں لکھنویت
پائی جاتی ہے۔ لیکن صرف وجود لکھنویت تلمذ کی دلیل نہیں بن سکتا۔
خود امیر صاحب کے آخری کلام میں دہلویت پائی جاتی ہے۔ مگر اسوجہ
سے کسی نے بھی اونہیں مرزا داغ کا شاگرد تسلیم نہیں کیا۔ میری ناقص رای
میں امیر صاحب کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ اور وہ اسطرح کہ سنہ ۶۴ ع میں

میرزا صاحب نے ضعفِ پیری اور غلبہٴ امراض کے باعث سرکار سے استدعا کی تھی کہ مجھے اصلاح سے معاف رکھا جائے^(۱)۔ اس زمانہ میں دیگر درباری شعرا کیساتھ سرکار نے منشی اسیر سے بھی کسی وقت دو چار الفاظ میں مشورہ کر لیا ہوگا۔ امیر مینائی مرحوم نے اس مساویانہ مشورہٴ سخن کو تلبذ سمجھ کر دربارِ رامپور سے اپنے رشتہٴ استادی کو قدیم بنایا ہے اور بس۔ اس خیال کو مزید تقویت بہم پہنچتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں، کہ نواب فردوس مکان نے متعدد مقطعون میں میرزا غالب کی استادی کیطرف اشارہ کیا ہے، لیکن اسیر کا ذکر کہیں نہیں کیا۔ اگر وہ بھی استاد ہوتے تو اونکا مذکور بھی کسی نہ کسی جگہ ضرور آنا چاہیے تھا۔

غدر اور میرزا صاحب کی خیر خواہی

میرزا صاحب کے جدید رشتہٴ استادی کے قیام پر چند ماہ گزرے تھے، کہ غدر سنہ ۵۷ ع کے آثار پیدا ہونے لگے۔ میرزا صاحب نے اپنے محسن شاگرد کی خدمت میں کچھ خطوط لکھے، جو اونکی حسبِ ہدایت چاک کر دیے گئے۔ اس ہدایت کی وجہ بجز اسکے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتی، کہ ان تحریروں کا مضمون سیاسیات سے متعلق تھا۔ اسلئے کہ جب آتشِ غدر بھڑک اٹھی، اور نواب فردوس مکان کیلئے ناگزیر ہو گیا کہ اپنا رویہ متعین کریں، تو اونھوں نے انتہائی ہوشمندانہ طریقِ کار اختیار کیا۔ دستنبو میں میرزا صاحب اس رویہ کے متعلق لکھتے ہیں :

«چشم بد دور! فروزندہٴ ہور، نواب یوسف علیخان بہادر فرمانروای رامپور، کہ از دیر باز دران سر زمین ہمرزائی و شاہ نشانی نیاگان خویش را جانشین است، و با جہانیان انگلند در مہروروزی و یکدلی استواری پناش بدان آئین است، کہ دست روزگار در ہزار سال ہزارگونہ کفشاکش آترا نیارد گست، چار ناچار بفرستادن پیام خشک زبان ہم سابیگان از گفتگو بست ۰۰ (۲)»

یہ رویہ جسے میرزا صاحب نے «پیامِ خشک» سے تعبیر کیا ہے، اوسوقت تک

کامیاب نہیں ہو سکتا تھا، جب تک حالات کا صحیح علم اور اونکے پیدا ہونے کے واقعی اسباب قبل از وقت نہ معلوم ہو چکے ہوں۔

ترك مراسلت

غدر کیساتھ حکومتِ ہند کے سلسلہ نامہ رسانی میں اختلال واقع ہو گیا۔ نیز دہلی سے خط و کتابت کرنے میں کاتب و مکتوب الیہ کیلئے لال قلعہ یا حکومتِ ہند کی نظر میں مشتبہ قرار پانے کا خطرہ تھا، اسلئے قاصد کے ذریعہ «خیریت گوئی و عافیت جوئی» بھی سہل اور بیخطر نہی تھی۔ ادھر نواب فردوس مکان روہیلکھنڈ کی بغاوت فرو کرنے میں منہمک تھے۔ ان حالات کا یہ نتیجہ نکلا کہ میرزا صاحب اور سرکار میں اگست سنہ ۵۷ ع سے جنوری سنہ ۵۸ ع تک مراسلت نہ ہو سکی۔

عریضہ نمبر ۷ میں میرزا صاحب اس تركِ مراسلت کا شکوہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

«در زمان چیرہ دستی کورنمکان سپاہ روسیہ سررشتہ یام از ہم گسست۔ ناچار بفرستادن نامہ بر رساندن نامہ و پیام صورت بست۔ درین روزگار، کہ فرمان داوران دادگر روانی و سلسلہ آمد شد نامہ رسانی یافت، نامہ در یام روان داشته شد، و نا رسیدن پاسخ آترا چنان پنداشته شد، کہ مگر آن نیایشنامہ نرسیده باشد، یا فرط احتیاط مانع تحریر جواب گردیده باشد.... بہ نگاشتن این نامہ زحمت اوقات ملازمان ازان رو روا داشته ام، کہ اگر نفرستادن نامہ محض از روی احتیاط است هویدا گردد، کہ در عنایت تقریط و در رعایت افراط است.» (۱)

میرزا صاحب کی مالی پریشانی اور تقرر وظیفہ

میرزا صاحب کو خزانہ کلکٹری سے ساڑھے باسٹھ روپیہ ماہوار پنشن ملا کرتی تھی جسے غدر کے بعد تعلقِ قلعہ کے سبب سے گورنمنٹ نے مسدود کر دیا۔ امن کے بعد میرزا صاحب نے بیگناہی ظاہر کی، لیکن عرصہ تک شنوائی نہوئی۔ غدر سے قبل نواب فردوس مکان وقتاً فوقتاً عطیات بھیجتے رہتے تھے۔ چنانچہ میرزا صاحب نے خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر کو ان عطیات کے بارے میں لکھا ہے :

دیاجہ

«نواب یوسف علیخان بہادر والی رامپور، کہ میری آشنای قدیم ہیں، اس سال ... میری شاگرد ہوئے۔ ناظم اونکو تخلص دیا گیا۔ بیس پچیس غزلین اردو کی بھیجی۔ میں اصلاح دیکر بھیج دیتا۔ گاہ گاہ کچھ رویہ اودھر سے آتا رہتا۔» (۱)

لیکن ایامِ غدر میں وہ بھی امداد نہ کر سکے۔ بعدِ غدر متعدد بار دو سو ڈھائی سو روپیے نقد عطا کیے۔ مگر میرزا صاحب کو اوقات بسر کرنے کیلئے ماہوار امداد کی ضرورت تھی۔ لہذا انہوں نے «یوسف رامپور» کے حضور میں ماہانہ پرورش کی درخواست ارسال کی۔ سوہ اتفاق سے مثل میں یہ درخواست موجود نہیں۔ البتہ عریضہ نمبر ۱۳ مورخہ ۱۸ اپریل سنہ ۵۹ ع میں ایک حسنِ طلب پر مشتمل نیازنامہ کا ذکر ہے۔ فرماتے ہیں :

«اسی نیازنامہ میں کچھ حسنِ طلب بھی تھا۔ افسوس کہ ایسا خط ضروری نہ پہنچا۔» (۲)

چونکہ اول الذکر عریضہ سرکار کو موصول نہوا، اور دوسرے میں اوس حسنِ طلب کی تصریح نہ تھی، اسلئے مجبوراً ۱۰ جولائی سنہ ۵۹ ع کو میرزا صاحب نے ایک اور عریضہ ارسال کیا۔ امثال میں یہ عریضہ بھی موجود نہیں ہے۔ لیکن سرکار کے جوابی فرمان مورخہ ۱۴ ذیحجہ سنہ ۱۲۷۵ھ مطابق ۱۶ جولائی سنہ ۵۹ ع سے اسکے مضمون پر روشنی پڑتی ہے۔ سرکار نے ارشاد فرمایا ہے :

«... سامی صحیفہ تلاف آگین مورخہ دسویں اس مہینہ جولائی سنہ حال کا بیچ عین انتظار کو غازہ آرای چہرہ وصول نشاط شمول کا ہوا، اور اوپر مراتب مرقومہ کو مطلع کیا۔ اور ان غزلوں کی اصلاح می مخلص کو کال مسرت ہوئی۔ اور بنظر آپکی زیرباری کو اس مہینہ جولائی سے سو روپیہ مہینا مقرر کیا گیا۔ اور دفتر میں نام آپکا مندرج کیا گیا۔ ہر مہینہ تنخواہ مقررہ پہنچے گی۔ یقین ہو کہ آپ بھی محمول کال محبت میں فرماوینگو۔.....»

اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ اوس زمانہ میں میرزا صاحب نے کسی وجہ سے مراسلت کم کر دی تھی، مگر سرکار اونکے خط کے منتظر تھے۔ جب ۱۰ جولائی کے عریضہ میں انہوں نے اپنی زیرباری کا ذکر کیا، تو سرکار نے از راہ پرورش سو روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر فرمادی۔ سرکار کا روبکارِ تقریر

وظیفہ ۱۶ جولائی کو صادر ہوا، اور میرزا صاحب کو پہلی تنخواہ کی
 ہنڈوی ۲۸ ذیحجہ سنہ ۷۵ ھ مطابق ۳۱ جولائی سنہ ۵۹ ع کو روانہ کی گئی۔
 اپریل سنہ ۶۰ ع میں میرزا صاحب نے میر مہدی مجروح کو جو خط
 لکھا ہے اوس میں بھی جولائی سنہ ۵۹ ع سے تنخواہ جاری ہونیکا ذکر ہے۔
 فرماتے ہیں :

و قرارداد یہ ہو کہ نواب صاحب جولاہی سنہ ۱۸۵۹ سی، کہ جسکر یہ دسوان مہینا ہو، سو روپیہ
 بچہر ماہ بماء بھیجتے ہیں ۰ (۱)

ہنڈوی بھیجنے کا طریقہ

چونکہ میرزا صاحب رامپور میں فروکش نہ تھے، اسلئے انہیں ہر مہینے
 کی دسویں بارہویں تاریخ تک سو روپیہ کی ہنڈوی سرکار کے گرامی نامہ
 کیساتھ ملفوف بھیجی جاتی تھی۔ بعض عرایض میں میرزا صاحب نے لکھا
 ہے کہ پہلی دوسری تاریخ تک روپیہ بھیج دیا جایا کرے۔ سرکار نے اسکو
 منظور بھی فرما لیا ہے، اور دفتر کو حکم بھی ہو گیا ہے، لیکن بالعموم ان
 تاریخوں کے بعد ہی روپیہ روانہ کیا گیا۔ میرزا صاحب کے مکتوب مورخہ ۳۰
 جولائی سنہ ۶۵ ع بنام میان داد خان سیاح سے معلوم ہوتا ہے، کہ سرکار میرزا
 صاحب سے روپیہ کی رسید نہیں لیتے تھے۔ میرزا صاحب لکھتے ہیں :

والک قرن ۱۲ برس سی فردوس مکان نواب یوسف علیخان والی رامپور اپز اشعار میری پاس
 بھیجتے تھی، اور سو روپیہ مہینا ماہ بماء بسبیل ہنڈوی بھیجاتے تھے۔ اوس مغفور کی اندازہ
 دانی دیکھی کہ بچہر ماہ بھیجتے تھے اوس روپیہ کی رسید نہیں لی۔ اپنی خط میں ہنڈوی بھیجا کرتی۔
 میں خط کا جواب لکھ بھیجتا۔ اس ماہانہ کے علاوہ کبھی دو سو کبھی ڈھائی سو بھیجتے رہے۔
 فتنہ و فساد کے دنوں میں قلعہ کی آمد مفقود۔ انگریزی پسن مسدود۔ یہ بزرگوار وجہ مقرر
 ماہ بماء اور فوج گاہ گاہ بھیجتا رہا، تب میری اور میری متوسلون کی زیست ہوئی ۰ (۲)

اس مکتوب میں رسید سے میرزا صاحب کی مراد باضابطہ رسید ہوگی۔ ورنہ
 سرکار کے ہر فرمان میں روپیہ کی وصولیابی سے مطلع کرنے کی خواہش اور
 میرزا صاحب کے تمام ماہانہ عرایض میں روپیہ کی رسید کی اطلاع درج ہے۔

میرزا صاحب کی تنخواہ کے تقرر کے سلسلہ میں مولانا مہر فرماتے ہیں :

و غدر کو بعد جب قلعہ کی تنخواہ جاتی رہی ، اور خاندانی پشن بند ہو گئی ، تو غالب نے ایک فارسی قصیدہ نواب یوسف علیخان کو پاس بھیجا ، جس میں گہری دوستانہ روابط کا ذکر کرتے ہوئے نواب صاحب کو تغافل کا شکوہ کیا گیا تھا ۔ اس قصیدہ پر نواب یوسف علی خان مرحوم نے سو روپیہ ماہوار کا وظیفہ غالب کیلئے مقرر فرمادیا ، جو ماہ بماء نواب صاحب خود غالب کو بھیجتے تھے ۔ (۱)

لیکن مجھے مولانا کی رائے سے اتفاق نہیں ۔ اسلئے کہ اس قصیدہ میں میرزا صاحب نے سرکار سے ترکِ مراسلت کا شکوہ کیا ہے ۔ اگر یہ قصیدہ سنہ ۵۹ ع کا لکھا ہوا ہوتا تو شکوہ نادرست تھا ۔ کیونکہ سرکار کا وہ فرمان ، جو اطلاعِ تقررِ وظیفہ کے سلسلہ میں میرزا صاحب کو لکھا گیا تھا ، سرکار کیطرف سے شکوہ ترکِ مراسلت پر مشتمل ہے ۔ دوسرے اسلئے کہ اس میں میرزا صاحب نے گورنمنٹ کیطرف سے بریلی کا علاقہ عطا ہونے کی مبارکباد تحریر کی ہے ۔ یہ علاقہ پرگنہ کاشی پور ضلع مراد آباد عطا کردہ اپریل سنہ ۶۰ ع کے عوض میں سرکار کو ملا تھا ۔ اگر میرزا صاحب کا قصیدہ سنہ ۵۹ ع کا ہوتا تو اس میں توقعِ بریلی کا مذکور نہونا چاہئے تھا ۔

مولانا مہر کے اس قیاس کی وجہ خود اونکے الفاظ سے یہ معلوم ہوتی ہے ، کہ اس میں میرزا صاحب نے اپنی تنخواہ کے تقرر کی درخواست کی ہے ۔ اگر قصیدہ تقررِ تنخواہ کے بعد لکھا گیا ہوتا ، تو اس میں عنایت کا شکریہ ادا کیا جاتا ۔ مولانا کے الفاظ یہ ہیں :

واسکو بعد نواب صاحب کو توقعِ بریلی کی مبارکباد دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں مفق یا قاضی یا شمعہ یا عامل کو عہدے کا طلبگار نہیں ، بلکہ صرف یہ چاہتا ہوں کہ میرا حصہ بھیجے ماہ بماء پہنچتا رہے ۔ (۲)

حالانکہ اس قصیدہ میں میرزا صاحب نے صرف سالانہ امداد کی درخواست

کی ہے جو تقررِ تنخواہ کے بعد بھی ہو سکتی تھی۔ اسلئے اس کو تقررِ تنخواہ کی بنا قرار دینا مناسب نہیں۔ میرزا صاحب کا قصیدہ حسب ذیل ہے:

دائم کہ تو دریائی و من سبزہ ساحل
آن شمع فروزان کہ بود در خور محفل
صد حیف کہ شد نقش امیدم ہمہ باطل
با دوست کہ پیوستہ ہمی برد غم از دل
چون می ندهد داد، ز فریاد چہ حاصل؟
دل گفت کہ ہاں شیوہ عشاق فروہل
حاشا کہ حکایت کنم از لیلی و محل
خوانند ستمگارہ و خونخوارہ و قاتل
شایان بودش گوریم اگر خسرو عادل
او قلم و عیان بود و من خس ساحل
مائیم و یقینی کہ بوحث شدہ کامل
امیدگہم بود بہر وادی و منزل
برستہ برویم در ارسال رسائل
مشتاق جمال تو، چہ دیوانہ چہ عاقل
شد نام نظیر تو و ہم نام تو داخل
مانند ز تو دشوار و رسیدن بتو مشکل
زبان کہ فرو رفتہ مرا پای درین گل
از چیست کہ ہرگز ندہی وابہ بہ سائل
حرفی غلط از صفحہ ہستی شدہ زائل
تا نزد تو آرند یکی طائر بسمل
چون قبلہ نما سوی تو ام ساختہ مائل
دانی کہ درین شیوہ نیم عای و جاہل
ایقن آیہ خاصست کہ بر من شدہ نازل
می بین، در گنج ارچہ کشودن شدہ مشکل
غم نیست گر آبادی دہلی شدہ زائل
اعجاز ز دہلی بود و سحر ز بابل
دیگر نہرد ذوق ز آواز عتادل
بستم بفرہ مندی خویش از کرم دل
حاشا کہ پزیرم عمل شختہ و عامل

و چون نیست مرا ثربت آبی ز تو حاصل
در بادبہ بر گور غریبان ز چہ سوزد
زان خسرو خوبان چہ قدر چشم وفا بود
افسانہ غم گر بسرایم نبود عیب
میگویم و ہمدم زندم طعنہ کہ متن زن
از طعنہ شدم خستہ دل و از رہ تیار
تا کس نہرد ظن کہ بشاہد بودم روی
شاہد بود آن دوست کہ اندر غزل او را
من نالم از آن دوست کہ در عالم انصاف
او خسرو خوبان بود و بندہ گدایش
گر خواجہ ہمانست و گر دوست ہمانست
خود ہرچہ سرودم ہمہ با اوست کزین پیش
یا رب چہ شد اینک کہ نگیرد خبر از من
ای دیوسف، ثانی کہ بود در ہمہ عالم
گر نام تو در بحر نگنجید زبان نیست
تا نزد تو چون آیم و دور از تو چہ سازم
ای کاش بکوی تو چہین روی نمودی
چونست کہ گاہی تکی روی بدین سوی
گر جان دہم از غصہ تو دانی کہ بگیتی
خواہی کہ مرا بگری از دور بفرمای
از صنعت استاد ازل دان کہ ز ہر سوی
و غالب، بسخن نام من آمد ازل آورد
در فن سخن دم مزین از عرفی و طالب
من گنجیم و گردون بہ گل اندوہ درم را
خود در خور ویرانہ بود گنج گرانمند
ہاروت فسون نفس گرم چہ داند
آزرا کہ صریر قلم ہوش رباید
توفیق دہی، بتو فرخندہ کہ من نیز
حاشا کہ ستانم رقم قاضی و مفتی

بفرست خردمند کسان را بحکومت
 ہر سال ازان شہر بمن وایہ روان دار
 امید کہ لب تشنگی من نہ پسندی
 امید کہ پیزی و بر من نکھی قہر
 امید کہ آن شیوہ نوری کہ نگویم
 ای رای تو در روشنی از مہر فزون تر
 تا مہر یک سال کند دائرہ را دور
 باشی بسہر شرف آن ماہ کہ باشد
 در جیب گدا ریز قلبی ز مداخل
 کر بہر ہمین گشتہ در اقطاع تو شامل
 زان رشعہ کہ بر صفحہ فشان ز انامل
 نہیزم اگر معذرت فرط مشاغل
 کر درد دلم فارغ و از من شدہ غافل
 ای روی تو در حسن دو چند از مہ کامل
 تا ماہ یک ماہ کند قطع منازل
 در نور بہ خرشید جہانتاب مقابل، (۱)

اصلاح میں تاخیر

میرزا صاحب کی طرف سے نواب فردوس مکان کے کلام پر اصلاح دینے میں تاخیر بھی ہو جاتی تھی۔ چنانچہ متعدد فرامین میں تعجیل کا تقاضا اور بعض میں تاخیر کا شکوہ نظر آتا ہے۔ اس کا سبب میرزا صاحب کی علالت طبع تھی۔ ۲۰ نومبر سنہ ۶۱ ع کے ایک مکتوب بنام میان داد خان سیاح میں میرزا صاحب نے لکھا ہے:

ہاندنون ضعف دماغ، دوران سر میں ایسا مبتلا ہوں کہ والی رامپور کا بھی بہت سا کلام بونی دھرا ہوا ہے۔ دیکھو کی بھی نوبت نہیں آتی۔ تمہاری بھیجی ہوئی غزلین سب محفوظ دھری ہوئی ہیں۔ خاطر جمع رکھو۔ جب نوابصاحب کی غزلین دیکھو نگا، تو یہ بھی دیکھی جائیگی، (۲)

ایکبار تفتہ کے کلام پر اصلاح دینے میں دیر ہوئی۔ انہوں نے تقاضائی خط لکھا۔ اس پر ۱۴ اکتوبر سنہ ۶۲ ع کو میرزا صاحب نے تحریر فرمایا ہے:

ہا بھائی! تم سچ کہو ہو کہ بہت مسودی اصلاح کیواسطو فراہم ہوئی ہیں۔ مگر یہ نہ سمجھنا کہ تمہاری ہی قصائد پڑی ہیں۔ نوابصاحب کی غزلین بھی اسطرح دھری ہوئی ہیں۔ برسات کا حال تمہیں بھی معلوم ہے.... اب نجات ہوئی ہے۔ نوابصاحب کی غزلین اور تمہاری قصائد دیکھو جائیگو.... میں ناتوان بہت ہو گیا ہوں۔ گویا صاحب فراش ہوں۔ کوئی شخص نبا تکلف کی ملاقات کا آجائی تو اوٹھ بیٹھتا ہوں۔ ورنہ پڑا رہتا ہوں۔ لیٹو لیٹو خط لکھتا ہوں۔ لیٹو لیٹو مسودات دیکھتا ہوں۔ اللہ! اللہ! (۳)

اس جواب پر ایک ماہ گزر گیا، لیکن ہنوز تفتہ کو اصلاح شدہ قصائد نہ ملے۔ انہوں نے پھر شکایت آمیز خط لکھا۔ اس کے جواب میں ۲۷ نومبر سنہ ۶۲ ع

(۱) کلیات نظم فارسی، ص ۳۲۷ طبع لکھنؤ سنہ ۱۸۶۳ ع (۲) اردو معلی، ص ۲۷ (۳) ایضاً، ص ۹۴

کو میرزا صاحب نے معذرت کرتے ہوئے نواب صاحب کی غزلوں پر اصلاح دینے کا پھر ذکر کیا۔ فرماتے ہیں :

• مرزا تفتہ ! جو کچھ تمہو لکھا یہ بیدردی ہو اور بدگمانی۔ معاذ اللہ ! تم سو اور آزدگی۔
مجھکو اسپر ناز ہو کہ میں ہندوستان میں ایک دوست صادق الولا رکھتا ہوں، جسکا ہرگوپال نام
اور نقشہ تخلص ہو بھائی مجھ میں کچھ اب باقی نہیں ہو۔ برسات کی مصیبت گزر گئی،
لیکن بڑھاپہ کی شدت بڑھ گئی۔ تمام دن پڑا رہتا ہوں۔ بیٹھ نہیں سکتا۔ اکثر لیٹو لیٹو لکھتا ہوں ...
لالہ بالکنند بیصر کا ایک پارسل ہو کہ اوسلو بہت دن ہوئی، آج تک مرنامہ بھی نہیں کھولا۔
نواب صاحب کی دس پندرہ غزلیں پڑی ہوئی ہیں۔

ضعف نو غالب نکلا کر دیا ورنہ ہم بھی آدمی نہ ہو کام کو، (۱)

مگر وظیفہ جاری

لیکن اس تاخیر کے باوجود نواب فردوس مکان وظیفہ برابر دیتے
رہے۔ حتی کہ ایکبار میرزا صاحب نے اصلاح سے انکار کر دیا۔ اسپر بھی
سرکار نے از راہِ قدردانی وظیفہ بند نکیا۔ سرکار کی اس مہربانی و پرورش
کا ایک خط میں میرزا صاحب نے ذکر کیا ہے۔ واقعہ یہ درپیش آیا کہ ایکبار
تفتہ کے کلام پر اصلاح دینے میں دیر ہوئی۔ اونیوں نے تقاضا کیا۔
میرزا صاحب نے عذرِ ضعف کیا، جسے تفتہ نے باور نکیا۔ اسپر میرزا
صاحب نے تحریر فرمایا :

• میرا عجب حال ہو۔ حیران ہوں کہ تمہیں میرا کلام کیوں باور نہیں آتا۔ ... سامعہ مرگیا تھا
اب باصرہ بھی ضعیف ہو گیا۔ ... رئیس رامپور سو روپیہ مہینا دیتے ہیں۔ سال گزشتہ اونکو
لکھ بھیجا کہ اصلاح نظم حواس کا کام ہو، اور میں اپنی حواس نہیں پاتا۔ متوقع ہوں کہ
اس خدمت میں معاف رہوں۔ جو کچھ مجھے آپ کی مرکاز میں ملتا ہو، عوض خدمات سابقہ
میں شمار کیجئے، تو میں سکھ لبر مہی، ورنہ خیرات خوار مہی۔ اور اگر یہ عطیہ بشرط
خدمت ہو تو جو آپ کی مرضی ہو وہی میری قسمت ہو۔ برس دہائی میں اونکا کلام نہیں آتا۔
فوج مقرری نومبر تک آئی۔ اب دیکھئے آگے کیا ہوتا ہو۔ آج تک نواب صاحب از راہ جوانمردی
دی جاتے ہیں۔ (۲)

یہ خط میرزا صاحب نے ۱۴ رجب کو لکھا ہے۔ اسکے آخر میں سنہ درج
نہیں، لیکن قیاس یہ چاہتا ہے کہ سنہ ۱۲۸۱ ھ مطابق ۱۴ دسمبر سنہ ۱۸۶۴ ع

تاریخ کتابت ہوگی۔ اسلئے کہ اس مین میرزا صاحب نے نومبر کی تنخواہ موصول ہونے کی اطلاع دی ہے۔ لہذا خط لکھتے وقت دسمبر کا مہینا ہونا چاہیے۔ اور جیسا کہ خود میرزا صاحب کے عریضہ نمبر ۳۹ سے، جو اسی ماہ نومبر کی تنخواہ کی رسید ہے، معلوم ہوتا ہے، رجب اور دسمبر سنہ ۱۲۸۱ھ مین ایکساٹھ آئے تھے، اور اتفاق یہ کہ دونوں مہینوں کا آغاز بھی ایک دن ہوا تھا۔

اس خط مین میرزا صاحب نے اوس عریضہ کا مضمون دوہرایا ہے جو نواب فردوس مکان کی خدمت مین ارسال کیا تھا۔ وہ عریضہ فائل مین موجود نہیں۔ لیکن امثلہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب کا یہ ارشاد کہ »برسدن سے اونکا کلام نہیں آتا« حقیقی عذر ہے۔ کیونکہ اس ایکسال کے عرصہ مین، جو کم از کم دسمبر سنہ ۶۳ ع سے دسمبر سنہ ۶۴ ع تک پھیلا ہوا ہے، نواب فردوس مکان نے تقریباً ہر ماہ خط بھیجا ہے۔ لیکن کسی مین اشعار کے ارسال کی اطلاع یا مرسلہ کلام کی واپسی کا تقاضا درج نہیں ہے۔ اونکا آخری کلام وہ واسوخت تھا جو میرزا صاحب نے آخر اکتوبر سنہ ۶۳ ع مین واپس بھیجا اور یہاں ۲۹ اکتوبر سنہ مذکور مطابق ۱۵ جمادی الثانیہ سنہ ۸۱ھ کو موصول ہوا۔ اسکے بعد اکتوبر سنہ ۶۴ ع کے آخر یا نومبر کے آغاز مین سرکار سرطان کے عارضہ مین مبتلا ہو گئے، اور غالباً سنہ ۶۵ ع کے شروع مین محرم سنہ ۸۲ھ کی مجالس کے لئے صرف ایک سلام لکھ کر بھیج سکے، جو اونکے انتقال کے بعد میرزا صاحب نے نواب خلد آشیان کی خدمت مین واپس ارسال کیا۔^(۱)

رامپور کا پہلا سفر، اور سرکار کی تین دعوتنامی

نواب فردوس مکان کو میرزا صاحب کا شاگرد ہوئے چند ماہ گزرے تھے کہ ہنگامہ غدر برپا ہو گیا، اور کچھ عرصہ تک باہم مراسلت

بند رہی۔ لیکن مملکتِ ہند میں امن و امان قائم ہوتے ہی سرکار نے میرزا صاحب کو رامپور تشریف لانے کی دعوت دی۔ نواب صاحب کا پہلا دعوتنامہ مثل میں موجود نہیں۔ لیکن مکتوب بنام صاحبزادہ سید زین العابدین خان بہادر مورخہ ۲۵ مارچ سنہ ۵۸ ع میں میرزا صاحب نے اپنے رامپور نائیکے وجوہ تحریر کیئے ہیں۔ اسلئے یقیناً پہلی دعوت ابتدائے سال سنہ ۵۸ ع میں دی گئی ہوگی۔ خود میرزا صاحب کے الفاظ »بعد فتح دہلی وہ ہمیشہ میرے مقدم کے خواہان رہتے تھے۔ میں عذر کرتا تھا« سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ ۲۵ نومبر سنہ مذکور کو سرکار نے پھر تحریر فرمایا:

»مشفقاً! جو کہ غلطی کو اشتیاقِ معانفہ اور مکالمہ آپ کا بدرجہ کمال ہے، اور اب تشریف آوری آپ کی اچھگہ مناسب ہے، اسواسطی حوالہ خامۂ محبت نگار کی ہوتا ہے، کہ آپ دیدار فایض الانوار اپنی سی غلطی کو سرور فرمائیو۔ (۱)

اس کے بعد ۱۳ مارچ اپریل سنہ ۵۹ ع کو سہ بارہ تحریر فرمایا:

»حال تشریف آوری آپ کا اسطرف کو ابھی تک سامعہ نواز نہیں ہوا۔ اور دل صفا منزل مشتاق اور منتظر دریافت سرور ملاقات کا ہے۔ اسواسطی حوالہ خامۂ اتحاد نگار کی ہوتا ہے، کہ آپ براہ عنایت کی نوید تشریف فرمان اس سمت سی، کہ کیتک ممکن الوقوع ہے، مطلع اور مطمئن فرمائیو۔ (۲)

میرزا صاحب کا عذر

میرزا صاحب مطلع سیاست صاف ہو جانیکے بعد اپنی انگریزی پنشن کے اجرا کی سعی میں مصروف تھے۔ حکام انگریزی کی معدلت گسٹری و انصاف پڑوسی کے بدل معترف تھے، اور اپنے آپ کو جرم بیوفائی و غداری سے قطعاً بری پاتے تھے، اسلئے حکام کی ہر دفتری حرکت اونکی امید کو پیام کامیابی نظر آتی تھی۔ وہ روزانہ اس یقین کیساتھ بیدار ہوتے، کہ آج پنشن کی اجرا کا حکم ہو جائیگا، اور میں شام تک اپنے قرضہ کے بار سے سبک دوش ہو سکونگا۔ بسا اوقات اون سے یہ موہوم خوشی ضبط نہوسکی ہے، اور احباب کو کامیابی کی منزل قریب آجانے کی اطلاعیں تک دیدی ہیں۔ (۳)

(۱) مکاتیب، ص ۱۶، حاشیہ نمبر ۱ (۲) ایضاً، ص ۱۹، حاشیہ نمبر ۱

(۳) اردوی ملی اور عود میں اس مضمون کی متعدد خطوط موجود ہیں۔

ایسی حالت میں کس طرح ممکن تھا کہ وہ دلی سے باہر چلے جاتے۔ چنانچہ یہی امروز و فردا دلی چھوڑ کر رامپور آنے سے مانع رہے، اور انہوں نے ہر دعوت نامہ کے جواب میں یہی عذر کیا کہ پنشن کے وصول کا زمانہ قریب آگیا ہے۔ اسکو ادھورا چھوڑ کر نہیں آسکتا۔ اس سلسلہ میں صاحبزادہ سید زین العابدین خان بہادر کو تحریر کرتے ہیں :

”جناب نواب صاحب میری محسن اور میری قدردان اور میری امیدگاہ ہیں۔ میں اگر رامپور آؤنگا تو کہاں جاؤنگا۔ یہ جو آپ کہتے ہیں کہ تنکو آؤ میں تردد کیا ہو، تردد کچھ نہیں توقف ہو۔ وجہ توقف کی یہ کہ میں نے اپنی پنشن کی باب میں چیف کیشنر بہادر کو درخواست دی تھی۔ وہاں سے صاحب کیشنر شہر کی وہ درخواست حوالہ ہوئی۔ صاحب کیشنر دہلی نے صاحب کلکٹر شہر سے کیفیت طلب کی ہو۔ بہر حال صاحب کیشنر شہر کیفیت صاحب کلکٹر سے طلب کر کر چیف کیشنر کیساتھ پنجاب کو گئے ہیں۔ دیکھیے کب آئیں، اور بعد ملاحظہ کیفیت کیا حکم دیں۔ مگر تا صدور حکم میں یہاں سے کہیں جا نہیں سکتا۔ ہاں بعد ملتو حکم کے، خواہی دلخواہ ہو خواہی مخالف مدعا، دونوں صورت میں رامپور آؤنگا۔“ (۱)

نواب فردوس مکان کے دعوتنامہ مورخہ ۲۵ نومبر سنہ ۵۸ ع کے جواب میں اسی عذر کا اعادہ کیا ہے۔ تحریر کرتے ہیں :

”میری حاضر ہونے کو جو ارشاد ہوتا ہو، میں وہاں نہ آؤنگا، تو اور کہاں جاؤنگا۔ پنشن کے وصول کا زمانہ قریب آیا ہو۔ اسکو ملتوی چھوڑ کر کیونکر چلا آؤں۔ سنا جانا ہو اور یقین بھی آتا ہو کہ جنوری آغاز سال ۵۹ عیسوی میں یہ قصہ انجام پاؤ۔ جسکو روپیہ ملنا ہو اسکو روپیہ، جسکو جواب ملنا ہو اسکو جواب ملجاؤ۔“ (۲)

لیکن میرزا صاحب کے علی الرغم جنوری سنہ ۵۹ ع بھی بیگانہ وار گزر گیا، تو انہوں نے اپنی صادق الاعتقادی میں اور وسعت دے لی، اور جب سرکار نے ۱۳ ماہ اپریل سنہ مذکور کو تیسری بار آمدِ رامپور کی دعوت دی تو اس کے جواب میں لکھا :

”پہلے خط میں یہ عرض کیا ہو، کہ مجموعہ پسنداروں کی مثل مرتب ہو، اور ہنوز صدر کو روانہ نہیں ہوئی۔ نواب گورنر جنرل لاؤڈ کیٹنگ بہادر نے کلکتہ سے میری پنشن کے کواغذ طلب کیے، اور وہ کاغذ فہرست میں سے الگ ہو کر لفٹنگ گورنر بہادر پنجاب کی خدمت میں ارسال ہوئے۔ وہاں سے کلکتہ کو بھیجی جائیں گی۔ پھر وہاں سے حکم منظوری پنجاب

مکاتیب غالب

ہوتا ہوا بیان آیتگا، اور بیان مجکو رویہ ملجائیکا۔ آج رویہ ملا، کل مین فی آپ سی سواری اور باربرداری مانگی۔ آج سواری اور باربرداری پہچی، اور کل مین فی رامپور کی راہ لی۔ (۱)

چوتھی دعوت

آخر کار سال ۵۹ ع بھی ختم ہونے کے قریب آ گیا، مگر پنشن کا معاملہ ہنوز لیت و لعل میں پڑا رہا۔ سرکار نے ۱۶ دسمبر سنہ ۵۹ ع کو پھر ارقام فرمایا: سابق مین چند مرتبہ در باب تشریف فرمائی بیان کو متکلف ہوا ہوں۔ لیکن ابتک آپو سرور ملاقات ہیجت آیات سی سرور نہیں فرمایا۔ اب لازم اشفاق کا یہ ہی کہ آپ تشریف شریف بامرع ازمہ ارزانی فرماوین، اور خلص کو مشکور الطاف کا کریں۔ (۲)

میرزا صاحب اس عرصہ میں نواب فردوس مکان کے اخلاص و اعانت کے بدل معترف ہو چکے تھے، اور یہ عزم کر کے، کہ مقدمہ پنشن کے منفصل ہوتے ہی رامپور روانا ہو جائینگے، یوسف مرزا کو لکھا تھا:

دین نوپسن کے باب مین حکم اخیر سن لون۔ پھر رامپور چلا جاؤنگا۔ جمادی الاول سی ذی الحجہ تک ۸ مہینی، اور پھر محرم سی سنہ ۱۲۷۷ سال شروع ہوگا۔ اس سال کو دو چار حد دس گیارہ مہینو غرض کہ اونیس بیس مہینی ہر طرح بدر کرزہ ہین۔ اسمین رنج و راحت و ذلت و عزت جو مقسوم مین ہی وہ پہنچ جائی۔ اور پھر دلی علی، کہتا ہوا ملک عدم کو چلا جاؤں۔ جسم رامپور مین اور روح عالم نور مین۔ یا علی! یا علی! یا علی! (۳)

میرزا صاحب کا عزم سفر اور اوسکا مقصد

جب آغاز سنہ ۱۸۶۰ ع مین گورنمنٹ نے مقدمہ پنشن کا فیصلہ میرزا صاحب کی خواہش اور امید کے خلاف صادر کیا، تو انھوں نے حسب وعدہ سفر رامپور کی تیاری کی۔ اس سلسلہ میں خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر کو لکھتے ہین:

بعد فتح دہلی وہ (نواب فردوس مکان) ہمیشہ میری مقدم کو خواہان رہتی تھی۔ مین عذر کرتا تھا۔ جب جنوری سنہ ۱۸۶۰ مین گورنمنٹ سی وہ جواب پایا، کہ جو اوپر لکھ آیا ہوں۔ تو مین آخر جنوری مین رامپور گیا۔ (۴)

نواب فردوس مکان ایام غدر مین گورنمنٹ کے وفادار اور معاون رہے تھے۔

(۱) مکاتیب، ص ۱۹ (۲) ایضاً، ص ۲۵، حاشیہ نمبر ۳ (۳) اردوی معلی، ص ۳۴۵

(۴) ایضاً، ص ۲۸۳

بنا برین برٹش حکام کی نظر میں اونکی بڑی عزت و وقعت تھی۔ میرزا صاحب سے بھی اونکے تعلقات ییحد پر خلوص تھے۔ اسلئے مقدمہ خلاف فیصل ہونیکے بعد میرزا صاحب نے مناسب جانا کہ رامپور جائین اور سرکار سے زبانی عرض کرین کہ اپنے توسط سے گورنمنٹ سے میرے معاملہ کو صاف فرمادیجئے۔ منشی شیونراین اکبر آبادی کو ۳ مارچ سنہ ۶۰ ع کو رامپور سے لکھا ہے:

دین حسب الطلب نواب صاحب کو دوستانہ بیان آیا ہون۔ اور اپنی صفائی گورنمنٹ سی بذریعہ انکی چاہتا ہون۔ دیکھون کیا ہوتا ہو ۰۰ (۱)

اسکے علاوہ ایک اور واقعہ، جو قیام رامپور کے زمانہ میں پیش آیا، اس امر پر شاہد ہے کہ سفر رامپور سے میرزا صاحب کا مقصد گورنمنٹ سے اپنی صفائی تھی۔ ۱۴ فروری سنہ مذکورہ کو حکیم غلام نجف خان کو اس واقعہ کے متعلق تحریر کیا ہے:

بیان کا یہ حال ہو کہ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر آگرہ مراد آباد آیا چاہتی ہین۔ مراد آباد بیان سی بارہ کوس ہو۔ نواب صاحب دوری کو اپنی ملک کو گئی ہین۔ دو چار دن میں پھر آئینگی۔ اگر اونکی ملاقات کو مراد آباد جائینگی، میں بھی ساتھ جاؤنگا۔ اگرچہ گورنر غرب و شمال کو دلی سی کچھ علاقہ نہیں، مگر دیکھون کیا گفتگو درمیان آتی ہو ۰۰ (۲)

اگر میرزا صاحب کے پیش نظر گورنمنٹ سے صفائی نہوتی تو یہ جاتے ہوئے کہ یو۔ پی کے گورنر کو دلی سے کچھ واسطہ نہیں سرکار کیساتھ مراد آباد جانیکا تہیا نہ کرتے۔

دلی سی روانگی

میرزا صاحب نے ارادہ کیا کہ آخر جمادی الثانیہ میں دلی روانا ہون، اور رجب المرجب کا چاند رامپور آکر دیکھین۔ حسین مرزا صاحب کو سہ شنبہ ۳۱ دسمبر سنہ ۵۹ ع کو لکھتے ہین:

رامپور زندگی میں میرا مسکن اور بعد مرگ میرا مدفن ہولیا۔ جب تم لکھو ہو کہ وہ تم وہاں جاؤ! تو مجھکو ہنسی آتی ہو۔ میں یقین کرتا ہون کہ ہلال ماہ رجب المرجب رامپور میں دیکھون ۰۰ (۳)

اس خط کی تحریر سے ۱۹ دن کے بعد میرزا صاحب دلی سے روانا ہوئے .
دلی سے روانگی کی تاریخ کا ذکر متعدد خطوط میں پایا جاتا ہے . مثلاً خواجہ
غلام غوث خان بہادر بینخبر کو بھجلا لکھ دیا ہے کہ

• جب جنوری سنہ ۱۸۶۰ میں گورنمنٹ سی وہ جواب پایا کہ جو اوپر لکھ آیا ہوں تو میں
آخر جنوری میں رامپور گیا . (۱)

رامپور سے واپس جا کر منشی شیونرین کو مہینے کیساتھ تاریخ بھی لکھی ہے .
فرماتے ہیں :

۱۹ یا ۲۰ جنوری سنہ ۱۸۶۰ کتاب اور دونوں عرضیان ولایت کو روانہ کر کے رامپور گیا ہوں . (۲)

لیکن آخر عمر میں میرزا صاحب کا حافظہ خراب ہو گیا تھا ، اسلئے
اونہیں صحیح تاریخ یاد نہیں رہی . دراصل وہ ۱۹ جنوری سنہ ۶۰ ع کو
دلی سے روانا ہوئے تھے . چنانچہ ۲۱ جنوری کو میرٹھ پہنچ کر مرزا تفتہ
کو لکھا ہے :

• بھائی ! میں نے دلی کو چھوڑا ، اور رامپور کو چلا . پنجشنبہ ۱۹ کو مرادنگر اور جمعہ ۲۰ کو
میرٹھ پہنچا . آج شنبہ ۲۱ کو بھائی مصطفیٰ خان کو کچھ سی مقام کیا . یہاں سے یہ خط تمکو لکھ کر
بھيجا . کل شاہجہان پور پرسون گڈہ مکٹیشہر رھونگا . پھر مرادآباد ہوتا ہوا رامپور جاؤنگا . (۳)

اسی تاریخ کو حکیم غلام نجف خان کو لکھتے ہیں :

• میان ! میں تم سے رخصت ہو کر اوسدن مرادنگر میں رہا . دوسری دن ، یعنی جمعہ کو ، میرٹھ
پہنچا . نواب مصطفیٰ خان نے ابکدن رکھ لیا . آج شنبہ ۲۱ جنوری یہاں مقام می . نوج گئی ہیں .
بیٹھا ہوا یہ خط لکھ رہا ہوں . مفت کا کھانا می . خوب پیٹ بھر کر کھاؤنگا . کل شاہجہانپور ،
پرسون گڈہ مکٹیشہر ، رھونگا . مرادآباد سے پھر تمکو خط لکھونگا . (۴)

ان تمام تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعرات کے دن صبح کیوقت ۱۹ جنوری
سنہ ۶۰ ع کو میرزا صاحب دلی سے روانا ہوئے .

اخفای حال

روانگی سے پہلے میرزا صاحب نے کسی مصالحت کے ماتحت مختلف
اصحاب سے مختلف مقامات کے سفر کا اظہار کیا تھا . لیکن میرٹھ پہنچ کر اخفا

دیا جا

کی ضرورت نہ سمجھی، اور وہیں سے حکیم غلام نجف خان کو لکھا:

• ہاں بھائی! میں از روی مصلحت اپنی مقامات مختلف کا عزم کہ آیا ہوں۔ اب جو شخص تم سے پوچھا کری اوس سے پردہ نہ کرنا اور صاف کہدینا کہ رامپور کو گیا ہو۔ یعنی سب کو معلوم ہو جائی، اور کوئی تذبذب میں نہ ہو۔ (۱)

اس مکتوب میں میرزا صاحب نے اوس مصلحت کو ظاہر نہیں کیا، جو مقام سفر کے اخفا کی بنا تھی۔ لیکن قیاس یہ چاہتا ہے کہ کسی سیاسی مصلحت سے ایسا کیا ہوگا۔ جو کم از کم یہ ہو سکتی ہے کہ اوس وقت تک گورنمنٹ نے میرزا صاحب کی بریت تسلیم نہیں کی تھی، اور انہیں غدر کے بعد سفر کا پہلا اتفاق تھا، اسلئے یہ خطرہ لاحق ہوا ہوگا کہ کہیں رامپور جانے سے روک نہ دیا جاؤں، یا یہ کہ کوئی حاسد سرکار کو یہ نہ لکھ دے کہ میرزا صاحب گورنمنٹ کی نظر میں ابھی مشتبہ ہیں، انہیں اپنی ریاست میں نہ آنے دیجئے۔

منازل سفر

۱۹ جنوری کی صبح کو دلی سے روانا ہو کر میرزا صاحب نے شام کو مرادنگر میں قیام کیا۔ دوسرے دن جمعہ کو میرٹھ پہنچے۔ وہاں ایکدن نواب مصطفیٰ خان بہادر شیفہ کے ہاں ٹہر کر اتوار کو شاہجہانپور اور پیر کو گڑھ مکئیسر میں اترے۔ یہاں سے مراد آباد تک کی منازل کا پتہ نہیں، جو منگل اور بدھ دو دن میں طے کی گئی ہونگی۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ آخری منزل مراد آباد تھی۔ یہ تمام تفصیل مرزا تفتہ اور حکیم غلام نجف خان کے نام کے مکاتیب میں ابھی گزر چکی ہے۔

رفقائ سفر

اس سفر میں زین العابدین خان عارف مرحوم کے دونوں لڑکے، باقر علیخان اور حسین علیخان، عنایت اللہ خادم، اور ایک دو اور ملازم میرزا صاحب کے ہمراہ تھے۔ لڑکوں کا ذکر متعدد خطوط میں کیا گیا ہے۔ یہاں صرف اوس خط کا اقتباس کافی ہوگا، جس میں تمام ہمراہیوں

کا ذکر ہے۔ میرزا صاحب حکیم غلام نجف خان کے خط کے آخر میں لکھتے ہیں :

”لڑک بھی تدرست۔ آدمی بھی توانا۔ مگر ہاں ایک غایت اللہ دو دن می کچھ بیمار ہو۔ خیر اچھا ہو جائیگا۔“ (۱)

ورد رامپور کی تاریخ

غالباً میرزا صاحب جمعرات کے دن مراد آباد پہنچے، اور وہاں رات کو آرام کر کے دوسرے دن جمعہ کو رامپور وارد ہوئے۔ جمعہ ۳ فروری کو رامپور سے حکیم غلام نجف خان کو لکھتے ہیں :

”آج تک، کہ جمعہ آٹھواں دن میری پہنچ کو ہو، کچھ کلام نہیں ہوا۔“ (۲)

اس سے صرف اسقدر معلوم ہوتا ہے، کہ میرزا صاحب جمعہ کے دن رامپور پہنچے۔ لیکن مرزا تفتہ اور حکیم غلام نجف خان کو میرٹھ سے جو خطوط لکھے ہیں اون میں میرزا صاحب نے جمعہ کو ۲۰ اور شنبہ کو ۲۱ جنوری تاریخ تحریر کی ہے۔ اس حساب سے جس جمعہ کو میرزا صاحب نے سرزمین رامپور پر قدم رکھا، ۲۷ جنوری سنہ ۶۰ ع تاریخ انگریزی ہونی چاہیے۔

قبائگاہ

رامپور پہنچکر میرزا صاحب نے سرکار کی خاص کوٹھی میں قیام کیا۔ لیکن لڑکے میرزا صاحب کیساتھ آئے تھے، اسلئے یہاں چار دن گزارنے کے بعد از روی احتیاط جداگانہ مکان کی خواہش کی۔ سرکار نے ایک مکان، جو تین چار حویلیوں پر مشتمل تھا، قیام کیلئے عطا فرمایا۔ میرزا صاحب نے تفتہ کے پتہ کے استفسار پر جو خط لکھا ہے اوس میں فرماتے ہیں :

”پہل پہ تو بتاؤ کہ رامپور میں مجھ کو کون نہیں جانتا۔ کہاں مولوی وجیہ الزمان صاحب کہاں میں۔ اونکا مسکن میری مسکن می دور۔ پھر در دولت رئیس کہاں اور میں کہاں۔ چار دن والی شہر تو اپنی کوٹھی میں اوتارا۔ میں تو مکان جداگانہ مانگا۔ دو تین حویلیاں برابر برابر مجھ کو عطا ہوئیں۔ اب اس میں رہتا ہوں۔ بحسب اتفاق ڈاک گھر مسکن کو پاس ہو۔ ڈاک منشی آشنا ہو گیا ہو۔ برابر دلی سو خط چل آتی ہیں۔ صرف رامپور کا نام اور میرا نام۔ محلہ کی اور

عرف کی حاجت نہیں۔ بلکہ در دولت اور مولوی صاحب کی نشان می شاید خط تلف ہو جاؤ۔ (۱)

حکیم غلام نجف خان کو لکھا ہے:

• مکان کا پتہ ضرور نہیں۔ ڈاک گھر میری گھر کی پاس۔ ڈاک منشی میرا آشنا۔ ایک

مکان، کہ وہ تین چار مکانوں پر مشتمل ہو، رہتی کو ملا ہی۔ (۲)

میر مہدی کو تحریر کیا ہے:

• تمہارا خط پہنچا۔ تردد عبث۔ میرا مکان ڈاک گھر کی قریب اور ڈاک منشی میرا دوست ہو۔ (۳)

مکان کی تحقیق

حقیر عرشی نے بزرگانِ شہر سے تحقیق کی کہ اوس زمانہ میں ڈاکخانہ کس محلہ میں تھا، تو معلوم ہوا کہ محلہ راجدوارہ کی اوس شاہراہ پر، جو خاص باغ پبلس کو جاتی ہے، مولوی محمد یحیٰ صاحب وکیل کے مکان میں ڈاکخانہ واقع تھا، اور میرزا صاحب نے اوسکے متصل مکان میں قیام کیا تھا۔ اس مکان میں آجکل ایک آہنگر مقیم ہے۔ چونکہ یہ مکان اردو ادب کے نیرِ رخشان کا فرودگاہ رہ چکا ہے، اسلئے عالی رتبہ صاحب چیف منسٹر بہادر کے حساباً حکم اسپر پتھر کا کتبہ لگایا جا رہا ہے۔

مہانداری

میرزا صاحب کیلئے ابتداء سرکاری باورچیخانہ سے کھانا آتا رہا۔ چنانچہ

حکیم غلام نجف خان کو لکھتے ہیں:

• کھانا دونوں وقت سرکار می آتا ہو، اور وہ سب کو کافی ہوتا ہو۔ غذا میری بھی خلاف

طبع نہیں۔ (۲)

میر مہدی کے خط میں بھی سرکاری مہانداری کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

• یہاں کا حال سبطر خوب ہو، اور صحت مرغوب ہو۔ اسوقت تک مہان ہون۔ (۳)

لیکن چند دن کے بعد کھانے کے سو روپیہ ماہوار مقرر کر دیے گئے۔ دلی جا کر

میرزا صاحب نے میر مہدی کو لکھا ہے:

• اب جو میں وہاں گیا تو سو روپیہ مہینا بنام دعوت اور دیا۔ یعنی رامپور رہون تو دو

سو روپیہ مہینا پاؤں، اور دلی رہون تو سو روپیہ۔ (۴)

آب و ہوائِ رامپور

رامپور کی آب و ہوا میرزا صاحب کے مزاج کے موافق ثابت ہوئی۔
آمدِ رامپور کے ۸ دن بعد حکیم غلام نجف خان کو لکھا ہے :

• پانی کا شکر کس منہ سے ادا کروں ۔ ایک دریا ہی کوسی ۔ سبحان اللہ ! اتنا میٹھا پانی کہ
پینے والا گمان کری کہ یہ پھیکا شربت صاف ہی ۔ سبک ، گوارا ، ہاضم ، سریع التفوذ ۔
اس آئمہ دن میں قبض و انقباض کے صدی سے محفوظ ہوں ۔ صبح کو بھوک خوب لگتی ہی ۔
لڑکے بھی تسدرست ۔ آدمی بھی توانا ۔ مگر ہاں ایک عنایت اللہ دو دن سے کچھ بیمار ہی ۔
خیر اچھا ہو جائیگا ۔ (۱)

رامپور ہی سے میر مہدی مجروح کو تحریر کیا ہے :

• یہ رامپور ہی ۔ دارالمرور ہی ۔ جو لطف یہاں ہی ۔ وہ اور کہاں ہی ۔ پانی سبحان اللہ !
شہر سے تین سو قدم پر ایک دریا ہی ، اور کومی اوسکا نام ہی ۔ بڑے شبہ چشمہ آب حیات
کی کوئی سوت اوس میں ملی ہی ۔ خیر اگر یوں بھی ہی ، تو بھائی آب حیات عمر بڑھانا
ہی ۔ اتنا شیریں کہاں ہوگا ۔ (۲)

ملاقات اور تعظیم و توقیر

نواب فردوس مکان کا اخلاق میرزا صاحب کی امید کے مطابق ثابت
ہوا ۔ سرکار نے ہر وقت ملاقات احباب کی طرح معافہ کیا ، اور احباب میں
تعظیم و توقیر کی جو رسم ہے اوسکو ملحوظ رکھا ۔ میرزا صاحب نے خود
نذر پیش کرنے کے عوض دونوں لڑکوں سے نذر دلوائی ۔ سرکار کے اس برتاؤ
کے بارے میں میرزا صاحب میر مہدی مجروح کو لکھتے ہیں :

• تعظیم و توقیر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہی ۔ (۳)

بعد ازان دلی جا کر لکھا ہے :

• ملاقات بھی دوستانہ رہی ۔ معافہ و تعظیم جس طرح احباب میں رسم ہی ۔ وہ صورت
ملاقات کی ہی ۔ لڑکوں سے میں نے نذر دلوا دی تھی ۔ بس ۔ (۳)

اسی سلسلہ میں رامپور سے حکیم غلام نجف خان کو تحریر کیا ہے :

• اب میرا حال ستر ۔ تعظیم و توقیر بہت ۔ ملاقاتیں تین ہوئی ہیں ۔ (۱)

ابھی گفتگو نہیں ہوئی

اگرچہ نواب فردوس مکان نے جولائی سنہ ۱۰۵۹ء سے میرزا صاحب کو سو

روپیہ ماہوار بطور امداد عطا فرمانا شروع کر دیے تھے، جو انہیں بذریعہ ہندوی ماہ بماء ارسال ہوا کرتے، لیکن جب میرزا صاحب رامپور تشریف لائے، اور چند روز تک خدمت اور معاوضہ کے بارے میں سرکار سے بالمشافہ گفتگو نہیں ہوئی، تو انہیں مختلف خطرات پیدا ہوئے۔ خدمت اور در ماہہ کے خطرہ کو حکیم غلام نجف کے نام کے مکتوب میں اسطرح ظاہر کیا ہے:

• ہنوز کچھ گفتگو درمیان نہیں آئی۔ میں خود اون سے ابتدا نہ کرونگا۔ وہ بھی مجھ سے بالمشافہ نہ کہیں گی۔ مگر بواسطہ کارپردازان سرکار دیکھوں کیا کچھ ہیں، اور کیا مقرر کرتے ہیں۔ (۱)

یہ خط ۳ فروری کو لکھا گیا تھا۔ اسکے بعد ۱۴ فروری کو پھر لکھتے ہیں:

• بیان کا رنگ نواب صاحب کی آئی پر جو ہوگا، اور جو قرار پائے گا، وہ مفصل تمکو لکھونگا۔ (۲)

میر مہدی مجروح کو بھی دبے الفاظ میں لکھا ہے:

• اسوقت تک مہانت ہوں۔ دیکھوں کیا ہوتا ہے۔ (۳)

رامپور کی اقامت کے خطرہ کو مرزا تفتہ کے خط میں ظاہر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

• دوسری بات جو تم نے لکھی ہو وہ بھی مطابق واقع و مناسب حال نہیں۔ اگر اقامت قرار پائی تو تمکو بلاونگا۔ (۴)

۱۴ فروری کو مرزا تفتہ کے خط کے جواب میں پھر لکھا ہے:

• میری جان! آخر لڑکی ہو۔ بات کو نہ سمجھو۔ میں اور تفتہ کا اپنی پاس ہونا غنیمت نہ جانوں۔ میں نے یہ لکھا تھا کہ بشرط اقامت بلاونگا۔ اور پھر لکھتا ہوں کہ اگر میری اقامت یہاں کی ٹھہری تو بی تمہاری نہ ہونگا۔ نہ رہونگا۔ زہار نہ ہونگا۔ (۵)

سہ بارہ یکم مارچ کو تحریر کرتے ہیں:

• بالفعل نواب لفٹنٹ گورنر بہادر مراد آباد اور وہاں سے رامپور آئیں گی۔ بعد اونکی جانبی کوئی طور اقامت یا عدم اقامت کا ٹھہریگا۔ منظور ہوگی یہ ہو کہ اگر بیان رہنا ہوا تو فوراً تمکو بلاونگا۔ (۶)

تین خدمت و اقامت

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آخر کار یہی طے پایا کہ میرزا صاحب رامپور کی اقامت اختیار کرنے پر مجبور نہیں ہیں۔ جہاں مزاج چاہے رہیں۔ سرکار

(۱) اردوی مہلی، ص ۲۲۸ (۲) ایضاً، ص ۲۳۰ (۳) ایضاً، ص ۱۶۹

(۴) ایضاً، لاہور ایڈیشن، ص ۲۷۲ (۵) ایضاً، ص ۷۳ (۶) ایضاً، ص ۸۶

کے کلام پر اصلاح دیدیا کرین۔ البتہ رامپور آکر رہینگے تو دعوت کے سو روپیے ماہوار مزید عطا ہونگے، اور دلی رہینگے تو صرف سو روپیہ تنخواہ ملیگی۔ اس تصفیہ کے متعلق میرزا صاحب نے میر مہدی مجروح کو لکھا ہے:

• قرار داد یہ ہو کہ نواب صاحب جولائی سنہ ۱۸۵۹ء سے، کہ جسکو یہ دسواں مہینا ہی، سو روپیہ بھر ماہ بجا بھیجتے ہیں۔ اب جو مین وہاں گیا، تو سو روپیہ مہینا نام دعوت اور دیا۔ یعنی رامپور رہوں تو دو سو روپیہ مہینا پاؤں، اور دلی رہوں تو سو روپیہ۔ بھائی سو دو سو مین کلام نہیں۔ کلام اس مین ہو کہ نواب صاحب دوستانہ و شاگردانہ دیتے ہیں۔ ... بہر حال غنیمت ہو۔ رزق کو اچھی طرح ملو کا شکر چاہی۔ کمی کا شکوہ کیا۔ (۱)

مرزا تفتہ کو تحریر کیا ہے:

• وہ سو روپیہ مہینا یہاں رہوں وہاں رہوں خدا کو ہاں سی میرا مقرر ہو۔ (۲)

قاضی عبدالجلیل صاحب بریلوی کو بھی یہی لکھا ہے کہ

• حق تعالیٰ والی رامپور کو صد و سی سال سلامت رکھی۔ اونکا عطیہ ماہ بجا بھکر پہنچتا ہو۔ کرم گستری اور استاد پروری کر رہی ہیں۔ میری رنج سفر اونٹھاؤ کی اور رامپور جانیکی حاجت نہیں۔ (۳)

نواب علاء الدین احمد خان بہادر علائی کو قدرے تفصیل سے لکھتے ہیں:

• واہ کیا کہنا ہو۔ رامپور کو علاقہ کو گاؤشنگ اور بھکو بیل، یا اوس پیوند کو طغہ کو نازیباہ اور بھکو گھوڑا بنایا۔ وہ علاقہ اور وہ پیوند لوہارو کے سفر کا مانع و مزاحم کیوں ہو۔ رئیس بکطرف سی بطریق وکیل محکمہ کشنری مین معین نہیں ہوں۔ جس طرح امرا واسطی فقرا کو وجہ معاش مقرر کر دیتے ہیں اس طرح اس مرکز میں میری واسطی مقرر ہو۔ ہاں فقیر میں دہائی خیر اور مجھ میں اصلاح نظم مطلوب ہو۔ چاہوں دلی رہوں چاہوں اکبر آباد۔ چاہوں لاہور چاہوں لوہارو۔ (۴)

لڑکوں کی شرارت

رامپور کی آب و ہوا کی موافقت مزاج اور سرکار کی تعظیم و توقیر کے باعث میرزا صاحب زیادہ عرصہ قیام کرنا چاہتے تھے۔ لیکن باقر علیخان اور حسین علیخان ساتھ تھے۔ میرزا صاحب نے انکا دل بہانے کے خیال سے طفلانہ کھیل کود کے تمام لوازمات مہیا کر دیئے تھے۔ اسپر بھی یہ برابر انکے

(۱) اردو معلیٰ، ص ۱۶۲ (۲) ایضاً، ص ۵۴ (۳) ایضاً، ص ۲۱۱

(۴) ایضاً، ص ۴۰۳

سکون و آرام میں خلل ڈالتے رہتے تھے۔ چنانچہ ۱۴ فروری کو میرزا صاحب حکیم غلام نجف خان کو لکھتے ہیں:

”لوگوں دونوں اچھی طرح میں۔ کبھی میرا دل بہلاؤ میں۔ کبھی جھکو ستاؤ میں۔ بکریان، کبوتر، بٹیرین، نکل، ککوا سب سامان درست ہو۔ (۱)“

اپنے ارادۂ قیام اور انکی شرارت کے متعلق یوسف مرزا صاحب کو تحریر کرتے ہیں:

”جھکو لوگوں نے بہت تنگ کیا۔ ورنہ چند روز اور رامپور میں رہتا۔ (۲)“

میر مہدی مجروح کو لکھا ہے:

”لوگوں کو ساتھ لگیا تھا۔ وہاں اونہوں نے میرا ناک میں دم کر دیا۔ تنہا بھج دینی میں وم آیا، کہ خدا جاؤ اگر کوئی امر حادث ہو تو بدنامی عمر بھر رہو۔ اس سب سے جلد چلا آیا۔ ورنہ گرمی برسات وہاں کاٹتا۔ اب بشرط حیات جریدہ بعد برسات جاؤنگا، اور بہت دنوں تک یہاں نہ آؤنگا۔ (۳)“

دلی کو واپسی

لوگوں کی شرارت سے تنگ آکر میرزا صاحب نے برسات تک کے ارادۂ قیام رامپور کو فسخ کر دیا۔ سرکار نے ہر چند روکا اور آموں کا لالچ دیا، لیکن میرزا صاحب نہ روکے اور آخر مارچ مطابق آخر شعبان میں دلی کو روانہ ہو گئے۔ رامپور سے روانگی کی تاریخ بھی میرزا صاحب نے متعدد خطوط میں تحریر کی ہے۔ قاضی عبد الجلیل صاحب بریلوی کو لکھتے ہیں:

”سال گزشتہ اندون میں میں رامپور تھا۔ مارچ سنہ ۶۰ ع میں یہاں آگیا ہوں۔ (۴)“

مرزا تفتہ کو لکھتے ہیں:

”میان میں جو آخر جنوری کو رامپور جا کر آخر مارچ میں یہاں آگیا ہوں، تو کیا کہوں کہ یہاں کو لوگ میری حق میں کیا کیا کچھ کہتے ہیں۔ (۵)“

میر مہدی مجروح کو تحریر کرتے ہیں:

”میر مہدی! تم میری عادات کو بھول گئی۔ ماہ مبارک رمضان میں کبھی مسجد جامع کی تراویح ناغہ ہوتی ہو۔ میں اس مہینے میں رامپور کیونکر رہتا۔ نواب صاحب مانع رہو، اور بہت منع

کرتو رہو . برسات کی آموں کا لالچ دیتو رہو . مگر بھائی میں ایسی انداز سی چلا کہ
چاند رات کی دن یہاں آہنچا . یکشنبہ کو غرہ ماہ مقدس ہوا . (۱)

میر غلام حسنین قدر بلغرامی کو سہ شنبہ ۱۳ مارچ سنہ ۶۰ ع کو لکھا ہے :
• اب جو خط بھیجی دلی کو بھیجی گا ، کہ میں اس مہینے میں اودھر کو جاؤنگا . رویت ماہ
صیام اغلب ہو کہ دلی ہی میں ہو . (۲)

ان خطوط سے صرف اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب آخر شعبان
سنہ ۱۲۷۶ ھ مطابق آخر مارچ سنہ ۱۸۶۰ ع میں رامپور سے روانا ہو کر ۳۰
شعبان کو دلی پہنچے ، اور وہاں پہنچکر رمضان المقدس کا چاند دیکھا . لیکن
انگریزی و ہجری تاریخیں ابھی متعین نہیں ہوئی تھیں . انگریزی تاریخ کے بارے
میں منشی شیونرائن کو رامپور سے لکھتے ہیں :
• اب میں شنبہ کی دن ۱۷ مارچ کو دلی روانا ہوئگا . (۳)

یوسف مرزا صاحب کو ۹ رمضان مطابق ۲ ماہ اپریل کو ہجری تاریخ کے متعلق
تحریر کیا ہے :

• میں ۲۳ شعبان کو رامپور سی چلا اور ۳۰ شعبان کو دلی پہنچا . اوسی دن چاند ہوا . (۴)
میرزا صاحب نے اس خط میں رمضان کی نوین تاریخ کو اپریل کی دوسری تاریخ
کے مطابق لکھا ہے ، اور یہ بھی بتایا ہے کہ اوس سال رمضان کا چاند ۳۰ کا ہوا
تھا . اس حساب سے ۲۳ شعبان سنہ ۱۲۷۶ ھ ۱۷ مارچ سنہ ۱۸۶۰ ع کے مطابق ،
اور ۳۰ شعبان سنہ مذکورہ ۲۴ مارچ سنہ ۶۰ ع کے مطابق ہوگی . لہذا میرزا
صاحب کی رامپور سے روانگی کی تاریخ ۲۳ شعبان سنہ ۷۶ ھ مطابق ۱۷ مارچ
سنہ ۶۰ ع اور دلی میں ورود کی تاریخ ۳۰ شعبان سنہ ۷۶ ھ مطابق ۲۴ مارچ
سنہ ۶۰ ع قرار پاتی ہے .

کل مدت قیام

میرزا صاحب کے بعض خطوط میں رامپور کے قیام کی کل مدت کا بھی

(۲) ایضاً ، ص ۴۰۶ ، لاہور ایڈیشن

(۴) ایضاً ، ص ۳۴۸

(۱) اردوی معلی ، ص ۱۶۱

(۳) اردوی معلی ، ص ۳۸۰

ذکر آیا ہے۔ لیکن وہ تخمینی ہے۔ خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر کو لکھتے ہیں:

«میں آخر جنوری میں رامپور گیا۔ چھ سات ہفتہ وہاں رہ کر دلی آیا۔» (۱)

مرزا تفتہ کو لکھتے ہیں:

«نواب یوسف علیخان بہادر... بلاقرہم تھے۔ اب میں گیا۔ دو مہینے رہ کر چلا آیا۔» (۲)

نواب علاء الدین احمد خان بہادر علائی کو تحریر فرماتے ہیں:

«سال گزشتہ بیڑی کو زاویۂ زندان میں چھوڑ مع دونوں متکڑیوں کے بھاگا۔ میرٹھ، مراد آباد

ہوتا ہوا رامپور پہنچا۔ کچھ دن کم دو مہینے وہاں رہا تھا کہ پھر پکڑا آیا۔ اب عہد کیا کہ

پھر نہ بھاگوں گا۔» (۳)

ان خطوط میں «چھ سات ہفتے، کچھ دن کم دو مہینے» اور «دو ماہ، تین مختلف بیان ملتے ہیں۔ ان میں سے «کچھ دن کم دو مہینے» صحیح ہے، اسلئے کہ میرزا صاحب ایک ماہ بیس یوم رامپور میں رہے تھے۔

رامپور میں عدیم الفرستی

قیام رامپور کے زمانہ میں میرزا صاحب اسقدر عدیم الفرست رہے، کہ اکثر احباب کے محبت ناموں کا ہر وقت جواب تک نہ دیسکے۔ ایک خط میں اسکی وجہ تحریر فرماتے ہیں:

«از بسکہ بیان کے حضرات مہربانی فرماتے ہیں اور ہر وقت آتی ہیں، فرصت مشاہدہ اوراق

نہیں ملی۔» (۴)

واپسی پر دلی میں چہ میگوئی

میرزا صاحب نے دلی سے روانا ہوتے وقت اپنا صحیح ارادہ سفر ظاہر نہیں کیا تھا۔ جب یہ رامپور سے واپس دلی پہنچے تو حساد نے اس اخفا کا انتقام لیا، اور شہر میں واپسی پر خوب خوب رای زنی کی گئی۔ میرزا صاحب کو اس رای زنی سے سخت ذہنی اذیت پہنچی، اور اونہوں نے شکایت آمیز لہجے میں مرزا تفتہ کو لکھا:

«میان میں جو آخر جنوری کو رامپور جا کر آخر مارچ میں بیان آگیا ہوں تو کیا کہوں کہ

(۲) ایضاً، ص ۵۴

(۱) اردوی معلیٰ، ص ۲۸۳

(۴) اردوی معلیٰ، ص ۷۳

(۳) ایضاً، ص ۴۰۰، وعود، ص ۷۰

مکاتیب غالب

یہاں تک لوگ میری حق میں کیا کیا کچھ کہتے ہیں۔ ایک گروہ کا قول یہ ہو کہ یہ شخص والی رامپور کا استاد تھا، اور وہاں گیا تھا۔ اگر نواب نے کچھ سلوک نہ کیا ہوگا تو بھی پانچ چار ہزار روپیہ سے کم ندیا ہوگا۔ ایک جماعت کہتی ہو کہ نوکری کو گنتی تھی مگر نوکر نہ رکھا۔ ایک فرقہ کہتا ہو کہ نواب نے نوکر رکھ لیا تھا۔ دو سو روپیہ مہینا کر دیا تھا۔ لفٹنٹ گورنر الہ آباد جو رامپور آئے، اور اونکو غالب کا وہاں ہونا معلوم ہوا، تو اونہوں نے نواب صاحب سے کہا کہ اگر ہماری خوشنودی چاہتی ہو تو اسکو جواب دو۔ نواب نے برطرف کر دیا۔ (۱)

یہ تو اربابِ دہلی کی آرا تھیں۔ لیکن انکی نقل کے بعد میرزا صاحب نے تفتہ کو اصل حقیقت بتائی ہے۔ فرماتے ہیں:

”یہ تو سب سن لیا۔ اب تم اصل حقیقت سنو۔ نواب یوسف علی خان بہادر تیس تیس برس کی میری دوست اور پانچ چھ برس سے میری شاگرد ہیں۔ آگے گاہ گاہ کچھ بھج دیا کرتے تھے۔ اب جولائی سنہ ۱۸۵۹ء سے سو روپیہ مہینا ماہ بھجوتے ہیں۔ بلاؤ رہتے تھے۔ اب میں گیا۔ دو مہینے رہ کر چلا آیا۔ بشرط حیات بعد برسات کی پھر جاؤنگا۔ وہ سو روپیہ مہینا، یہاں رہوں وہاں رہوں، خدا کی ہاں میں میرا مقرر ہو۔“ (۱)

نواب فردوس مکان کی علالت اور میرزا صاحب کا تردد

ماہ اکتوبر سنہ ۶۴ع کے آخر یا نومبر کے آغاز میں نواب فردوس مکان عارضۂ سرطان میں مبتلا ہوئے۔ میرزا صاحب کو کسی ذریعہ سے اسکی اطلاع ملی، تو انہیں اپنے سخی داتا شاگرد کی علالت سے سخت تردد لاحق ہوا۔ چونکہ نواب صاحب مرزا صاحب کے پورے خاندان کے مربی تھے اسلئے میرزا صاحب کی بی بی اور حسین علیخان بھی پریشانی کا شکار ہونے سے نہ بچے۔ مگر اسوقت تک میرزا صاحب کو یہ معلوم نہو سکا تھا کہ سرکار کو مرض کیا لاحق ہوا ہے۔ اس امر کی تحقیق کیلئے اونہوں نے ۸ نومبر سنہ ۶۴ع کو انتہائی احتیاط کیساتھ تحریر کیا:

”جب میں حضرت کی ناسازی مزاج مبارک کا حال خارج سے مسموع ہوا ہو، عالم الغیب گواہ ہو، کہ مجھ پر اور میری بی بی پر اور میری فرزند حسین علیخان پر کیا گزر رہی ہو۔ ایکدن رات میری گھر میں روٹی نہیں پکی۔ سب نے فاقہ کیا۔ باری وہ خبر وحشت اثر غلط نکلی۔ حواس ٹھکانہ ہوئے۔ بالکل اطمینان جب ہوگا، کہ آپکو غسل صحت کی نوید سنونگا،“

اور قطعہ تاریخ غسل صحت لکھکر بھیجوںگا۔ فی الحال اتنا چاہتا ہوں کہ اس خط کا جواب پاؤں اور حقیقت مرض سی آگہی حاصل ہو۔ (۱)

۱۲ نومبر کو سرکار کا نامہ مبارک میرزا صاحب کو موصول ہوا۔ غالباً اوسمین نوعیت و کیفیت مرض کا ذکر نہ تھا، جس سے کسیقدر اطمینان ہوا۔ لیکن ابھی تشویش رفع نہوئی تھی، اسلئے اسکے جواب میں ۱۳ نومبر کو میرزا صاحب نے پھر لکھا:

وابتدای یکم نومبر سی ۱۱ تک عرض نہیں کر سکتا کہ لیل و نہار مجھ پر کیسی گزری ہیں۔ ”راہ دور۔ میں رنجور۔ معذرا بیفقدور۔“ اگر دل سی راپور تک شکر م کی ڈاک جاتی ہوتی، تو میں بیان ایک دم نہ ٹھرتا، اور خدمت میں حاضر ہوتا۔ تازہ برقی بھی نہیں جو صحت و عافیت کی خبر جلد حاصل ہو۔ ناچار از راہ اضطرار ۸ ماہ حال یعنی نومبر کو عریضہ روانا کیا۔ خدا کی عنایت اور مرشد کامل یعنی حضرت کی ہدایت فی اوس خط کی جواب آنیکی مدت سی پہلے مجھ پر گرداب اضطراب سی نکالا۔ کل ۱۲ نومبر کو نواز شامہ آگیا۔ گویا میری جان بچ گئی۔ بلکہ ایک اور نئی جان میری بدن میں آگئی۔ اب استدعا یہ ہو کہ حال ناسازی مزاج اقدس مفصل معلوم ہو۔ (۲)

اس عریضہ کے جواب میں ۱۹ نومبر کو سرکار نے تحریر فرمایا کہ ”پھوڑا نکل آیا تھا، لیکن اب بحمد اللہ آفاقہ ہے۔“ میرزا صاحب اس خبر سے ییحد مسرور ہوئے، اور ۲۷ نومبر کو اسکے جواب میں لکھا:

”کس زبان سی کہوں، اور کس قلم سی لکھوں کہ یہ ہفتہ عشرہ کس تردد و تشویش سی بسر ہوا ہو۔ ہر روز شام تک جانب در نگران رہتا، کہ ڈاک کا ہرکارہ آؤ، اور حضرت کا نواز شامہ لاؤ؟“ باری خدا کی مہربانی ہوتی، از سر نو میری زندگانی ہوتی، کہ کل چار گھڑی رات گئی ڈاک کی ہرکارہ فی وہ عطوفت نامہ عالی دیا، ”جسکو پڑھکر روح تازہ رگ و پد میں دوڑ گئی۔“ نیند کیسی؟ سونا کسکا؟ روشنی کی سامنی بیٹھا، اور اشعار تہنیت لکھو لگا۔“ سات شعر مع مادہ حصول صحت جب لکھ لئو تب سویا۔ (۳)

غسل صحت کی تہنیت

سرکار کے خط سے صحت و آفاقہ مرض کی اطلاع ملگئی، لیکن یہ معلوم نہوسکا کہ غسل صحت ہوچکا ہے یا نہیں۔ اور بصورت دیگر کونسی تاریخ اس تقریب سعید کیلئے مقرر ہوتی ہے۔ اس تحقیق کیلئے میرزا صاحب

نے منشی سیلچند میر منشی کو ۲۵ دسمبر کو لکھا:

• اگرچہ از روی خطوط حضور صحت و عافیت حضور معلوم ہوئی ہو . لیکن یہ کہیں می
نہیں سنا کہ غسل صحت کیا ، یا کس دن کرینگے . آپ می یہ فقیر کا سوال ہو ، کہ جھکو لکھو
کہ حضرت غسل کس دن فرمائینگے . اور اگر موافق میری آرزو کے نہاچکے ہوں تو غسل کی تاریخ
می اطلاع دیجو . (۱)

میر منشی صاحب نے جواباً لکھا کہ ابھی غسل صحت نہیں فرمایا ہے . غالباً
رمضان مبارک میں یہ تقریب عمل میں آئیگی . میرزا صاحب کو ۱۴ جنوری
سے قبل سرکار کا نامہ صحت ملچکا تھا . نیز وہ اس عرصہ میں قصیدہ تہنیت
بھی ارسال کرچکے تھے . اسلئے التوائ تاریخ غسل پر ۱۹ جنوری سنہ ۱۸۶۵ ع
کو پھر میر منشی صاحب کو لکھا:

• یہ جو میں نے قصیدہ تہنیت لکھکر بھیجا ہو ، منشا اسکا یہ ہو کہ شاہ کبیر الدین صاحب
رامپور می آؤ ، اور اونہوں نے کہا کہ نوابصاحب جمعہ کے دن ساتویں تاریخ شعبان کو
نہائینگے . اب تمہاری تحریر می معلوم ہوا ، کہ ماہ آئندہ یعنی (رمضان) میں نہائینگے . خیر
وہ کاغذ تو حضور کی نظر می گزرےگا . اگر موقع پاؤ تو حضور میں یہ ماجرا عرض کردینا
کہ میں نے بموجب روایت شاہ کبیر الدین کے اسکو ارسال میں جلدی کی ہو . (۲)

غسل صحت کا جشن ماہ عید میں منایا جانا تجویز ہوا . لیکن ابھی مرض
قدرے باقی تھا ، اور رامپور سے جسقدر سرکاری تحریریں جاتی تھیں اون میں
مزاج کی کیفیت کا مذکور نہیں ہوتا تھا . اسلئے میرزا صاحب نے ۱۴ مارچ
سنہ ۶۵ ع کو میر منشی صاحب سے پھر استفسار کیا:

• منشی صاحب ! عجب اتفاق ہو کہ حضور اپنی خط میں اپنی مزاج مبارک کا حال کچھ نہیں لکھو ،
اور میرا دھیان لگا ہوا ہو . خدا کی واسطی ! تم مفصل حال لکھو کہ کیا عارضہ باقی ہو ،
اور صورت کیا ہو . دربار بدستور ہوتا ہو یا نہیں ؟ (۳)

میر منشی صاحب کا جواب مثل میں موجود نہیں . اسلئے نہیں کہا جاسکتا کہ
اونہوں نے مرض کے متعلق کیا لکھا . لیکن ۲۳ شوال سنہ ۱۲۸۱ ھ مطابق ۲۲
مارچ سنہ ۱۸۶۵ ع کو میرزا صاحب نے اپنا فارسی تہنیت نامہ ارسال کیا ہے ،

(۱) مکاتیب ، ص ۱۱۳ (۲) ایضاً ، ص ۱۱۳ . قصیدہ تہنیت ص ۴۶ کے حاشیہ میں مندرج ہو .

(۳) ایضاً ، ص ۱۱۴

جو صفحہ ۴۴ تا ۴۷ پر درج ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ مذکورہ تک میرزا صاحب کو صحت کی اطلاع تھی۔

عود مرض اور وفات

لیکن مادہ مرض کا بالکلہ استیصال نہیں ہوا تھا۔ کسی معمولی بے احتیاطی نے مادہ کو دوبارہ چھیڑ دیا، اور سرکار پر از سر نو مرض کا حملہ ہو گیا۔ یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ اطبا مجبور ہو گئے، اور حالت روز بروز خراب ہوتی چلی گئی، تا آنکہ یوم جمعہ ۲۴ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۱ھ مطابق ۲۱ اپریل سنہ ۱۸۶۵ع کو نواب فردوس مکان رہگرای عالم بقا ہوئے، اور میرزا صاحب کے ہاں قیامتِ صغریٰ کا منظر نظر آنے لگا۔

خلد آشیان کی تخت نشینی اور میرزا صاحب کا وظیفہ

نواب فردوس مکان طاب ثراہ کے بعد نواب خلد آشیان نے مسندِ آبائی پر قدم رنجہ فرمایا۔ میرزا صاحب کا تعلق نواب فردوس مکان کی ذات سے تھا، اسلئے دورِ جدید میں اسکے ختم ہو جانیکا خطرہ تھا۔ اس خطرہ کا میرزا صاحب کو احساس ہوا اور اونہوں نے فوراً تہنیت نامہ لکھا۔ سوء اتفاق سے یہ مکتوب مثل میں موجود نہیں۔ لیکن نواب خلد آشیان نے یکم مئی سنہ ۶۵ع کو اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

« مشفقاً! آنچه مشاہدہ آن کر مغرما از عہد نوابصاحب و قبلہ فردوس مکان مقرر است انشاء اللہ

تعالیٰ بدستور جاری ماندہ، حسب ضابطہ بسای خدمت رسیدہ خواہد ماند۔۔۔ (۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے تہنیت کیساتھ اپنے وظیفہ کے متعلق بھی کوئی درخواست کی تھی۔ یہ خواہش معرضِ قبول تک پہنچی، اور وظیفہ بدستور جاری رہا۔ اس سلسلہ میں میرزا صاحب نے ۳۰ جولائی کو میان داد خان سیاح کو لکھا ہے کہ

« اپریل کا روپیہ رئیس حال سو میں ذیابا۔۔۔ (۲)

لیکن اس مکتوب سے ۲۴ روز قبل خواجہ غلام غوث خان بہادر یخبر کو قدرے تفصیلاً تحریر فرمایا تھا :

• والی رامپور کو خدا سلامت رکھی . اپریل مئی ان دونوں مہینوں کا رویہ موافق دستور قدیم آیا . جون ماہ گزشتہ کا رویہ خدا چاہو تو آجائو . آج جمعہ ۷ جولائی م . معمول یہ م . کہ دسویں بارہویں کو رئیس کا خط مع ہنڈوی آیا کرتا م . (۱)

تہنیت نامہ کا امید افزا جواب پا کر میرزا صاحب نے قصیدہ تہنیت ارسال کیا . یہ قصیدہ بھی مثل مین موجود نہیں . لیکن مین نے عودِ ہندی سے عریضہ نمبر ۴۴ کے حاشیہ مین نقل کر دیا ہے . اس قصیدہ کی پزیرائی موافقِ امید ہوئی ، تو میرزا صاحب کو بڑھاپے کی تمام مجبوریوں کے باوجود سفرِ رامپور کیلئے آمادہ ہونا پڑا .

نواب خلد آشیان کا دعوت نامہ

میرزا صاحب نے اپنے ارادہ سفر کی اطلاع میرزا داغ کو دی . اونہوں نے کسی مناسب موقع پر سرکار کے حضور مین ذکر کیا . سرکار نے ۱۱ جون سنہ ۶۵ ع کو قصیدہ کی وصولیابی کے تذکار کے بعد تحریر فرمایا :

• درینولا زبانی نواب مرزا عزم ساسی باین طرف مسموع گشتہ موجب کال مہر تہاست . چرا کہ راقم نیز متغی ملاقات شریف است . او تعالیٰ شب بلدای فراق را بزودی ہرچہ تمامتر بایام وصال مبدل گرداند . (۲)

اس دعوت کے بعد میرزا صاحب نے تقریباً چار ماہ توقف کیا . غالباً اسکی وجہ یہ ہوگی کہ سرکار نے جشنِ تخت نشینی کیلئے دسمبر کا پہلا ہفتہ مقرر فرمایا تھا . میرزا صاحب نے اسی زمانے کو سفر کیلئے زیادہ مناسب خیال کیا . لیکن سرکار کے جواب مین یہ لکھا ، کہ

• حضرت کی خدمت مین نہ آؤنگا تو اور کہاں جاؤنگا . وہ آگ برہم ہو کہ طیبور کو پر جل رہی ہیں . بعد آگ کو پانی برسیگا . سفر خصوصاً بوڈھو رنجور آدمی کو دونوں صورت مین متعذر . آفتاب میزان مین آیا ، اور ہنگامہ آتش و آب رفع ہوا ، اور مین فی احرام بیت المعمور رامپور باندھا . انشاء اللہ العلی العظیم . (۳)

”ہنگامہ آتش و آب“ کے ختم ہو جانیکے انتظار میں میرزا صاحب کو تقریباً چار ماہ توقف کرنا پڑا، اور ماہ اکتوبر سنہ ۶۵ ع میں ”احرام بیت المعمورِ رامپور“ باندھنے کی نوبت آئی۔

سفر کی غرض

میرزا صاحب کے اس سفر کی غرض و غایت نواب فردوس مکان (طاب ثراہ) کے انتقال کی تعزیت اور نواب خلدہ آشیان کی مسند نشینی کی تہنیت تھی۔ مولوی عبد الرزاق شا کر کو سفر کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا ہے:

”قبلہ و کعبہ! فقیر یا در رکاب ہر۔ سہ شنبہ چار شنبہ ان دونوں دنوں میں میرزا ایک دن عازم رامپور ہوئیگا، تقریب و مان جان کی رئیس مرحوم کی تعزیت اور رئیس حال کی تہنیت۔ دو چار مہینے وہاں رہنا ہوگا۔“ (۱)

قاضی عبد الجلیل صاحب بریلوی کو رامپور سے تحریر فرمایا تھا:

”پیر و مرشد! نواب صاحب کا وظیفہ خوار، گویا اس در کا فقیر تکیہ دار ہوں۔ مسند نشینی کی تہنیت کیواسطہ رامپور آیا۔“ (۲)

لیکن اس تعزیت و تہنیت کی تہ میں جو غرض پنهان تھی اوسکا اظہار مرزا تفتہ کے خط میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

”میں نثر کی داد اور نظم کا صلہ مانگتی نہیں آیا۔ بھیک مانگتی آیا ہوں۔“ (۳)

تاریخ روانگی

ابتداءً میرزا صاحب کا ارادہ تھا کہ سہ شنبہ یا چار شنبہ ان دونوں دنوں میں سے ایک دن رامپور روانا ہوں گے۔ چنانچہ شا کر کو یہی لکھا بھی تھا۔ لیکن نواب علاء الدین احمد خان بہادر علائی کو یکم اکتوبر سنہ ۶۵ ع کو لکھا:

”میان! ہم جانتے ہو کہ میں عازم رامپور تھا۔ اسباب مہلک ہو گئے۔ بشرط حیات جمعہ کو

روانا ہوئیگا۔“ (۴)

مگر مرزا شہاب الدین خان بہادر کے نام کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ہفتہ کے دن دو تین گھڑی دن چڑھے دلی سے روانہ ہوئے۔ فرماتے ہیں:

(۱) اردو معلیٰ، ص ۲۱۶، وعود، ص ۱۶۰۔ موخر الذکر میں ”عازم رامپور ہوئیگا، ہر۔“

(۲) ایضاً، ص ۲۰۸، و ایضاً، ص ۱۶۹ (۳) اردو معلیٰ، ص ۹۸ (۴) ایضاً، ص ۳۹۵

• ہفتو کے دن دو تین گھنٹی دن چڑھی احباب کو رخصت کر کے راہی ہوا۔ قصد یہ تھا کہ پلکنوی رہوں۔ وہاں قافلہ کی گنجائش نہ تھی۔ (۱)

حکیم غلام نجف خان کو مراد آباد پہنچکر جو خط لکھا ہے، اوس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہفتے کو ماہ اکتوبر کی ۷ تاریخ تھی۔ فرماتے ہیں:

• بدھ کا دن پھر پھر دن چڑھا ہوگا کہ میں فقط پالکی پر مراد آباد پہنچا۔ ۱۰ جمادی الاول کی اور ۱۱ اکتوبر کی ہی۔ (۲)

حکیم احمد حسن مودودی کو صراحت سے لکھا ہے، کہ
• ہفتہ اکتوبر کو دلی سے رامپور کو روانا ہوا۔ (۳)

رفقائے سفر اور سواری

اس سفر میں میرزا صاحب کے ساتھ باقر علیخان، حسین علیخان، کلو، نیاز علی اور دو آدمی اور کل ۶ نفوس تھے۔ میرزا صاحب نے پالکی میں اور دونوں لڑکوں نے کبھی رتھ اور کبھی گھوڑوں پر راستہ طے کیا۔ بقیہ چار آدمیوں اور سامانِ سرمائی کے لئے دو گاڑیاں ہمراہ تھیں۔ حکیم غلام نجف خان کو محولہ بالا خط میں لکھا ہے:

• میں فقط پالکی پر مراد آباد پہنچا۔۔۔ دونوں لڑکے دونوں گاڑیاں اور رتھ اور آدمی سب پیچھے

ہیں۔

مرزا شہاب الدین خان بہادر کے خط میں لکھا ہے:

• دونوں گھوڑی کو تل آگئی، دونوں لڑکے رتھ میں سوار آئے ہیں۔

آدمیوں کے بارے میں رامپور سے روانگی کے وقت مرزا علاء الدین احمد خان بہادر کو لکھا ہے:

• آج صبح کے سات بجے باقر علیخان اور حسین علی۔۔۔ دلی کو روانا ہوئے۔ دو آدمی میری اونکی ساتھ گئے۔ کلو اور لڑکا نیاز علی یعنی ڈیڑھ آدمی میری پاس ہیں۔ (۴)

کیفیت و مناظر سفر

میرزا صاحب نے دلی سے رامپور تک ۶ منزلیں طے کی تھیں۔ حکیم احمد حسن مودودی کو تحریر فرمایا ہے:

• رامپور کی سرکار کا فقیر تکیہ دار روزینہ خوار ہوں۔ رئیس حال نے مسند نشینی کا جشن کیا۔

(۱) اردو معلیٰ، ص ۲۹۲ (۲) ایضاً، ص ۲۲۳ (۳) ایضاً، ص ۲۴۳ (۴) ایضاً، ص ۳۴۹

دعا گوی دولت کو در دولت پر جانا واجب ہوا۔ ہفتم اکتوبر کو دلی سی رامپور کو روانا ہوا۔ بعد قطع منازل سستہ وہاں پہنچا۔ (۱)

مرزا شہاب الدین خان بہادر کو ان منازل کی تفصیل بتاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

غازی آباد کا حال شمشاد علی سو سنا ہوگا۔ ہفتی کے دن دو تین گھڑی دن چڑھی احباب کو رخصت کر کے راہی ہوا۔ قصد یہ تھا کہ ہلکنوی رہوں۔ وہاں قافلہ کی گنجائش نہ تھی۔ ہاپوڑ کو روانا ہوا۔ دونوں برخوردار گھوڑوں پر سوار پہلے چل دیے۔ چار گھڑی دن رہی مین ہاپوڑ کی سرای مین پہنچا۔ دونوں بھائیوں کو بیٹھی ہوئی اور گھوڑوں کو ٹھہری ہوئی پایا۔ گھڑی بھر دن رہی قافلہ آیا۔ ... آج مین نے تمہاری والد کی نصیحت پر عمل کیا۔ چار بجے ہانچ کے عمل مین ہاپوڑ سے چل دیا۔ سورج نکلے بابو گڈھ کی سرای مین آ پہنچا۔ چار پائی بچھائی۔ اوسپر بچھونا بچھا کر حقہ پی رہا ہوں، اور یہ خط لکھ رہا ہوں۔ دونوں گھوڑی کو تل آگے دونوں لڑکی رتھ مین سوار آتی ہیں۔ اب وہ آتی اور کھانا کھالیا اور چلی۔ (۲)

حکیم غلام نجف خان کو ہاپوڑ سے مراد آباد پہنچ کر لکھا ہے :

بدھ کا دن پھر بھر دن چڑھا ہوگا کہ مین فقط پالکی پر مراد آباد پہنچا۔ ۱۰ جمادی الاول کی اور ۱۱ اکتوبر کی ہو۔ دونوں لڑکی دونوں گاڑیاں اور رتھ اور آدمی سب پیچھے ہیں۔ اب آتی جاتی ہیں۔ رات بخیر گزری۔ بشرط حیات کل رامپور پہنچ جائیں گے۔ گھبرایا ہوا ہوں۔ تیسرا دن ہی پاخانہ بھری کو۔ (۳)

مناظر سفر کے متعلق حکیم غلام رضا خان کو تحریر کرتے ہیں :

وتم سے رخصت ہو کر اور تمہیں خدا کو سوئے کر روانہ رامپور ہوا۔ موسم اچھا تھا۔ گرمی گزر گئی تھی۔ جازا ابھی چمکا نہ تھا۔ عالم اعتدال آب و ہوا۔ سایہ و سرچشمہ جا بجا۔ آرام سے رامپور پہنچا۔ (۴)

نوشتہ راہ

ہاپوڑ کی سرای مین میرزا صاحب نے اپنے واسطے چھٹانک بھر گھی مین دو شامی کباب تلوائے۔ لڑکوں نے ارھر کی کھچڑی تیار کرائی، اور خوب گھی ڈال کر خود بھی کھائی، اور آدمیوں کو بھی کھلائی۔ دوسرے دن کیلئے سادہ سالن بغیر ترکاری کا پکوا دیا۔

منزل پر پہنچ کر حسین علیخان پاڑ اور مٹھائی کے کھلونے خرید لاتے

اور باقر علیخان کے ساتھ بیٹھکر کھا لیتے۔ مرزا شہاب الدین خان بہادر کے خط میں مرزا صاحب نے لکھا ہے :

• میں نے چھٹانک بھر گھی داغ کیا۔ دو شای کباب اوس میں ڈال دیے۔ رات ہو گئی تھی۔ شراب پی لی۔ کباب کھاؤ۔ لڑکون نے ارہر کے کھچڑی پکوائی۔ خوب گھی ڈالکر آپ بھی کھائی، اور سب آدمیوں کو بھی کھلائی۔ دن کیواسطے سادہ سالن پکوا یا۔ ترکاری نہ ڈلوائی۔ باری آجکے دونوں بھائیوں میں موافقت ہوئی۔ آپس کی صلاح و مشورت سے کام کرتے ہیں۔ اتنی بات زائد ہو کہ حسین علی منزل پر اوتر کر پاؤں اور منہائی کے کھلونے خرید لاتا ہو۔ دونوں بھائی ملکر کھا لیتے ہیں۔ (۱)

ناسازی طبیعت

راستہ کی تکان اور اوقاتِ غذا میں اختلال ہو جانے کے باعث میرزا صاحب کو قبض کی شکایت ہو گئی تھی۔ حکیم غلام نجف خان صاحب کو مراد آباد سے تحریر کیا ہے :

• بدھ کا دن پہر بھر دن پڑھا ہوگا کہ میں فقط بالکی پر مراد آباد پہنچا ... رات بخیر گزری۔ بشرط حیات کل رامپور پہنچ جائیگی۔ گھبرایا ہوا ہوں، تیسرا دن ہو پاخانہ پھری کو۔ (۲)

تاریخ ورود رامپور

آخر کار چھ منزلیں طے کر کے میرزا صاحب جمعرات کے دن ۱۲ اکتوبر سنہ ۶۵ ع کو رامپور تشریف لائے۔ قاضی عبد الجلیل صاحب بریلوی کو رامپور سے تحریر فرمایا ہے :

۱۲ اکتوبر کو یہاں پہنچا۔ بشرط حیات آخر دسمبر تک دہلی جاؤنگا۔ (۳)

حکیم غلام نجف خان کے محوٰلہ بالا خط میں بھی، جو ۱۱ اکتوبر کو مراد آباد سے لکھا تھا، یہی تحریر کیا ہے کہ کل یعنی بارہ اکتوبر کو رامپور پہنچ جاؤنگا۔ حکیم سید احمد حسن صاحب مودودی کے نام کے خط سے بھی یہی تاریخ مستنبط ہے۔ فرماتے ہیں :

• ہفتہ اکتوبر کو دلی سے رامپور کو روانہ ہوا۔ بعد قطع منازل ستہ وہاں پہنچا۔ (۴)

(۲) ایضاً، ص ۲۳۳

(۱) اردو می، ص ۲۹۲

(۴) اردو می، ص ۲۴۳

(۳) ایضاً، ص ۲۰۸، وعود، ص ۱۶۹

نواب خلد آشیان کی تواضع

نواب خلد آشیان نے میرزا صاحب کی بیحد تواضع اور مدارات کی . قیام کیلئے جرنیلی کی کوٹھی عطا ہوئی^(۱)، اور باورچیخانہ سرکاری سے دونوں وقت کھانا مقرر ہوا . حکیم غلام نجف خان نے اپنے خط میں کھانے کے متعلق تشویش کا اظہار کیا تھا . اس سلسلہ میں میرزا صاحب نے اونہیں لکھا ہے :

» صبح شنبہ ۲۱ اکتوبر سنہ ۱۸۶۵ ع . اقبالنشان عند الدولہ حکیم غلام نجف خان کو غالب علیشاہ کی دعا پہنچی . تمہاری خط سے معلوم ہوا کہ تمکو میری کھاؤ پیو کی طرف سے تشویش ہے . خدا کی قسم ! میں یہاں خوش اور تندرست ہوں . دن کا کھانا ایسی وقت آتا ہے کہ پھر دن چڑھ کر میری آدمی بھی روٹی کھا چکے ہیں . شام کا کھانا بھی سویری آتا ہے . کئی طرح کے سالن ، پلاؤ ، متنجن ، پسندی ، دونوں وقت روٹیاں خمیری ، چپاتیاں ، مری ، آچار . میں بھی خوش لڑکے بھی خوش . کلو اپھا ہو گیا ہے . سقا ، مشعلچی ، خاکروب سرکار سے متعین ہے . سجام اور دھوی نوکر رکھ لیا ہے . ۰۰ (۲)

۲۴ اکتوبر کو میرزا صاحب نے پھر حکیم صاحب کو خط لکھا . اوس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عرصہ میں سرکار نے کھانے اور جانوروں کے گھاس دانے کی نقدی مقرر فرما دی تھی . فرماتے ہیں :

» آج منگل کا دن ۴ جمادی الثانی کی اور ۲۴ اکتوبر کی ہے . کھاؤ کی اور گھوڑوں اور بیلوں کو گھاس دانو کی نقدی ہوگئی . لیکن اس میں میرا فائدہ ہے ، نقصان نہیں . ۰۰ (۳)

تعظیم و توقیر اور اخلاص

نواب خلد آشیان قدردانی علم و ہنر میں اپنے والد مرحوم کے سچے جانشین تھے . اونہوں نے میرزا صاحب کی تعظیم و توقیر اور خاطر و مدارات کا بیحد لحاظ کیا . میرزا صاحب ۲۱ اکتوبر کو حکیم صاحب کو لکھتے ہیں :

» آجنگ دو ملاقاتیں ہوتی ہیں . تعظیم ، تواضع ، اخلاق ، کسی بات میں کمی نہیں . ۰۰ (۲)

سرکار کا التفات روز بروز زیادہ ہونے لگا تو میرزا صاحب نے ۲۴ ماہ مذکور کو پھر حکیم صاحب کو تحریر کیا :

(۱) یہ عمارت قلعہ معلیٰ کے مشرق دروازہ کے باہر واقع تھی . نواب سید محمد حامد علیخان بہادر جنت مکان فی قلعہ معلیٰ کی قدیم عمارتیں منہدم کر کے نئی عمارت تعمیر کروڑے وقت بعد ترمیم مناسب قلعہ کے اندر داخل کر لیا ہے . آجکل یہ عمارت مہمان خانہ کا کام دیتی ہے .

(۲) اردوی معلیٰ ، ص ۲۱۹ و ۲۲۰

(۳) ایضاً ، ص ۲۲۲

و اب روداد سنو . نوابصاحب کا اخلاص و التفات روز افزون ہی ۰۰ (۱)

اوس بات کی کچھ اصل نہیں

رامپور کے سفر سے قبل میرزا صاحب نے کوئی ایسی بات سنی تھی ، جو انکے تعلق ریاست کیلئے خطرناک تھی . یہاں آکر نوابصاحب کے التفات و اخلاص نے اوسکی تغلیط کردی . میرزا صاحب اپنی بیوی سے اس خطرہ کا ذکر کرچکے تھے . اسلئے اونکی پریشانی رفع کرنے کے خیال سے حکیم صاحب کے خط کے آخر میں اونکے صاحبزادہ کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر کیا ہے :

و ظہیرالدین خان بہادر کو دعا پہنچی . یہ خط لیکر تم اپنی دادی صاحب پاس جاؤ . اور یہ خط پڑھکر سناؤ . اور اونسے یہ کہدو کہ وہ بات جو میں نے تم سے کہی تھی وہ غلط ہی .

اوسکی کچھ اصل نہیں ہی ۰۰ (۲)

نواب خلد آشیانہ کے متعلق میرزا صاحب کی رائے

میرزا صاحب سرکار کے حسن صورت و سیرت کے اسقدر گرویدہ ہوئے کہ اونہیں بعض شیوہ و روش میں نواب فردوس مکان پر ترجیح دینے لگے . اس زمانہ میں سرکار نے بعض عمالانہ ریاست کو سرکاری مطالبات اور عام رعایا کو غلہ کا محصول معاف کر دیا تھا . ان تمام واقعات نے مرزا صاحب کے دل پر اچھا نقش کیا . چنانچہ حکیم غلام رضا خان کے خط میں انکا اسطرح ذکر کیا ہے :

و نوابصاحب حال بمقتضای «الولد مر لایہ» حسن اخلاق میں نواب فردوس آرامگاہ کی برابر بلکہ بعض شیوہ و روش میں اون سے بہتر ہیں . بمجرد مسند نشینی کے غلہ کا محصول یکفلم معاف کیا . علی بخش خان خانسانام کو ۳۰ ہزار روپیہ بابت مطالبہ سرکاری بخشیدا . مفصل حالات بذل و نوال عند الملاقات زبانی کہونگا ۰۰ (۳)

مرزا تفتہ کو لکھتے ہیں :

و نوابصاحب از روی صورت روح مجسم ، اور باعتبار اخلاق آیت رحمت ہیں . خزائنہ فیض کی تحویلدار ہیں . جو شخص دفتر ازل میں جو کچھ لکھوا لایا ہو ، اوسکی پٹو میں دبر نہیں لگتی . ایک لاکھ کئی ہزار روپیہ سال غلہ کا محصول معاف کر دیا . ایک اہل کار پر ساٹھ ہزار کا محاسبہ معاف کیا ، اور بیس ہزار روپیہ نقد دیا . منشی نولکشور صاحب کی عرضی

پیش ہوئی۔ خلاصہ عرضی کا سنلیا۔ واسطی منشی صاحب کو کچھ عطیہ بتقریب شادی صبیہ تجویز ہو رہا ہے۔ مقدار مجبہر نہیں کھلی ۰۰ (۱)

نواب علاء الدین احمد خان بہادر علائی کے خط میں نواب صاحب کی تصویر کھینچتے ہیں :

رئیس کی تصویر کھینچتا ہوں۔ قد، رنگ، شکل، شامل بعینہ بھائی ضیاء الدین خان۔ عمر کا فرق اور کچھ کچھ چہرہ اور لہجہ متفاوت۔ حلیم، خلیق، باذل، کریم، متواضع، متشروع، متورع، شعر فہم۔ سینکڑوں شعر یاد۔ نظم کی طرف توجہ نہیں۔ نثر لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں۔ جلالائی طباطبائی کی طرز برتتے ہیں۔ شگفتہ جبین ایسی کہ اونکو دیکھتے ہو غم کوسوں بھاگ جاؤ۔ فصیح بیان ایسی کہ اونکی تقریر سنکر ایک اور نئی روح قالب میں آؤ۔ اللہم دام اقبالہ و زاد اجلالہ ! ۰ (۲)

نواب صاحب کی دورہ کو روانگی اور میرزا صاحب کا لطیفہ

نواب خلد آشیان نے ۳ نومبر سنہ ۶۵ ع کو اضلاع ریاست کے معاینہ کیلئے تشریف لیجانے کا ارادہ فرمایا۔ مشایعت کیلئے میرزا صاحب بھی ساتھ تھے۔ سرکار پا برکاب ہوئے تو حاضرین نے آداب و کورنش ادا کی۔ سرکار نے میرزا صاحب کے آداب پر تبسم کیساتھ ارشاد فرمایا۔ «خدا کے سپرد»۔ میرزا صاحب کی شوخی طبع نے گدگدایا، اور آپ قدرے حزن صورت بنا کر بولے: «حضرت خدا نے تو مجھے آپ کے سپرد کیا ہے۔ آپ پھر اولٹا مجھ کو خدا کے سپرد کرتے ہیں»۔ (۳)

جشن جمشیدی

دسمبر کا پہلا ہفتہ جشنِ تخت نشینی کیلئے مقرر ہوا تھا، اور اس تقریب کیلئے اسدرجہ شاندار تیاریاں ہوئی تھیں کہ میرزا صاحب نے اسکو «جشن جمشیدی» سے تعبیر کیا ہے۔ حکیم غلام نجف خان کو لکھتے ہیں:

نواب صاحب دوری سے آج شام کو یا کل آجائینگے۔ جشن جمشیدی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ (۴)

۲۵ اکتوبر کو تاریخِ جشن کے متعلق لکھتے ہیں:

دسمبر کی پہلی میں جشن شروع ہوگا۔ ہفتہ دو ہفتہ کی مدت اوسکی ہے۔ بعد جشن کو

رخصت ہونگا۔ خدا چاہو تو آخر دسمبر تک تمکو آدیکھتا ہوں۔ (۵)

(۱) اردوی مغل، ص ۹۸ و ۹۹ (۲) ایضاً، ص ۴۴۱ (۳) یادگار غالب، ص ۴۲

(۴) اردوی مغل، ص ۲۳۱ (۵) ایضاً، ص ۲۲۴

مرزا تفتہ کو تحریر کیا ہے :

• جشن یکم دسمبر سے شروع . ۵ دسمبر کو خلعت کا آنا مسموع ۰۰ (۱)

۶ دسمبر سنہ ۶۵ ع کو نواب علاء الدین احمد خان بہادر علائی کو جشن جمشیدی کی روداد لکھتے ہوئے فرماتے ہیں :

• یہاں جشن کے وہ سامان ہو رہی ہیں کہ اگر جمشید دیکھتا تو حیران رہ جاتا . شہر سے دو کوس پر آغا پور نامی ایک بستی ہے . آٹھ دس دن سے وہاں خیام برپا تھی . پرسون صاحب کشتہ بہادر بریلی مع چند صاحبوں اور میمون کے آؤ ، اور خیموں میں اوتری . کچھ کم سو صاحب اور ہم جمع ہوئے . سب سرکار رامپور کے مہمان . کل سہ شنبہ ۵ دسمبر حضور پر نور بڑی تجمل سے آغا پور تشریف لگئی . بارہ پر دو بج گئی ، اور شام کو بانج بجے خلعت پہنکر آؤ . وزیر علیخان خانسلمان خواصی میں سے روپیہ پھینکنا ہوا آنا تھا . دو کوس کے عرصہ میں دو ہزار روپیہ سے کم نہ ایثار ہوا ہوگا . آج صاحبان عالیشان کی دعوت ہے . • پین ، شام کا کھانا یہیں کھاؤنگی . روشنی ، آتشبازی کی وہ افراط کہ رات دن کا سامنا کرے گی . طوائف کا وہ ہجوم ، حکام کا وہ مجمع ، کہ اس مجلس کو طوائف الملوک کہا چاہیے . کوئی کہتا ہے کہ صاحب کشتہ بہادر مع صاحبان عالیشان کے کل جائیگی . کوئی کہتا ہے پرسون ۰۰ (۲)

عزم مراجعت

ابتداءً میرزا صاحب کا یہ ارادہ تھا کہ دو چار مہینے رامپور میں قیام کریں گے . چنانچہ شا کر کو تاریخ روانگی رامپور کی اطلاع دیتے ہوئے تحریر کیا تھا :

• دو چار مہینے وہاں رہنا ہوگا . اب جو کوئی خط آپ بھیجن تو رامپور بھیجن ۰۰ (۳)

لیکن رامپور میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد یہ طے کیا کہ اختتام جشن کے بعد رخصت طلب کریں ، اور آخر دسمبر تک دلی جا پہنچیں . حکیم غلام نجف خان کو ۲۴ اکتوبر کو لکھا ہے :

• دسمبر کی پہلی سے جشن شروع ہوگا . ہفتہ دو ہفتہ کی مدت اوسکی ہے . بعد جشن کے رخصت ہوگا . خدا چاہے تو آخر دسمبر تک تمکو آدیکھتا ہوں ۰۰ (۴)

میرزا علائی کو ۶ دسمبر کو تحریر کیا ہے :

• بعد اختتام محافل طالب رخصت ہونگا۔ بعد حصول رخصت دلی جاؤنگا۔ (۱)

اسی طرح قاضی عبد الجلیل صاحب بریلوی کو بریلی کی دعوتِ قدم کے جواب میں لکھا ہے :

• پیر و مرشد ! نواب صاحب کا وظیفہ خوار گویا اس در کا فقیر تکیہ دار ہوں۔ مسند نشینی کی تہیت کیواسطی رامپور آیا۔ مین کہان اور بریلی کہان۔ ۱۲ اکتوبر کو یہاں پہنچا۔ بشرط حیات آخر دسمبر تک دہلی جاؤنگا۔ (۲)

لڑکوں کی روانگی

باقر علیخان اور حسین علیخان اب نوجوان تھے، اور اب انہیں تنہا بھیجدینے میں اوس قسم کے خطرات پیدا نہیں ہوتے تھے، جنکے خوف سے سنہ ۶۰ ع کے سفر میں میرزا صاحب نے فردوس مکان کے اصرار کے باوجود رامپور قیام نہیں کیا تھا، اور بچوں کی ضد پر راہی دہلی ہو گئے تھے۔ لہذا میرزا صاحب نے دونوں کو سرکار سے مراجعت کی اجازت دلا کر جمعہ کے دن ۲۲ دسمبر کو دو آدمیوں کیساتھ دلی روانہ کر دیا۔ سرکار نے وقت رخصت ایک ایک دوشالہ مرحمت کیا۔ نواب علاء الدین احمد خان بہادر علائی کو اسکے متعلق میرزا صاحب نے لکھا ہے :

• آج صبح کی سات بجی باقر علیخان اور حسین علی، ۱۴ مرغ، ۶ بڑی اور آٹھ چھوٹی، (لی) کی دلی کو روانہ ہوئی۔ دو آدمی میری اونکے ساتھ گئے۔ کلو اور لڑکا نیاز علی یعنی ڈیڑھ آدمی میری پاس ہیں۔ نواب صاحب نے وقت رخصت ایک ایک دوشالہ مرحمت کیا۔ (۳)

میرزا صاحب کی تاریخِ روانگی

اسی خط کے آخر میں میرزا صاحب نے لکھا :

• میری چلو کا حال یہ ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اسی ہفتہ میں چلوں گا۔

۲۶ دسمبر کو پھر تحریر فرماتے ہیں :

• جانا ! جانا ! ایک خط میرا تمہاری دو خطوں کے جواب میں تمکو پہنچا ہوگا۔ ... آج منگل ہے ۷ شعبان کی اور ۲۶ دسمبر کی۔ دونو بھتیجی تمہاری جمعہ کے دن ۲۲ دسمبر کو روانہ دہلی ہوئی۔ میں پرسونٹ یوم الختیس کو مرحلہ پہنچا ہوں گا۔ (۴)

(۲) ایضاً، ص ۲۰۸ و عود، ص ۱۶۹

(۴) ایضاً، ص ۳۹۶

(۱) اردوی مغل، ص ۴۴۲

(۳) اردوی مغل، ص ۳۹۴

ن — مکاتیب غالب

اس حساب سے میرزا صاحب جمعرات کے دن ۲۸ دسمبر سنہ ۶۵ ع کو رامپور سے رخصت ہوئے۔

احباب رامپور سے آخری ملاقات

سرکار سے رخصت حاصل کر کے میرزا صاحب قیامگاہ پر تشریف لائے۔ یہاں رامپور کے بعض احباب الوداع کہنے کیلئے پہلے سے جمع تھے۔ صاحبزادہ سید نجات علیخان بہادر نے، جو اپنے والد صاحبزادہ سید ہدایت علیخان بہادر کے ساتھ میرزا صاحب سے آخری ملاقات کیلئے گئے تھے، ایکروز میرزا غالب کے تذکرہ میں حقیر عرشی سے بیان کیا، کہ جب میرزا صاحب سرکار میں سے واپس آئے، تو میں اپنے والد کے ہمراہ اونکے قیامگاہ پر موجود تھا۔ میرزا صاحب نے احباب کیطرف مخاطب ہو کر فرمایا:

» بھئی! ہم نے ابھی یہ شعر کہا ہے:

اب ہے دلی کیطرف کوچ ہمارا غالب * آج ہم حضرت نواب سے بھی مل آئے،»^(۱)

رخصتانہ کی رقم

میرزا صاحب نے ۲۸ نومبر کو رامپور سے تفتہ کو لکھا تھا:

» میں ترکی داد اور نظم کا صلہ مانگتی نہیں آیا، بھیک مانگتی آیا ہوں۔ روٹی اپنی گرہ سے نہیں کھاتا، سرکار سے ملتی ہی۔ وقت رخصت میری قسمت اور منعم کی مت۔» (۲)

نواب خلد آشیان تاریخ تحریر خط سے ۲۱ روز قبل ۷ نومبر سنہ ۶۵ ع کو ایک ہزار روپیہ عطا فرما چکے تھے۔ تاہم ۲۶ دسمبر سنہ ۶۵ ع کو

(۱) مولانا نظامی بدایونی نے شرح دیوان غالب اردو (مطبوعۃ نظامی پریس بدایون سنہ ۱۹۲۲ ع) کے صفحہ ۲۵۴ پر یہ مقطع اور ایک شعر نقل کر کے حاشیہ میں لکھا ہے: » حضرت نواب سے نواب یوسف علیخان ناظم والی رامپور کی طرف اشارہ ہے۔ یہ اوس غزل کے شعر ہیں جو رامپور سے رخصت ہونے کے وقت لکھی تھی۔ چونکہ دیوان اوسوقت مرتب ہو کر شائع ہو چکا تھا۔ اسلئے دیوان میں شامل نہیں ہوئی۔ اس بیان میں مولانا سے تسامح ہوا ہے۔ کیونکہ ایک عینی شاہد کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہاں نواب خلد آشیان محمد کلب علیخان بہادر مراد ہیں۔ علاوہ ازیں چونکہ پہلی سفر میں میرزا صاحب رامپور سے دیوان اردو کی نقل لی گئی تھی، جس سے دیوان طبع ہوا، اسلئے نواب فردوس مکان کے بجائے نواب خلد آشیان کے عہد کی غزل کا اوس میں شامل ہونا فرین قیاس اور مطابق واقعہ ہو سکتا ہے۔

(۲) اردو معلیٰ، ص ۹۸

۲۰۰ روپیہ بوجہ زادِ راہ مرحمت فرما کر میرزا صاحب کی اس آرزو کی بھی تکمیل کردی۔

نواب ضیاء الدین خان بہادر کی فرمائش

نواب ضیاء الدین خان بہادر نیر نے میرزا صاحب سے فرمائش کی تھی کہ رامپور سے بانس کی غلیل لائیں۔ میرزا صاحب نے فرمائش پوری کی۔ لیکن غلیل پر جو کچھ بدیتی وہ دلچسپی سے خالی نہیں۔ علائی کے نام رامپور سے ۲۶ دسمبر کو لکھا ہے:

د توکان گروہہ کہا کر۔ فارسی بھگارا کر۔ مجھے ہندی کی چندی سن۔ ایک غلیل حضور

ذ دینی کی ہو۔ ایک علی اصغر خان می مینہی۔ دونوں کل آئینگی ۰۰ (۱)

لیکن سوہ اتفاق سے فرمائش کی تکمیل میں سعی کے بعض مدارج رہ گئے، اور غلیل پر نئی افتاد پڑی۔ ۱۳ جنوری سنہ ۶۶ ع کو میرزا صاحب علائی کو لکھتے ہیں:

د میان چلو وقت تمہاری چچا ذ غلیل کی فرمائش کی تھی۔ رامپور پہنچ کر وہ بی سعی و تلاش ہات آگئی۔ بنوا رکھی۔ لڑکوں ذ ملازموں ذ سب ذ مجھے سنلیا کہ یہ نواب ضیاء الدین خان کیواسطی ہو۔ اب چلو سو ایک ہفتہ پہلے تمہو غلیل مانگی۔ بھائی! کیا بتاؤں کہ کتنی جستجو کی۔ کہیں ہم نہ پہنچی۔ دس روپیہ تک مول کو نہیں ملی۔ نواب صاحب می مانگی۔ توشہ خانہ میں بھی نہ تھی۔ ایک امیر کی ہان پتا لگا۔ دوڑا ہوا گیا۔ کبھی موجود پائی۔ لیکن کیا کبھی؟ جیسو نجف خان کے عہد میں تورانیوں میں ہماری تمہاری ہڈی۔ بنوا ذ کی فرصت کہاں؟ آج لی کل چلایا۔ اس بانس کی قدر کرنا، اور اسکو اچھی طرح بنوالینا۔ ۰ (۲)

سفر کے مصائب

رامپور سے واپسی میں میرزا صاحب کو سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ دریایِ رام گنگا میں سرمائی بارش کے سبب سیلاب تھا۔ میرزا صاحب کی پالکی کے پار ہوتے ہی پانی کے زور سے کشتیوں کا عارضی پل ٹوٹ گیا۔ اسباب کی گاڑیاں اور خدام سب مجبوراً اوس پار رہ گئے، اور میرزا صاحب یکہ و تنہا صرف ایک کبل ساتھ لیٹے مراد آباد کی سرا میں اقامت گزین ہوئے۔

(۱) اردو می، ص ۳۹۶ (۲) ایضاً، ص ۴۱۵۔ نسخہ میں دکرنا، اور دہوا لیتا، ہو۔

بڑھاپے کی کمزوری سرمائی تکلیفوں کا مقابلہ نہ کر سکی، اور یہ بیمار ہو گئے۔ پانچ دن صدر الصدور مراد آباد کے ہاں قیام کیا، اور جب قدرے رو بصحت ہوئے تو دلی کا عزم کیا۔ دلی پہنچ کر نواب خلد آشیان کو لکھتے ہیں:

«بعد تسلیم معروض ہو۔ مراد آباد پہنچا، بعد پالکی کی اوتر آنیکی پل کا ٹوٹ جانا، گاڑی اسباب پیانٹک کہ رخت خواب کا مع آدمیوں کے اوبی زمہریر کے میدان میں رہنا، بغیر جاڑی کے کچھ نہ کھانا، خیر جو اونپر گزری وہ جانیں میں مراد آباد کی سرا میں ایک چھوٹی سی حویلی میں ٹہرا۔ بھوکا پیاسا کل اوڑھ کر پڑ رہا۔ یہ شعر اپنا پڑھ پڑھ کر صبح کی۔

گرم فریاد رکھا شکل نہالی فی بھمی * تب امان عجز میں دی برد لیلی فی بھمی صبح کو خستہ و بنجور اونٹھا۔ صاحبزادہ ممتاز علیخان بہادر کے بھیجی ہوئی دو فرشتے آئے۔ اونٹھا کر سعید الدین خان صاحب کے ہاں لیگئی۔ صاحبزادہ صاحب فی وہ تعظیم و تکریم، اور سعید الدین خان صاحب فی وہ تکریم و تعظیم کی، کہ میری ارزش سی زیادہ تھی۔ ناگاہ مولوی محمد حسن خان بہادر صدر الصدور آئے، اور بھمی اپنے گھر لیگئی۔ پانچ دن وہاں رہا۔ بھائی نواب مصطفی خان بہادر وہیں بھمی آکر ملی۔ دوسری دن وہ رھکرای دار السرور رامپور اور میں جادہ نورد ستم آباد دہلی ہوا۔ (۱)

مرکار کی ہمدردی

یہ عریضہ ۱۰ جنوری سنہ ۶۶ ع کو تحریر کیا تھا۔ لیکن سرکار کو اس کے پہنچنے سے پہلے نواب مصطفی خان بہادر شیفتہ کی زبانی تمام حالات کی اطلاع مل چکی تھی۔ اونھوں نے مراد آباد کے پتہ سے میرزا صاحب کو لکھا:

«زبانی نواب مصطفی خان بہادر کے دریافت ہوا کہ مراد آباد میں کچھ طبیعت آپکی علیل ہو گئی ہو۔ باستماع اس امر کی باعث کال تردد کا ہوا۔ اسواسطی حوالہ خامۃ محبت نگار کے ہوتا ہی کہ خیریت مزاج می مطلع کیجی۔ اور اگر هنوز طبیعت مائل باعتدال نہو، اور آپکا ارادہ قیام مراد آباد کا تا درستی طبیعت ہو، تو آپ رامپور میں تشریف لائی۔ یہاں معالجہ بخوبی عمل میں آئیگا۔ (۲)

اس فرمان کے جواب میں میرزا صاحب نے ۲۱ جنوری کو لکھا:

«اس سفر کا حال کیا عرض کروں۔ دلی سے رامپور تک ذوق قدموس میں جوانانہ گیا۔ اختلافات آب و ہوا و تفرقہ اوقات غذا کو ہرگز نہ مانا، اور رنج راہ کو ہرگز خیال میں نہ لایا۔ وقت معاودت اندوہ فراق فی وہ فشار دیا، کہ جوہر روح گداز پاکر ہر بن مو

می ٹپک گیا۔ اگر آپکو اقبال کی تائید نہوتی، تو دلی تک میرا زندہ پہنچنا محال تھا۔ جاؤا، مینہ، قبض و انقباض، فقدان جوع، فاقہ های متواتر، منزلهای نامانوس، ہاپوڑ تک آفتاب کا نظر نہ آنا، شب و روز ہواۓ زمہریر کا جانگزا رہنا۔ باری ہاپوڑ می چلکر نیر اعظم کی صورت دکھائی دی۔ دھوپ کھاتا ہوا دلی پہنچا۔ ایک ہفتہ کوفتہ و رنجور رہا۔ اب ویسا پیرو ناتوان ہون جیسا کہ اس سفر می پہلی تھا۔ خدا وہ دن کری کہ پھر اوس در پر پہنچوں! (۱)

میرزا صاحب لنگوی

اس سفر مین میرزا صاحب کی تکالیف اس حد کو پہنچگئی تھیں کہ وہ اسکو تاراجی حسن فکر سے تعبیر کرتے تھے۔ مرزا شمشاد علی بیگ رضوان کو لکھتے ہیں:

رامپور کے سفر مین تاب و طاقت، حسن فکر، لطف طبیعت، یہ سب اسباب لٹگیا۔ (۲)

سفر رامپور کا رہ آورد

ان جسمانی اذیتوں نے میرزا صاحب کی صحت پر بہت برا اثر کیا، اور انہیں رعشہ و ضعفِ بصر کی شکایت زیادہ ہوگئی۔ ۱۲ مئی سنہ ۶۶ ع کو مولوی حبیب اللہ خان ذکا کو تحریر فرماتے ہیں:

تمکو میری خبر یہی ہو۔ آگے ناتوان تھا۔ اب نیمجان ہوں۔ آگے بہرا تھا۔ اب اندھا ہوا چاہتا ہوں۔ رامپور کے سفر کا رہ آورد ہو رعشہ و ضعفِ بصر۔ جہان چار سطرین لکھیں، انگلیان نیز می ہوگئیں۔ حرف سوچھی می رہگئی۔ (۳)

وقت و تاریخ ورود دہلی

عناصر کی ان بیرخائیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے میرزا صاحب ۸ جنوری سنہ ۱۸۶۶ ع کو دو شنبہ کے دن گیارا بجے دلی پہنچے۔ مرزا تفتہ کو ورود کی اطلاع دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

لو صاحب! کھچڑی کھائی دن پہلاؤ۔ کپڑی بھاؤ گھر کو آئی۔ ۸ جنوری ماہ و سال حال دوشنبہ کے دن غضب الہی کی طرح اپنے گھر پر نازل ہوا۔ تمہارا خط مضامین درد ناک می بھرا ہوا رامپور مین مین تو پایا۔ جواب لکھنے کی فرصت نہ ملی۔ بعد روانگی کے مراد آباد مین پہنچکر بیمار ہوگیا۔ پانچ دن صدر الصدور صاحب کے ہاں پڑا رہا۔ اونہوت تو بیسار داری اور غمخواری بہت کی۔ (۴)

حکیم احمد حسن مودودی کو لکھا ہے:

”ہشتم جنوری کو دلی پہنچا۔ عرض راہ میں بہار ہوا۔ پانچ دن مراد آباد میں صاحب فراش رہا۔ اب جیسا فرسودہ روان ناتوان تھا ویسا ہون۔“ (۱)

خواجہ غلام غوث خان بہادر بینخبر کو لکھتے ہیں :

”بندۂ گناہگار شرمسار عرض کرتا ہوں ، کہ پرسوں غازی آباد کا اوتھا ہوا گیارہ بجے اپنی گھر پر مثل بلای ناگہانی نازل ہوا ہوں۔

باید کہ کتب ہزار نفرین پر خویش * اما بزبان جادۂ راہ وطن“ (۲)

مولوی عبد الرزاق شاہ کو لکھا ہے :

قبہ ! یہ تو آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ ۸ جنوری کو فقیر دلی پہنچا ، تھکا ماندہ خستہ و رنجور۔
ہنوز افاقہ کلی نہیں پائی۔“ (۳)

یہی تاریخ نواب خلد آشیان کو بھی لکھی ہے۔ فرماتے ہیں :

”دوشنبہ ۲۰ شعبان ۱۲۸۲ء ۸ جنوری ۱۸۶۶ء در غمگدہ پر پہنچا۔ حضور کی اقبال کی تائید تھی۔ ورنہ میں اور جیتا دلی پہنچتا۔“ (۴)

دلی سے باہر رہنے کی کل مدت

میرزا صاحب ۷ اکتوبر سنہ ۶۵ ع کو دلی سے روانا ہوئے اور ۸ جنوری سنہ ۶۶ ع کو دلی واپس پہنچے۔ اس حساب سے انکی دلی سے باہر رہنے کی کل مدت تین ماہ ہے۔

ارسال ہدایا

میرزا صاحب اور دربار رامپور کے درمیان حسبِ ضابطہ مودت و خلوص تحفے اور ہدیات کی آمد و شد کا سلسلہ بھی پایا جاتا ہے۔ سرکاری تحفوں میں رامپور کے آم ہوتے تھے، جو طبعاً مرغوب ہونے کی وجہ سے میرزا صاحب کو انگریزی خلعت اور سرکاری عطیات سے کم نہ معلوم ہوتے ہونگے۔ ۱۷ جون سنہ ۶۲ ع کو میرزا صاحب نے میان داد خان سیاح کو لکھا ہے :

”رامپور سے نواب صاحب اپنی باغ کے آمون میں سو اکثر بسبیل ارمغان بھیجتے رہتے ہیں۔“ (۵)

جولائی سنہ ۶۴ ع میں سرکار نے دو سو آم بھیجے تھے۔ میرزا صاحب

۵ جولائی کو اس عنایت کی رسید میں لکھتے ہیں :

و نواز شامہ اور اوسکو ساتھ دو بھگیاں دو سو آمون کی پہنچیں .

۱۱ شکر نعمتہای تو چندان کہ نعمتہای تو ۱۱ ۱۱ (۱)

وقتاً فوقتاً میرزا صاحب بھی پھل بھیجا کرتے تھے . ایکبار انھوں نے رنگترے ار سال کیئے ، تو اسکی رسید میں ۲ جون سنہ ۶۱ ع مطابق ۲۲ ذیقعدہ سنہ ۷۷ ھ کو نواب فردوس مکان نے تحریر فرمایا ، کہ دمریزی رنگترے موصول ہوئے . شکر یہ قبول فرمائیے .

فرمایشین

اس کے علاوہ کبھی کبھی دونوں طرف سے بعض چیزوں کی فرمایش بھی ہو جاتی تھی . سنہ ۶۴ ع میں نواب فردوس مکان نے چوب چینی کی فرمایش کی . میرزا صاحب نے بڑی کوشش سے پانچ سیر رنگین و سنگین و بے گرہ یا کم گرہ قطعات چوب چینی ، مہیا کر کے سرکاری کھار کے ہاتھ روانا کیئے ، اور از راہ معذرت لکھا :

دلی اب شہر نہیں . چھاؤنی ہو . کپ ہو . نہ قلعہ نہ شہر کو امرا ، نہ اطراف شہر کو

روسا . ۰۰ (۲)

رامپور کے دوسرے سفر میں نواب ضیاء الدین خان بہادر نیر کیلئے میرزا صاحب نے نواب خلد آشیان سے ایک بانس کی غلیل مانگی تھی . سرکار نے حکم دیا کہ توشہ خانہ خاص سے عطا کر دیجائے . میرزا صاحب رامپور سے ۷ شعبان سنہ ۸۲ ھ مطابق ۲۶ دسمبر ۶۵ ع کو علائی کے خط میں لکھتے ہیں :

و مجھ سے ہندی کی چندی سن . ایک غلیل حضور تو دینی کی ہو ۰۰ (۳)

بعد ازاں اسی غلیل کے متعلق ۲۵ شعبان مطابق ۱۳ جنوری سنہ ۶۶ ع کو لکھا ہے :
واب چلتی سے ایک ہفتہ پہلے تم تو غلیل مانگی . بھائی کیا بتاؤں ، کہ کتنی جستجو کی . کین ہم نہ پہنچی . دس روپیہ تک مول کو نہ ملی . نواب صاحب سے مانگی . توشہ خانہ میں بھی نہ تھی ۰۰ (۴)

۱۱ جولائی سنہ ۶۱ ع مطابق غرہ محرم سنہ ۷۸ ھ کو میرزا صاحب نے آمون کی فرمایش کی تھی . اس کے جواب میں نواب فردوس مکان نے تحریر فرمایا :

» در بارہ ترسیل انہہای کی ، کہ زیب ترقیم فرمایا ہو ، حال یہ ہو کہ اس سال بہار انہہ کی باغات اس سرکار میں بہت قلیل اور کم رہی . اور علاوہ اسکی عجب کیفیت اون میں پیدا ہوئی کہ قابل رکھنی دو چار دن کی نہ تھی . یعنی در صورت رکھنی کی خراب اور بوسیدہ ہو جاتی تھی . اس سبب سے بھینچنا انہہہای کا متصور نہوا . ظہور اس امر کا بعالم مجبوری تصور فرمائی . »

دیگر خدمات

میرزا صاحب سرکار کی دیگر خدمات بجا لانے کیلئے بھی ہر وقت تیار رہتے . ۱۰ ربیع الاول سنہ ۸۱ ھ مطابق ۱۴ اگست سنہ ۶۴ ع کو نواب فردوس مکان نے تحریر فرمایا :

» درینو شب سہای ساہو رھنیوالی رامپور کی بغرض علاج چشم دہلی گئے ہیں . آپ اطباء دہلی کو دکھا کر علاج کرا دیں . یہ متوسل اس سرکار کی ہیں . »

میرزا صاحب نے ساہو صاحب کا دلی میں بخوبی علاج کرا دیا .

جولائی سنہ ۶۷ ع میں نواب خلد آشیان نے مرزا رحیم الدین بہادر حیا سے لکھوایا کہ دلی کے فاضل شطرنج باز کو رامپور روانا کر دیجئے . میرزا صاحب نے اوسکو خرچ دیگر روانہ کیا اور اطلاعاً نواب صاحب کی خدمت میں لکھا :

» بموجب تحریر میرزا رحیم الدین بہادر حیا کے فاضل شطرنج باز کو خرچ دیگر روانہ کیا . (۱) »

سرکار کا طریق خطاب

سرکاری فرامین میں میرزا صاحب کو مساویانہ مخاطب کیا جاتا تھا . چنانچہ القاب ، آداب اور خاتمہ ، ہر جگہ مساوات و محبت کا لحاظ پایا جاتا ، اور علی العموم فرمان کا انداز یہ ہوتا ہے :

» نوابصاحب مشفق مہربان کرمفرمای مخلصان سلمہ اللہ تعالیٰ . بعد اشتیاق مواصات موفور المہرت کہ متجاوز التحریر ہی مشہود ضمیر مودت تخفیر کی ہو زیادہ جمعیت و نشاط ہو . »

اثنای مطالب میں جہان میرزا صاحب کے خط کا حوالہ آیا ہے وہاں اونکے مکتوب کو » سامی صحیفۃ لطف آگین « یا » نیمیۃ انیقۃ بلاغت مشحون « یا دیگر تعظیمی الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے . اسطرح ہر جگہ لفظ » مشفقا « سے

تخاطب نظر آتا ہے۔ ان روام و آداب سے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ سرکارِ رامپور سے میرزا صاحب کے تعلقات کی نوعیت کیا تھی۔

میرزا صاحب کا طریق خطاب

خود میرزا صاحب کے عرایض کے القاب، آداب اور خاتمہ بھی اس پر شاہد ہیں کہ اس رشتہ کی بنا احسان و عنایت سے زیادہ محبت و خلوص پر تھی۔ چنانچہ میرزا صاحب نے تقریباً تمام عرایض میں »ولی نعمت« سے مخاطب کیا ہے، اور »بعدِ تسلیم معروض ہے« سے اظہارِ مطلب شروع کر کے »زیادہ حدِ ادب« پر عریضہ کو ختم کر دیا ہے۔ خاتمہ میں صرف دو دعائیہ شعر پائے جاتے ہیں، جن میں سے کبھی ایک کبھی دوسرا خط کی زینت بڑھاتا رہتا تھا۔ یہ بھی بناوٹ اور تصنع سے دوری و نفرت پر دلالت کرتا ہے۔

میرزا صاحب کو رامپوری شاگرد

میرزا صاحب کے خطوط میں رامپور کے صرف ایک ایسے بزرگ کا ذکر آیا ہے، جو اون سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ یہ صاحبزادہ سید عباس علیخان بہادر ابن نواب سید عبد العلیخان بہادر، نواب فردوس مکان کے حقیقی چچازاد اور نسبتی بھائی، اور نواب خلد آشیان کے حقیقی مامون تھے۔ بیتاب تخلص کرتے اور میرزا صاحب سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ میرزا صاحب نے میان داد خان سیاح کو ۲۳ اپریل سنہ ۱۸۶۷ ع کو لکھا ہے:

»میں اب محض نکا ہو گیا۔ خدا جھوٹ نہ بلواؤ۔ پچاس جگہ سی اشعار واسطو اصلاح کو آؤ ہوی بکس میں دھری ہیں۔ از انجملہ تین صاحبون کو نام تنکو لکھتا ہوں۔ سر ابراہیم علیخان صاحب، میر عالم علیخان صاحب، نواب عباس علیخان رئیس حال رامپور کو حقیقی مامون « (۱)

انشایِ غالب

میرزا صاحب کے عہد تک ہندوستان کا تعلیم یافتہ طبقہ فارسی زبان میں اظہارِ خیالات پسند کرتا، اور دیسی زبان کا پایہ اپنے مرتبہ سے فروتر جانتا تھا۔ عرصہ دراز تک میرزا صاحب بھی اسی روشِ عام کے دلدادہ رہے۔ لیکن رفتہ رفتہ انکی فارسی خط و کتابت کی جگہ اردو نے حاصل کرنی شروع کردی، جو آخرِ عمر تک پہنچکر انکے اظہارِ خیالات کا واحد ذریعہ ہوگئی۔

اردو انشا کا آغاز اور خواجہ حالی کی رائے

اردو مراسلت کی ابتدا کے متعلق میرزا صاحب کا کوئی تصریحی بیان موجود نہیں۔ البتہ خواجہ حالی مرحوم تحریر فرماتے ہیں:

معلوم ہوتا ہے کہ میرزا سنہ ۱۸۵۰ ع تک ہمیشہ فارسی میں خط کتابت کرتے تھے۔ مگر سنہ مذکور میں، جبکہ وہ تاریخ نویسی کی خدمت پر مامور کئے گئے، اور ہمہ تن مہرِ نمرورز کی لکھنی میں مصروف ہو گئے، اسوقتِ بضرورت انکو اردو میں خط کتابت کرنی پڑی ہوگی۔ وہ فارسی نثرین اور اکثر فارسی خطوط، جن میں قوتِ متخیلہ کا عمل اور شاعری کا عنصرِ نظم سے بھی کسبِ قدر غالب معلوم ہوتا ہے، نہایت کاوش سے لکھتے تھے۔ پس جب انکی ہمت مہرِ نمرورز کی ترتیب و انشا میں مصروف تھی ضرور ہی کہ اسوقت اوںکو فارسی زبان میں خط کتابت کرنی اور وہ بھی اپنی طرزِ خاص میں شاق معلوم ہوتی ہوگی۔ اسلئے قیاس چاہتا ہے کہ انہوں نے غالباً سنہ ۵۰ ع کے بعد ہی اردو زبان میں خط لکھنے شروع کئے ہیں۔ (۱)

میر صاحب کا اختلاف

مولانا غلام رسول مہر کو خواجہ صاحب کی رائے سے اختلاف ہے۔ اونکے نزدیک میرزا صاحب کی اردو مراسلت سنہ ۱۸۵۰ ع سے قبل شروع ہوچکی تھی۔ لیکن وہ اسلئے ضایع ہوگئی کہ اسوقت کے اہل علم اردو کو اہمیت نہیں دیتے تھے۔ مولانا کے وجوہِ اختلاف حسبِ ذیل ہیں:

... اول مہر نیمروز کوئی بڑی کتاب نہیں جسکی ترتیب میں غالب کی اوقات کا بیشتر حصہ صرف ہوتا ہوگا۔ یہ کتاب انہوں نے کم و بیش پانچ برس میں مرتب کی، موجودہ مطبوعہ صورت میں اسکی ۱۱۸ صفحہ ہیں۔ اس میں ظاہر ہے کہ باعتبار اوسط وہ سال بھر میں زیادہ سے زیادہ پچیس صفحات لکھتی رہی، اور یہ غالب جیسی قادر الکلام اور مشاق نثر نگار کیلئے کوئی بہت بڑا کام نہیں ہے، جسکی تکمیل کی خاطر انہیں فارسی خط و کتابت ترک کرنی پڑی ہو۔

دوسری خط و کتابت میں انکا عام انداز پیچیدہ اور الجھا ہوا نہ تھا۔ بلکہ جو کچھ لکھتی تھی عموماً بلا تکلف لکھتی تھی۔ اردو خطوط کی طرح فارسی خطوط میں بھی تکلفات سے آزادگی ہر مقام پر ظاہر ہے۔ انہوں نے پنج آہنگ، کی آغاز میں نثر نگاری کی جو خصائص بیان کئے ہیں ان میں ظاہر ہے کہ وہ ابتدا ہی سے صحیح راستہ پر گامزن تھیں۔ اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہر فارسی خط کی لفظ لفظ پر گھنٹوں مصروف فکر رہتی تھی۔

تیسری انکی فارسی مکاتیب میں ایک خط منشی جواہر سنگھ جوہر کی نام ہے، جس میں سر کیائی لنگی کی فرمائش کی ہے۔ اس خط کی آخر میں مطبوعہ پنج آہنگ، میں یکم دسمبر سنہ ۱۸۴۸ع مطابق چہارم محرم سنہ ۱۲۵۱ھ ثبت ہے۔ ہجری اور عیسوی تاریخ میں مطابقت نہیں ہوتی۔ جس میں ظاہر ہوتا ہے کہ کم از کم ایک تاریخ ضرور غلط ہے۔ اگر تاریخ ہجری کو سنہ ۱۲۵۱ھ کی بجائے سنہ ۱۲۶۱ھ رکھا جائے تو عیسوی تاریخ سنہ ۱۸۴۵ع ہونی چاہئے۔ میرا خیال ہے کہ یہی صحیح ہے۔ ان کی اردو معنی کی ایک خط میں بھی منشی جواہر سنگھ سے لنگی کا تقاضا موجود ہے۔ وہ فرماتے ہیں: "کیون صاحب وہ ہماری لنگی اٹک کیون نہیں آئی۔ بہت دن ہوئی جب تم نے لکھا تھا کہ اسی ہفتے بھیجوںگا۔" یہ دونوں خط لازماً ایک دوسری سے قریب کے زمانوں میں لکھے گئے ہونگی۔ میرا خیال ہے کہ غالب سنہ ۱۸۵۰ع میں قبل اردو خط و کتابت شروع کر چکی تھی۔ لیکن چونکہ اس زمانہ میں اردو نثر کو اہل علم زیادہ بلند پایہ نہیں دیتے تھے۔ اسلئے وہ خط غفوط نہ رہ سکی۔ لیکن جیسے جیسے اردو کا رواج بڑھتا گیا اور فارسی کا رواج کم ہوتا گیا غالب کی خط و کتابت فارسی کے بجائے اردو میں زیادہ ہوتی گئی۔ (۱)

وجوہ میں کلام

میری ناقص رائے میں مولانا مہر کے وجوہ اختلاف میں کلام کی گنجائش موجود ہے۔ اونکی پہلی دلیل کے متعلق یہ عرض ہے کہ میرزا صاحب کے زمانہ تک جس قسم کی فارسی زبان ایران و ہندوستان میں مروج تھی، اوسکی بہترین مثالیں ابوالفضل، ظہوری، جلالی طباطبائی، میرزا طاہر وحید وغیرہ اہل قلم کی تصنیفات ہیں۔ یہ سب بزرگ اپنے کلام کی زینت و شکوہ

چونکہ میرزا صاحب نے قدیم شاہراہ سے ہٹکر ایک نئی روش اختیار کی تھی، اسلئے اونہیں قدم قدم پر وہ تمام مشکلات پیش آتی ہونگی، جو پرانی طرز کے تارک اور نئے انداز کے موجد کو پیش آیا کرتی ہیں۔ اور چونکہ میرزا صاحب رسم عام کے برخلاف عربی الفاظ کے استعمال سے بھی حتی المقدور احتراز کیا کرتے تھے، حتی کہ اونکی اکثر تحریروں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کاتب نے ایک پیش پا افتادہ عربی لفظ ترک کر کے بالقصد فارسی نثراد لفظ استعمال کیا ہے، پس کس طرح باور کیا جاسکتا ہے کہ قطع نظر اور تمام تحریروں سے خود »مہر نیمروز« کی تالیف میں بھی میرزا صاحب نے کافی غور و خوض کی ضرورت محسوس نہ کی ہوگی۔ خصوصاً جبکہ »مہر نیمروز« اکبر نامہ

کے مقابلہ میں لکھی جا رہی تھی اور انہیں ایک مسلم الثبوت استاد سے بازی لیجانا منظور تھا۔

ان دشواریوں کی تصدیق خود میرزا صاحب کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ انہوں نے »مہرِ نیمروز« کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں نے اپنی عمر کا گزشتہ حصہ بادہ خواری و نظم نگاری میں بسر کیا تھا۔ اگر کبھی ضرورتاً نثر نگاری کا اتفاق ہوا تو شرکو نظم ہی کے مستانہ انداز میں لکھا۔ بنا برین سلاطینِ تیموریہ کی تاریخ جس اندازِ نگارش کی مقتضی ہے اس ابتلا و پریشانی کے زمانہ میں، کہ دل افسردہ اور تن خستہ ہے اور یہ حال ہے کہ

»نگارش اگر ہمہ یک صفحہ بیش نبود، بیش از آنکہ انجام گیرند و ہم پیچیدن ورق را
مہنگم آید انامل ہم پیچد، و کلک از بنان فرود افتد۔۔ (۱)

مجھ سے اسکا انصرام ممکن نہیں۔ لہذا یہ کس طرح مناسب ہوگا کہ روزگار یہ فیصلہ کر لے کہ

»در فسانہ سرائی آوازہ ساز مرا اندازہ و اندازہ انداز مرا آزمودن برگردد۔۔ (۱)

بہر حال میں

»از کار فرمائی این نگارش سپاس پزیرم، کہ بہر داختن این نقط، کہ خود را چون سایہ باز میں
ہموار ساختہ ام تا پرداختہ ام، و بہ انگیزختن این نقش کہ چشم و دل و نگاہ و نفس بام
آمیختہ ام، تا انگیزختہ ام، دست از کارهای دگر کوتاہ است و دل از اندیشہ های دگر
برکنار۔۔ (۲)

میرزا صاحب کی اس تصریح کے بعد کہ »میں نے اس روش کے نبانے میں اپنے آپکو سایہ کی طرح زمین پر بچھا دیا تھا، اور اس نقش کی درستگی میں چشم و دل و نگاہ و نفس سب کو لگا دیا تھا، تب اسکی سرانجام سے عہدہ برآ ہوا ہوں، اس خیال کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ »یہ غالب جیسے قادر الکلام اور مشاق نثر نگار کیلئے کوئی بہت بڑا کام نہیں ہے۔«

اب یہ مسئلہ باقی رہ جاتا ہے کہ کیا میرزا صاحب نے ۲۵ صفحے فی سال کے

حساب سے » مہرِ نیمروز « کی تالیف پر صرف کئے۔ واقعات اسکے خلاف ہیں۔
 » پنج آہنگ « میں منشی جواہر سنگھ جوہر کے نام ایک خط درج ہے جو ۱۱ جون
 سنہ ۱۸۵۲ ع کو لکھا گیا تھا۔ اس میں میرزا صاحب نے » مہرِ نیمروز « کے
 مسودہ کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

» مسودہ روزنامہ روداد اورنگ نشینان چغتائیکہ بدست ہیرا سنگھ روان داشتہ ایم و هنوز
 از رسیدنش نشان نیافتہ ایم۔ اگر رسیدہ است بنویسند۔ ورنہ از ہیرا سنگھ باز پرس کنند۔ « (۱)

اس خط سے واضح ہے کہ میرزا صاحب نے سنہ ۱۸۵۰ ع میں » مہرِ نیمروز «
 شروع کر کے ۱۱ جون سنہ ۵۲ ع سے قبل تمام کر لی تھی۔ اسکے بعد کا زمانہ،
 جو تقریباً دو برس یا اس سے کچھ زائد ہے، نظرِ ثانی میں گزرا، اور جب
 میرزا صاحب نے اپنے احباب کو کتاب دکھا کر داد لیلی تب بادشاہ کے حضور میں
 اوسے پیش کیا۔ اس صورت میں ۲۵ صفحہ فی سال کے بجائے ۵۹ صفحات فی
 سال یا ۵ صفحے فی ماہ ہوتے ہیں، جو اور زیادہ ہو جائینگے، اگر صحیح
 علم ہو جائے کہ میرزا صاحب نے ۱۱ جون سنہ ۵۲ ع سے کتنا عرصہ پہلے کتاب
 ختم کر دی تھی۔

مولانا کی دوسری وجہ کے بارے یہ گزارش ہے کہ » پنج آہنگ « کے
 دیباچہ میں میرزا صاحب نے جس روش کے خلاف صدایِ احتجاج بلند کی
 ہے، وہ انشایِ خلیفہ، انشایِ مادھورام، اور انشایِ ہرکرن جیسی ہندیانہ
 کتابوں سے ملکِ میں رواج پزیر ہو کر اس درجہ مقبولِ خاص و عام خیال
 کیجائے لگی تھی، کہ اوسکے خلاف قدم اٹھانا معاشرتی و علی گناہ تسلیم
 کیا جاتا تھا۔ میرزا صاحب اسکے طبعی مخالف تھے اسلئے اونیہوں نے
 » پنج آہنگ « کے دیباچہ میں، جو دراصل مستدیون کیلئے تالیف کی گئی تھی،
 یہ مشورہ دینا مناسب خیال کیا کہ

» این پارسی آمیختہ بتازی را در کشاکش تصرفات ہندی زبانان پارسی نویس ضایع نگاراد۔

(۱) کلیاتِ ثر فارسی، ص ۲۵۰۔ مسٹر محمد اکرام فی غالب نامہ، ص ۱۱۴ میں اس خط کو مولوی رجب
 علیخان کی نام لکھ دیا ہو۔ حالانکہ مولوی صاحب کا نام صرف خطِ ماقبل کو آخر میں آیا ہو۔

و لغات عربی جز بقدر بایست صرف نناید. و پیوستہ در آں کوشید کہ سادگی و نفزی
شعار او گردد. (۱)

اس کا یہ مطلب کسی طرح نہیں قرار دیا جاسکتا کہ خود اونکی اپنی انشا بھی
تکلفات سے آزاد ہے۔ کیونکہ اگر القاب و آداب اور دیگر الفاظ عربی سے
قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو اونکی انشا ادائی مطلب میں سراسر تکلف
سے پُر اور عام انداز سے اسقدر علیحدہ ہے، کہ تا وقتیکہ نگاہ و فکر اوس سے
اخذِ مطلب کے عادی نہوجائیں، انسان سہولت کیساتھ مطلب تک نہیں پہنچ
سکتا۔ اسی سبب سے میرزا صاحب کے پہلے عریضہ کے جواب میں نواب
فردوس مکان جیسے ادیب کو یہ لکھنا پڑا تھا کہ

مخلص را لیل و نہار معنی اخبار تصور فرمودہ اکثر باصاں نایق انایق خیریت وثایق بعبارت
سلیس کہ در خواندش تاملی بوقع نیاید مسرور و مطمئن میفرمودہ باشند. (۲)

علاوہ ازیں خود میرزا صاحب اسکے معترف ہیں کہ ایامِ پیری میں اون سے
اپنی روشِ خاص نہیں نہہ سکی۔ چنانچہ مولوی عبدالرزاق شاکر کو فارسی
خط کی فرمایش کے جواب میں لکھتے ہیں :

بندہ نواز! زبان فارسی میں خطوں کا لکھنا پہلی سی متروک ہو۔ پیرانہ سری و ضعف ک
صدموں سی بخت پڑوہی و جگر کاوی کی قوت مجھ میں نہیں رہی۔ حرارت غریزی کو زوال
ہو اور یہ حال ہی،

مضمحل ہوگئی قوی غالب * وہ عناصر میں اعتدال کہان

کچھ آپ ہی کی تخصیص نہیں۔ سب دوستوں کو جن سی کتابت رہتی ہو اردو ہی میں نیازنامو
لکھا کرتا ہوں۔ جن صاحبوں کی خدمت میں آگئی میں نو فارسی زبان میں خطوط و مکاتیب
لکھو اور بھیجی تھی، اون میں سی جو صاحب الی الان ذبیحات و موجود ہیں اون سی بھی
عندالضرورت اسی زبان مروج میں مکاتیب و مراسلت کا اتفاق ہوا کرتا ہی۔ ... پس امیدوار
ہوں کہ آپ انہیں نذوور محقرہ یعنی تحریرات روزمرہ اردوی سادہ و سرسری کو غنیمت
جانکر قبول فرماؤ رہیں. (۳)

اس خط میں میرزا صاحب نے فارسی مراسلت ترک کرنے کی وجہ یہ

قرار دی ہے کہ

(۱) کلیات نثر فارسی، ص ۵ (۲) مکاتیب غالب، ص ۴، حاشیہ نمبر ۱ (۳) اردوی معلی،

» پیرانہ سری و ضعف کی صدموں سے سخت پژوہی و جگر کاوی کی قوت مجھ میں نہیں رہی ۔
اسکے بعد شا کر صاحب کو یہ بھی اطمینان دلایا ہے کہ جن اصحاب سے پہلے
فارسی میں خط و کتابت رہا کرتی تھی اونہیں بھی اب اردو ہی میں خط
لکھا کرتا ہوں ۔ اس صورت میں مولانا حالی کا یہ خیال کہ » مہرِ نیمروز
کی تالیف کے زمانہ میں اردو مراسلت شروع کی « بعید از وقوع نہیں معلوم
ہوتا ۔ اسلئے کہ جب میرزا صاحب معمولی فارسی مکاتبت میں اسدرجہ جگر
کاوی سے کام لیا کرتے تھے کہ ایامِ پیری میں ، جبکہ اونکی مشقِ پارسی
نگاری پختہ ہو چکی تھی ، اس بار کے اوٹھانے کیلئے آمادہ نہیں تھے ، تو
» مہرِ نیمروز « کی تالیف کے زمانہ میں دو بوجہ کس طرح اوٹھاتے ۔

مولانا مہر کی تیسری وجہ میں صرف اسقدر کلام ہے کہ میرزا صاحب
کے فارسی مکاتیب بنام جواہر سنگھ میں سے ایک خط یقینی سنہ ۵۰ ع سے
بعد کا ہے ۔ دوسرا بھی ، جس میں میرزا صاحب نے لکھا ہے کہ بادشاہ کی
علالت کیوجہ سے قصیدہٴ تہنیتِ عید پیش کرنیکا موقع نہ ملا ، سنہ ۵۰ ع کے
بعد کا معلوم ہوتا ہے ۔ اسلئے کہ اس میں میرزا صاحب نے بادشاہ کی بیماری
کے سلسلہ میں لکھا ہے :

» تا دیگر چہ رونماید ، و بر من ، کہ در سایہ دیوارش غنودہ ام ، چہ رود ۵۰ « (۱)

ظاہر ہے کہ یہ الفاظ اوسی وقت زیادہ بھلے نظر آتے ہیں جب میرزا صاحب
کے قلعہ سے تعلقات صرف دوستانہ نہوں ، ملازمت کا سلسلہ بھی قائم ہو چکا ہو ۔
اب تیسرا خط رہتا ہے ۔ مولانا مہر کے خیال میں اس خط کی تاریخہائی
عیسوی و ہجری دونوں غلط ہیں ۔ صحیح تاریخ یکم دسمبر سنہ ۱۸۴۵ ع مطابق
۴ محرم سنہ ۱۲۶۱ ھ ہونی چاہیے ۔ میری ناقص رای میں مولانا کا یہ
خیال درست ہے کہ ہجری اور عیسوی سنین میں تطابق نہیں ۔ مگر یہ نادرست
ہے کہ دونوں سنہ غلط ہیں ۔ اسلئے کہ میرزا صاحب نے دونوں سنوں کیساتھ

تاریخین بھی لکھی ہیں۔ کتاب تشریح السنین سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳۱ دسمبر سنہ ۱۸۴۵ ع کو یکم محرم سنہ ۱۲۶۲ ھ تھے۔ اس حساب سے یکم دسمبر سنہ ۴۵ ع کو یکم محرم سنہ ۶۱ ھ نہیں ہوسکتے۔ اسی کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ۴ محرم سنہ ۱۲۶۵ ھ یکم دسمبر سنہ ۱۸۴۸ ع کے مطابق تھی۔ لہذا ہمیں میرزا صاحب کی عیسوی تاریخ و سنہ کو درست ماننا پڑیگا۔ اور ہجری تاریخ و ماہ بھی صحیح ہونگے۔ صرف ہجری سنہ کو غلط تسلیم کر لینگے۔ یعنی سنہ ۵۱ ھ کے بجای ۶۵ ھ صحیح سنہ ہوگا۔

اور جب یہ ثابت ہوچکا کہ میرزا صاحب کا وہ فارسی خط، جس میں لنگی کا ذکر آیا ہے، دسمبر سنہ ۴۸ ع کا مکتوبہ تھا، اور یہ بھی خود میرزا صاحب نے اپنے اردو خط میں لکھا ہے کہ »بہت دن ہوئے جب تم نے لکھا تھا کہ اسی ہفتہ میں بھیجوںگا«^(۱) تو پھر کوئی محال عقلی لازم نہیں آتا اگر آپ یہ تسلیم کر لیں کہ میرزا صاحب نے سنہ ۵۰ ع میں یہ اردو خط لکھا تھا۔ اسلئے کہ ان دونوں خطوں کے درمیان صرف ایک سال کا فصل ہے۔ اور فقرہ »بہت دن ہوئے« ایک یا ڈیڑھ سال کے وعدہ کے متعلق بسہولت استعمال کیا جاسکتا ہے۔

میرزا صاحب کا بیان

اگرچہ اردو مراسلت کے آغاز کے متعلق میرزا صاحب کا کوئی قطعی بیان ہمارے پاس موجود نہیں؛ لیکن »پنج آہنگ« کے خاتمہ میں فارسی مراسلت بالکل ترک کر کے صرف اردو میں خط و کتابت کرنیکی تاریخ خود اوفہین نے بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں:

و بزدان داند، و مدعیان دانش را توفیق دانستن دهد تا داند، کہ خامہ غالب سیہ نامہ مسلک دشوار گزار پارسی آمیختہ بازی را بکدام دلاویز رفتار پیموده اہست۔ درین شصت و ہشت سالہ زندگی کہ جزو در بازی وکل در سخن طرازی گزشت و بسا گزین روشہا در نثر انظر فروز آمد از دو سال در بند آن بودم کہ... دیگر در خامہ فرسائی انداز خود تمامی فرو ہم... پنجاہ سال فی بی برگ را

بہ ہنجار اور امہ سرایان پارس بہ نوا داشته ام . اکنون آن روش فروگذاشته ام . سپس
ما فی الضمیر را ، کہ بر یاران نزدیک و دور عرضه باید داد ، در زبان اردوی و آن ہم سرمری
و از تکلف بری رقم خواهم کرد ، تا زندگی آسان گردد . (۱)

یہ خاتمہ سنہ ۱۲۸۰ ھ (۱۸۶۳ ع) میں لکھا گیا تھا ، جبکہ میرزا صاحب کی
عمر ۶۸ سال کی تھی . اس ۶۸ سالہ زندگی میں سے ۱۶ سال کھیل کود میں
گزار کر ۱۲۲۸ ھ (۱۸۱۳ ع) سے ادبی زندگی کا آغاز کیا تھا ، اور تقریباً ۵۰
سال فارسی نظم و نثر لکھتے رہے تھے . لیکن سنہ ۱۲۸۰ ھ (۱۸۶۳ ع) سے
دو سال قبل سنہ ۷۸ ھ (۶۱ ع) میں یہ عزم کیا تھا کہ اب فارسی آمیختہ و نا آمیختہ
بتازی کو ترک کر کے سادہ اردو میں اظہار مطالب کرینگے . کیونکہ فارسی
کیلئے جس فراغ خاطر و قوت دماغ کی ضرورت تھی غلبہ پیری کے سبب
میرزا صاحب اوس سے محروم ہو چکے تھے . اردوی معلیٰ اور عود کے مختلف
خطوط سے اسکی تصدیق بھی ہوتی ہے ، کہ میرزا صاحب نے سنہ ۷۸ ھ
(۶۱ ع) سے قبل ہی فارسی نگاری سے احتراز کرنا شروع کر دیا تھا . قاضی
عبدالجلیل صاحب بریلوی کو لکھتے ہیں :

فارسی کیا لکھوں ؟ یہاں ترکی تمام ہی . اخوان و احباب یا مقتول یا مفقود الخبر . ہزار آدمی کا
ماتمدار ہوں . آپ غمزدہ اور آپ غمگسار ہوں . اس سے قطع نظر کہ تباہ اور خراب ہوں مرنا
سر پر کھڑا ہی . پارکاب ہوں . (۲)

اس خط میں میرزا صاحب نے اپنی وفات کی تاریخ « غالب مرد » کا بھی تذکرہ
کیا ہے ، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسکی تاریخ کتابت سنہ ۷۷ ھ (۶۰ ع)
سے قبل ہے .

مولانا محمد عباس رفعت بھوپالی کو ۴ ربیع الاول سال « رستاخیز » (۱۲۷۸ ھ
مطابق ۱۸۶۱ ع) کو تحریر کرتے ہیں :

از دیر باز بہ نظم و نثر نمی گرایم . نظم خواہی پارسی و خواہی اردو خوابی ست فراموش .
نامہ در پارسی نوشتن نیز آئین نیامدہ . ہرچہ نوشتہ می شود یکدست در اردوست . اینک ...
مولانا عباس ... از بھوپال فرمان فرستاد کہ غالب نامہ در پارسی زبان نویسد . یا رب !

فرمان چون بجا آورم؟ و در نامہ چہ نویس؟ باری نہ از توانائی بنان بلکه از اثر روائی آن فرمان جنبش خامہ لفظی چند کہ بخواندن نیززد بر روی ورق ریخت . (۱)

ان دونوں خطوں میں میرزا صاحب نے ترکِ فارسی نگاری کا سبب غلبۂ رنج و غم اور ضعفِ پیری کو قرار دیا ہے۔ یہی سبب مولوی عبدالرزاق شاہ کے نام کے مکتوب میں بھی ذکر کر چکے ہیں۔ اب اگر ہم تمام دلائل کو سامنے رکھ کر نتیجہ نکالنے کی کوشش کریں تو وہ یہ ہوگا کہ میرزا صاحب ایک ایسے دشوار گزار مسلکِ فارسی نگاری کے موجد تھے، جو اطمینانِ خاطر و توانائیِ دماغ و قلب کا مقتضی تھا۔ سنہ ۱۸۵۰ ع (۱۲۶۶ھ) تک یہ دونوں اسباب میسر رہے اسلئے میرزا صاحب تقریباً اسی زبان میں خامہ فرسائی کرتے رہے۔ لیکن جب سنہ مذکورہ میں بادشاہِ ظفر نے تاریخ نگاری کی خدمت سپرد کی اور فراغِ خاطر میں کمی ہو گئی، تو میرزا صاحب نے فارسی کیساتھ اردو نثر کو بھی نوازا نا شروع کیا۔ سنہ ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۴ ع) میں ذوق کا انتقال ہوا تو اصلاحِ کلام بھی میرزا صاحب کے سپرد کی گئی، اور یہ فرصت سے بالکل محروم ہو گئے، جسکے سبب مسلکِ فارسی کی گامزنی کیلئے اور کم وقت میسر آنے لگا اور اردو کو مزید غلبہ حاصل کرنیکا موقع ملا۔^(۲) سنہ ۵۷ ع کے بعد ہجومِ مصائب و آلام نے اطمینانِ خاطر کا قطعی خاتمہ کر دیا۔ نیز افکار کی زیادتی اور معاشی پریشانی کے سبب رفتہ رفتہ امراضِ مستولی ہوتے گئے۔ اب اردو نہایت سرعت کیساتھ انکی انشا پر چھانے لگی، تا آنکہ سنہ ۱۲۷۸ھ (۱۸۶۱ ع) میں میرزا صاحب کو عزم کرنا پڑا کہ آئندہ فارسی میں نظم و نثر کچھ نہ لکھیں گے۔ لیکن اس عہد کی عملی تکمیل سنہ ۱۸۶۵ ع میں ہوئی۔

(۱) انشای نور چشم، ص ۵۱ (۲) میرزا صاحب نے سنہ ۵۷ ع میں پہلی سید غلام حسین قدر بلگرامی کو اپنی مصروفیت کا حال لکھا ہے۔ فرماتے ہیں: ”رہا جواب کا لکھنا۔ کاش آپ بیان ہوتی اور میرا حال دیکھتی۔ ہر روز صبح کو قلعہ جانا اور دوپہر کو آنا۔ بعد کھانا کھانے کی حضرت کی مسودوں کا درست کرنا۔ احباب کی خط لکھنے کی فرصت بہت کم ہاتھ آتی ہے (اردو میں معنی لاہور ایڈیشن ضمیمہ سرخوش)۔ یہ اردو خطوط کی جوابات کی متعلق معذرت ہے۔ ایسی حالت میں فارسی نگاری کی مہلت ملنے کی امید رکھنا کس طرح قرین صواب ہو سکتا ہے۔

چنانچہ آج ہمارے پاس سنہ مذکورہ کے بعد کی فارسی تحریریں کالمعدوم ہیں۔

مجھ پر اردو کی فرمائش

میرزا صاحب اپنے عہد کے ممتاز فارسی ادیب تھے، اور اکثر اربابِ علم و فضل کی طرح اسی کو سرمایہٴ نازش و افتخار خیال کرتے تھے۔ جب بعض معاصرین نے اپنی اردو شاعری کے بل بوتے پر انکی ہمسری کا دعویٰ کیا، تو انہیں اپنے کلامِ اردو کی تمام خوبیوں سے قطعِ نظر کر کے میدانِ سخن کے ان یکہ تازوں سے کھدینا پڑا:

فارسی بین، تا بہ بینی نقشہای رنگ رنگ * بگزر از مجموعهٴ اردو کہ بیرنگ منست
راست میگوم من، و از راست سرتوان کشید * هر چه در گفتار غر تست آن رنگ منست، (۱)

میرزا صاحب کا یہ خیال نظمِ اردو ہی تک محدود نہ تھا۔ وہ شہِ اردو کو بھی اپنے پایہٴ کمال سے فروتر جانتے تھے۔ چنانچہ منشی شیونرین اکبر آبادی کے توسط سے ہنری اسٹوارٹ ریڈ صاحب نے شہِ اردو کی فرمائش کی، تو میرزا صاحب نے منشی صاحب کو لکھا:

مگر بھائی تم غور کرو، اردو میں اپنے قلم کا زور کیا صرف کرونگا، اور اوس عبارت میں معانی نازک کیونکر بھرونگا۔ (۲)

انہیں کو دوبارہ لکھا ہے:

جناب ریڈ صاحب صاحبی کرتی ہیں۔ میں اردو میں اپنا کمال کیا ظاہر کر سکتا ہوں۔ اوس میں گنجائش عبارت آرائی کی کہاں ہو۔ بہت ہوگا تو یہ ہوگا کہ میرا اردو بہ نسبت اوروں کی اردو کی فصیح ہوگا۔ (۳)

سہ بارہ پھر انہیں کو لکھا ہے:

میان! اردو کیا لکھوں۔ میرا یہ منصب ہو کہ مجھ پر اردو کی فرمائش ہو۔ (۴)

نظم و نثر مہل متع ہی

لیکن اسکے باوجود میرزا صاحب یہ ضرور جانتے تھے کہ اونکا کلام، نظم ہو یا نثر، حسن و خوبی کے اوس درجہ پر پہنچ چکا ہے، جسے علمی

(۲) اردو میں، ص ۳۶۳

(۱) کلیات نظم فارسی، ص ۱۳

(۴) ایضاً، ص ۳۶۷

(۳) ایضاً، ص ۳۶۶

بلاغت «سہل ممتنع» کہتے ہیں۔ چنانچہ خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر کے ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں:

«پیر و مرشد! سہل ممتنع اوس نظم و نثر کو کہتی ہیں کہ دیکھنے میں آسان نظر آئے اور اوسکا جواب نہوسکو۔ بالجلہ سہل ممتنع کمال حسن کلام ہو، اور بلاغت کی نہایت ہو۔ ممتنع در حقیقت ممتنع النظیر ہو۔ شیخ سعدی کو بیشتر فقری اس صفت پر مشتمل ہیں۔ اور رشید و طواط وغیرہ شعرا سلف نظم میں اس شیوہ کی رعایت منظور رکھتی ہیں۔ خود ستائی ہوتی ہو۔ سخن فہم اگر غور کریگا تو فقیر کی نظم و نثر میں سہل ممتنع اکثر پائیںگا۔» (۱)

جہانتک میرزا صاحب کی نثر اردو کا تعلق ہے واقعہ یہ ہے کہ وہ شیخ سعدی کی گلستان کی طرح بظاہر اسقدر سہل معلوم ہوتی ہے کہ انسان سمجھتا ہے میں بھی ایسا لکھ سکتا ہوں؛ مگر جب لکھنے بیٹھتا ہے تو ایک جملہ بھی نہیں لکھ سکتا۔ اور یہی کلام کی خوبی و کمال کی آخری حد ہے، جس تک رسائی کیلئے زورِ دماغ سے زیادہ بخششِ معنوی کی ضرورت ہے۔

برتری کا پہلا سبب۔ استعدادِ فارسی

میرزا صاحب کی اردو نثر کی برتری و دلچسپی کے متعدد اسباب ہیں، جن میں سب سے اہم یہ ہے کہ میرزا صاحب ادبِ فارسی کے بے بدل ماهر تھے۔ انہوں نے زبانِ فارسی کے وہ تمام محاسن، جو کئی ہزار نادرہ کار دماغوں کی گیارہ سو برس کی سعی و جانفشانی سے ہم پہنچے تھے، اردو جیسی کم عمر و تہی مایہ زبان کے دامن میں بھر دئے۔ اگر وہ فارسی کے بلند پایہ ادیب نہوتے، تو اپنے کلامِ اردو میں اسقدر جدت، شیرینی اور تناسب پیدا نہکر سکتے۔ اور نہ یہ ممکن تھا کہ اس زمانہ میں، جبکہ تسکینِ ذوقِ ادب کے لئے روزانہ نیا میدان تلاش کیا جا رہا ہے، اور تقریباً ہر سال اردو انشا کا طرزِ ادا بیرونی ادبیات سے نئے اثرات قبول کرتا جاتا ہے، میرزا صاحب کا کلام زبانِ اردو میں پائیدار حیثیت حاصل کر سکتا۔ یہ دراصل زبانِ فارسی کی دولتِ بے پایان تھی، جو میرزا صاحب کی انشا کو میسر آگئی ہے۔ اسی

کے سہارے میرزا صاحب کی حیاتِ ادبی کی بقاء ہے، جو اوسوقت تک ممات سے مبدل نہیں ہو سکتی جب تک اردو زبان بھی فارسی کے برابر قدیم اور ترقی یافتہ نہ ہو جائے۔

دوسرا سبب، خطوط سے تفریح

میرزا صاحب کی کامیابی کا دوسرا سبب یہ ہے کہ اردو مکاتبت اونکے تفریحی مشغولوں کا جزو بن گئی تھی۔ وہ جو کچھ لکھتے تھے اپنا اور مکتوب الیہ کا دل بہلانے کی خاطر لکھا کرتے تھے۔ قدرت نے ظریف طبیعت عطا کی تھی، اسلئے خطوط سے خود لطف اوٹھانے اور دوسروں کیلئے سامانِ انبساط مہیا کرنے میں اونہیں خاطر خواہ کامیابی بھی ہوئی، لیکن غدر سنہ ۵۷ع کے بعد تمام مشاغل میں سے صرف اسی ایک مشغلہ پر انحصار کرنا پڑا۔ یہ دور اہلِ ہند کیلئے عموماً اور دہلی کیلئے خصوصاً سخت ابتلا و مصائب کا دور تھا، جس نے اعزاء و احباب کی بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اوتار کر بقیہ اصحاب کو شہر بدر کر دیا تھا، اور میرزا صاحب ہندوستان کے برِ اعظم میں اپنے آپکو یکہ و تنہا محسوس کرنے لگے تھے۔ اسلئے اس عہدِ افسردگی کو فرحت و انبساط کیساتھ گزارنے کی یہی ایک ترکیب باقی تھی کہ جو دو چار دوست آشنا رہ گئے تھے اون سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔ اس طرح اپنا غم اونہیں سنانے اور اونکا فسانہ خورد سنانے کا موقع ملیگا اور کچھ غم غلط ہو جایا کریگا۔ چنانچہ میرزا صاحب نے یہی کیا۔ اور یہی میر مہدی مجروح، میرزا تفتہ، خراجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر اور چند دیگر اصحاب سے کثرتِ مراسلت کا باعث بھی تھا۔ ان میں سے جسکا خط آتا اوسکو جواب، اور جسکا نہ آتا اوسکو شکوہ و عتاب لکھتے رہتے۔ اس زمانے میں ایکبار ہر گوپال تفتہ نے کوتاہ قلبی سے کام لیا، اور ایک ماہ تک کوئی نیاز نامہ نہ بھیجا، تو میرزا صاحب نے ۱۹ جون سنہ ۵۸ع کو پر حسرت انداز میں لکھا:

”کیون صاحب؟ مجھ سے کیون خفا ہو؟ آج مہینا بھر ہو گیا ہوگا، یا بعد دو چار دن کی ہو جائیگا، کہ آپکا خط نہیں آیا۔ انصاف کرو کتنا کثیر الاحباب آدمی تھا۔ کوئی وقت ایسا نہ تھا کہ میری پاس دو چار دوست نہ ہوتے ہوں۔ اب یاروں میں ایک شیو جی رام پرہمن اور بالکنڈ اوسکا بیٹا یہ دو شخص ہیں کہ گاہ گاہ آتی ہیں۔ اس سے گزر کر لکھنؤ اور کالپی اور فرخ آباد اور کس کس ضلع سے خطوط آتی رہتی تھی۔ اوں دوستوں کا حال ہی نہیں معلوم کہ کہاں ہیں اور کس طرح ہیں۔ وہ آمد خطوط کی موقوف۔ صرف تم تین صاحبوں کی خط کی آتی کی توقع۔ اوس میں وہ دونوں صاحب گاہ گاہ۔ ہاں ایک تم کہ ہر مہینے میں ایک دو بار مہربانی کرتے ہو۔ سنو صاحب اپنی پر لازم کر لو ہر مہینے میں ایک خط بچکو لکھنا۔ اگر کچھ کام آئے دو خط تین خط، ورنہ صرف خیر و عافیت لکھی اور ہر مہینے میں ایکبار بھیج دی۔“ (۱)

اسکے بعد پھر تفتہ سے تاخیر ہوئی، تو میرزا صاحب نے ۱۳ نومبر سنہ ۵۸ ع کو مزاحاً تحریر کیا:

”کیون صاحب؟ کیا یہ آہن جاری ہوا ہے کہ سکندر آباد کی رہتی والی دلی کی خاک نشینوں کو خط نہ لکھیں؟ پہلا اگر یہ حکم ہوا ہوتا تو یہاں بھی تو اشتہار ہو جاتا کہ زہار کوئی خط سکندر آباد کو یہاں کی ڈاک میں نہ جاوی۔“ (۲)

لیکن میرزا تفتہ نے اسکے بعد بھی تساہل سے کام لیا، تو میرزا صاحب نے ۷ دسمبر سنہ ۵۸ ع کو لجاجت سے لکھا:

”کیون صاحب؟ روٹھی ہی رہو گی یا کبھی منوگی بھی۔ اور اگر کسی طرح نہیں منتی تو روٹھی کی وجہ تو لکھو۔ میں اس تنہائی میں صرف خطوں کی بھروسہ جیتا ہوں۔ یعنی جسکا خط آیا۔ میں نے جانا کہ وہ شخص تشریف لایا۔ خدا کا احسان ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا جو اطراف و جوانب سے دو چار خط نہیں آ رہتی ہوں۔ بلکہ ایسا بھی دن ہوتا ہے کہ دو دو بار ڈاک کا ہرکارہ خط لانا ہے۔ ایک دو صبح کو اور ایک دو شام کو۔

میری دلگی ہو جاتی ہے

دن اونکر پڑھتی اور جواب لکھتی میں گزر جاتا ہے۔ یہ کیا سبب دس دس بارہ دن سے تمہارا خط نہیں آیا۔ یعنی تم نہیں آتی۔ خط لکھو صاحب۔ نہ لکھتی کی وجہ لکھو۔ آدھ آتی میں بخل نہ کرو۔ ایسا ہی ہے تو بیرنگ بھیجو۔“ (۳)

لغافى بنا كر دل پہلاؤ

اس زمانہ میں میرزا صاحب غم غلط کرنے کے اسقدر درپے تھے کہ جب خط و کتابت کے بعد بھی وقت بچ رہتا تو آئندہ مراسلت کیلئے لغافے

بنائے لگتے۔ چنانچہ اپنے ایک دوست منشی نبی بخش کے مکتوب مورخہ ۲۲ ستمبر سنہ ۵۸ ع میں لکھتے ہیں :

واللہ ! اللہ ! یہ دن بھی یاد رہیں گی۔ خط یہ خط لکھو گئی ہیں۔ بجو اکثر اوقات لفافہ بنائی میں گزر رہی ہیں۔ اگر خط نہ لکھو لنگا تو لفافہ بناؤ لنگا۔ (۱)

منشی شیو نراین اکبر آبادی کو یہ لفافے دیکھ کر خیال پیدا ہوا کہ میرزا صاحب تنگدستی کی وجہ سے سادہ لفافے بازار سے نہیں خرید سکتے۔ یہ سوچ کر انہوں نے کچھ لفافے بھیجے، اور بذریعہ تحریر ارسال کی اطلاع دی۔ اسکے جواب میں میرزا صاحب نے لکھا :

والفافوں کی خبر پہنچی۔ آپ نے کون تکلیف کی؟ لفافہ بنانا دل کا بہلانا ہی۔ بیکار آدمی کیا کریں۔ پھر حال جب لفافہ پہنچ جائیگا ہم آپکا شکر بجا لائینگے۔ ”ہرچہ از دوست میرسد نیکوست“۔ (۲)

تیسرا سبب۔ خط نہیں باتیں

تیسرا سبب یہ ہے کہ میرزا صاحب نے تحریر کو تقریر کا پیرایہ دیدیا تھا۔ وہ جب کسی دوست کو خط لکھتے، مخاطب میں وہی انداز اختیار کرتے جو مکتوب الیہ سے ملاقات کیوقت زیبا ہوتا۔ اور چونکہ ہر شخص گفتگو میں سادگی، برجستگی اور ظرافت پسند کرتا ہے، اور یہ سب خوبیاں انکی تقریر میں موجود تھیں، اسلئے انکی تحریر میں بھی وہی دلچسپی نظر آتی تھی، جو تقریر میں تھی۔ دراصل میرزا صاحب اس قسم کی مراسلت اختیار کرنے پر مجبور بھی تھے۔ انہیں دور افتادہ دوستوں کو اپنی پریشانیوں سنانی تھیں۔ اگر یہ پریشانیوں قدیم اندازِ تحریر کے لباس میں جلوہ گر ہوتیں، تو مکتوب الیم بہت جلد اوکتا جاتے، اور میرزا صاحب کو مراسلت کا زیادہ موقع نہ ملتا۔ لہذا انہوں نے اپنے تمام خطوط کو مکالمہ بنا کر اوس میں طبعی ظرافت کی تخم ریزی کی، جسکے سبب سے احباب ان کے خطوں کے انتظار میں رہا کرتے اور اجنبی اصحاب طرح طرح سے سلسلہ مراسلت شروع کرنے کی کوشش کرتے۔

چونکہ میرزا صاحب نے یہ طریقہ جان بوجھکر اختیار کیا تھا، اسلئے جب انہیں اسکی کامیابی کا یقین آگیا تو اسکی ایجاد کو نفراً اپنی ذات کیطرف منسوب بھی کیا ہے۔ مرزا حاتم علی مہر کے نام کے ایک خط میں فرماتے ہیں:

مرزا صاحب! میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے۔ ہزار کوس سے بزبان قلم باتیں کیا کرو۔ ہر مین وصال کو مری لیا کرو۔ (۱)

میرزا تفتہ کو لکھا ہے:

دہائی! مجھ میں تم میں نامہ نگاری کا ہو کو می، مکالمہ ہے۔ (۲)

منشی نبی بخش صاحب کو تحریر کیا ہے:

دہائی! مجھ کو اس مصیبت میں کیا ہنسی آتی ہے، کہ یہ تم اور مرزا تفتہ میں مراسلت گویا مکالمت ہوگئی ہے۔ روز باتیں کرتے ہیں۔ اللہ! اللہ! یہ دن بھی یاد رہینگے۔ خط سے خط لکھی گزرتی ہیں۔ غنیمت ہے کہ محصول آدھہ آئے ہے۔ ورنہ باتیں کرنیکا مزہ معلوم ہوتا۔ (۳)

حکیم غلام نجف خان کے خط کے آخر میں لکھا ہے:

اسوقت جی تم سے باتیں کرنیکو چاہا۔ جو کچھ دل میں تھا وہ تم سے کہا۔ (۴)

نواب انورالدولہ بہادر کی خدمت میں بھی اسی طرح عرض کیا ہے:

پیر و مرشد! یہ خط لکھنا نہیں ہے۔ باتیں کرتے ہیں۔ (۵)

انہیں کو ایک خط کے آخر میں لکھتے ہیں:

اب میں حضرت سے باتیں کرچکا۔ خط کو مرنامہ کرکے کہاں کو دیتا ہوں۔ (۶)

خواجہ غلام غوث خان بہادر بینخبر کو لکھا ہے:

اسی افسردگی میں جی چاہا کہ حضرت سے باتیں کروں۔ با آنکہ خط جواب طلب نہ تھا جواب

لکھتی لگا۔ (۷)

میرزا صاحب احباب سے بھی اسی طرح کی مراسلت کے امیدوار تھے۔ اسلئے کوئی اونکے تتبع میں مراسلہ کو مکالمہ کا رنگ دیدیتا تو تعریف کیا کرتے۔ ایکبار مرزا تفتہ نے خط لکھا۔ میرزا صاحب کو اوسکا پیرایہ بیان بیحد پسند آیا۔ چنانچہ اظہار خوشنودی کیلئے انہیں لکھتے ہیں:

جیسے رہو اور خوش رہو۔ زیادہ خوشی کا سبب یہ کہ تمہو تحریر کو تقریر کا پرداز

دیدیا تھا۔ (۸)

(۱) اردوی مغل، ص ۲۵۸ (۲) ایضاً، ص ۵۸ (۳) ایضاً، ص ۲۷۲ (۴) ایضاً، ص ۲۲۶

(۵) ایضاً، ص ۳۱۲ (۶) ایضاً، ص ۲۹۷ (۷) ایضاً، ص ۲۷۶ (۸) ایضاً، ص ۱۰۴

میرزا صاحب کی یہ خصوصیت اونکی انشا پر اسقدر چھا گئی تھی کہ دربار رامپور کی مراسلت میں بھی، جو میرزا صاحب کی سنجیدہ ترین مکاتبت ہے، اسکا اثر نمایاں ہے؛ حتیٰ کہ ایک عریضہ میں میرزا صاحب نے نواب فردوس مکان کو صاف صاف لکھ دیا ہے، کہ

• یہ تحریر نہیں۔ مکالمہ ہی۔ گستاخی معاف کروا کر اور آپ سے اجازت لیکر بطریق انبساط عرض کرتا ہوں، کہ یہ سوا سو روپیہ، جو تودہ و خلعت کی نام سے مرحمت ہوئی ہیں، میں کال کا مارا اگر یہ سب روپیہ کھا جاؤنگا اور اس میں لباس نہ بناؤنگا، تو میرا خلعت حضور پر باقی رہیگا یا نہیں؟ (۱)

مراسلت کا عمد شاہی طرز

میرزا صاحب کے وقت تک اردو فارسی دونوں زبانوں کی خط و کتابت کا انداز یہ تھا کہ شروع میں بھاری بھرکم القاب و آداب لکھے جاتے، زان بعد متعلقین کی خیریت کی اطلاع و استفسار ہوتا اور اسکے بعد استعاروں تشبیہوں اور کنایوں کے پردے میں دو چار مطلب لکھ کر عربی یا فارسی دعائیہ جملے پر خط ختم کر دیا جاتا۔ میرزا صاحب ابتدا سے اس روش کو ناپسند کرتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مکتوب الیہ کے مناسب حال دو چار لفظ کا القاب لکھ کر سیدھے سادھے جملوں میں اظہار مطالب کر دیا جائے۔ » پنج آہنگ « کے دیباچہ میں اس روش سے بیزاری ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

• بیگانگی این روش از شیوۂ غالب مستمند نہ جداست کہ بگفتن نیاز داشته باشد۔ و ادا شناس داند کہ ہنجار من در نگارش این است کہ چون کلمہ و ورق بکف گیرم مکتوب الیہ را بلفظی کہ فراخور حالت اوست در سر آغاز صفحہ آواز دم، و زمرہ سنج مدعا گردم۔ القاب و آداب و خیریت گوئی و عافیت جوئی حشو زائد است۔ و پختگان حشو را دفع نہند۔ (۲)

میرزا صاحب نے مراسلت کی اوس روش کا نام جس میں بڑے بڑے القاب و آداب اور حشو و زوائد سے پُر خیریت گوئی و عافیت جوئی کے جملے ہوتے » محمد شاہی روش « رکھا تھا۔ اور اس سے اسقدر بیزار تھے کہ میر مہدی مجروح کے نام کے ایک خط میں اسکا مضحکہ اڑایا ہے۔ فرماتے ہیں :

”وہاں صاحب ! تم کیا چاہتے ہو؟ مجتہد العصر کے مسودہ کو اصلاح دیکر بھیج دیا۔ اب اور کیا لکھوں۔ تم میری عمر نہیں جو سلام لکھوں۔ میں فقیر نہیں جو دعا لکھوں۔ تمہارا دماغ چل گیا ہو۔ لافافہ کو کریدا کرو۔ مسودہ کو بار بار دیکھا کرو۔ پاؤگی کیا؟ یعنی تمکو وہ محمد شاہی روشن پسند ہیں۔ بیان خیریت ہی۔ وہاں کی عافیت مطلوب ہو۔ خط تمہارا بہت دن کے بعد پہنچا۔ جی خوش ہوا۔ مسودہ بعد اصلاح کی بھیجا جاتا ہو۔ برخوردار میر سرفراز حسین کو دینا، اور دعا کہنا۔ اور ہاں حکیم میر اشرف علی اور میر افضل علی کو بھی دعا کہنا۔ لازماً سعادت مندی یہ ہی کہ ہمیشہ اسطرخ خط بھیجتے رہو۔ کیون سچ کہو اگلوں کے خطوط کی تحریر کی یہی طرز تھی؟ ہاں کیا اچھا شیوہ ہی! جینک یوں نہ لکھو وہ خط ہی نہیں ہو۔ چاہ بڑ آب ہی۔ ابر بڑ باران ہی۔ نخل بڑ میوہ ہو۔ خانہ بڑ چراغ ہو۔ چراغ بڑ نور ہو۔ ہم جانتے ہیں تم زندہ ہو۔ تم جانتے ہو کہ تم زندہ ہیں۔ امر ضروری کو لکھ لیا۔ زوائد کو اور وقت پر موقوف رکھا۔ اور اگر تمہاری خوشنودی اوسطرخ کی نگارش پر منحصر ہو، تو بھائی ساڑھی تین سطریں ویسی بھی مین تو لکھ دین۔ کیا نماز قضا نہیں پڑھو؟ اور وہ مقبول نہوگی؟ (۱)“

نواب انور الدولہ سعد الدین خان بہادر شفق کو خط لکھا ہے۔ اوس مین القاب و آداب سے آغاز کرنے کے بجائے انتہائی پاکیزہ انداز سے اس متعارف طرز کی سبکی اور عدم احتیاج کا اظہار کرتے ہیں۔ ارشاد ہے:

”کیونکر کہوں کہ میں دیوانہ نہیں ہوں؟ ہاں اتنے ہوش باقی ہیں کہ اپنے کو دیوانہ سمجھتا ہوں۔ واہ! کیا ہوشمندی ہو، کہ قبلہ ارباب ہوش کو خط لکھتا ہوں، نہ القاب، نہ آداب، نہ ہندگی، نہ تسلیم؟ سن غالب! ہم تجھے کہتے ہیں، بہت مصاحب نہ بن۔ ای ایاز! حد خود بشناس۔“ مانا کہ تو نہ کئی برس کو بعد نو بیت کی غزل لکھی ہو اور آپ اپنے کلام پر وجد کر رہا ہو۔ مگر یہ تحریر کی کیا روش ہو؟ پہلی القاب لکھ۔ پھر ہندگی عرض کر۔ پھر ہاتھ جوڑ کر مزاج کی خبر پوچھ۔ پھر عنایت نامہ کی آئینا شکر ادا کر۔ (۲)

میرزا صاحب کی روش۔ القاب و آداب

میرزا صاحب کے عہد مین جو روش پسند کیجاتی تھی اوسکے سمجھ لینے کے بعد ضروری ہے کہ خود میرزا صاحب کا انداز مراسلت و مکاتبت دریافت کیا جائے۔ سب سے پہلے القاب و آداب کو لیجئے۔ میرزا صاحب کے ہاں یہ اجزا اسقدر مختصر اور متعارف روش سے جدا ہیں کہ اونہوں نے انکے ترک کردینے کا دعویٰ کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

”پیر و مرشد! یہ خط لکھنا نہیں ہو۔ باتیں کرنی ہیں۔ اور یہی سبب ہو کہ مین القاب

و آداب نہیں لکھتا۔ (۳)

در اصل اونہوں نے القاب و آداب کا پرانا فرسودہ طریقہ ترک کیا تھا۔ یہ نہ تھا کہ مکتوب الیہ کے مرتبہ کا لحاظ کئے بغیر ہر خط کو بغیر القاب و آداب کے شروع کر دیتے ہوں۔ اونہوں نے بزرگ یا بلند مرتبہ اصحاب کو جسقدر خط لکھے ہیں اون سب میں الفاظ اور پرداز کے تنوع کیساتھ یہ دونوں جزو موجود ہیں۔ مثلاً نواب فردوس مکان اور خلد آشیان طاب ثراہما کی خدمت میں جسقدر عرضیاں ارسال کی ہیں اون سب میں بجز ایک کے » حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے « ہوتا ہے۔ صرف چار پانچ عرضیوں میں لفظ (حضرت) ساقط ہو گیا ہے۔

البتہ بے تکلف احباب یا شاگردوں کے نام کے مکاتیب میں تنوع زیادہ ہے۔ کبھی تو سرے سے القاب ہوتا ہی نہیں۔ اور اگر ہے تو » میان، برخوردار، بہائیساحب، سید صاحب، مرزا، میریجان، کیون صاحب، منشی صاحب بندہ پرور، یا اور کسی مختصر اور بے تکلف انداز کے الفاظ میں۔ کبھی کبھی مزاحاً چھوٹوں کو بھی » قبلہ و کعبہ، مولانا، یا پیر و مرشد « لکھ دیا ہے۔ بعض خطوط ایسے بھی نظر آتے ہیں جن میں پورا القاب تحریر کیا گیا ہے، مگر اوسمین بھی سادگی و بے تکلفی مفقود نہیں ہوئی ہے۔ مثلاً میر سرفراز حسین صاحب کو لکھتے ہیں:

”نور چشم راحت جان میر سرفراز حسین جیو رہو اور خوش رہو۔“

یا انہیں کو لکھا ہے:

”میری جان کو چین میر سرفراز حسین،“

مرزا تفتہ کو تحریر کیا ہے:

”میری مہربان، میری جان، مرزا تفتہ بخندان“

”نور نظر لخت جگر مرزا تفتہ۔“

نواب علاء الدینخان بہادر علائی کو لکھتے ہیں:

”سعادت و اقبال نشان مرزا علاء الدینخان بہادر کو فقیر غالب کی دعا پہنچو۔“

یہی حال آداب و تسلیات کا ہے۔ نواب میر غلام بابا خان بہادر کو لکھا ہے:

«سلام مسنون الاسلام و دعای دوام دولت و اقبال کو بعد عرض کیا جاتا ہو۔»

بعض اصحاب کو لکھ دیا ہے: «.... فقیر غالب کا سلام» یا «سلام علیکم» یا «بعد دعا کے معلوم ہو» یا صرف «آداب» یا زیادہ مزاحیہ انداز میں «اگر خفا نہوں تو دعا اور اگر آزرده ہوں تو بندگی»، وغیرہ۔

خیریت گوئی و عافیت جوئی

خیریت گوئی سے میرزا صاحب سخت متفر تھے۔ وہ اس حصہ کو حشو و زوائد شمار کرتے تھے، اسلئے کسی ایک خط میں بھی «یہاں خیریت ہے اور آپکی خیریت نیک مطلوب» نہیں پایا جاتا۔ ہاں مطالب کے ساتھ ساتھ اپنی خیریت کا ذکر اور مکتوب الیہ کی عافیت کا استفسار کر لیتے، اور اس روش کو «کارِ پختگان» شمار کرتے ہیں۔

اظہار مطالب (۱)

میرزا صاحب کا ادائی مطالب کا طریقہ بالکل ایسا ہے جیسے دو آدمی بالمشافہ بات چیت یا سوال و جواب کرتے ہیں۔ مثلاً اونکو یہ لکھنا تھا کہ — محمد علی بیگ میرے کوٹھے کے نیچے سے گزرا۔ میں نے پوچھا کہ لوہارو کی سواریاں روانہ ہو گئیں؟ اوسنے کہا ابھی نہیں ہوئیں۔ میں نے پوچھا کیا آج جائینگی؟ اسنے کہا آج ضرور جائینگی۔ تیاری ہو رہی ہے — اس مطلب کو اونہوں نے اسطرح ادا کیا ہے:

«محمد علی بیگ ادھر سے نکلا۔ بھئی محمد علی بیگ! لوہارو کی سواریاں روانہ ہو گئیں؟ حضرت ابھی نہیں۔ کیا آج نہ جائینگی؟ آج ضرور جائیں گی۔ تیاری ہو رہی ہو۔»

میر مہدی مجروح کو خط لکھا ہے۔ اوسمین لکھنا یہ ہے کہ میر نصاحب آئے اور اونسے یہ باتیں ہوئیں۔ مگر وہ اسطرح نہیں لکھتے بلکہ اوسکو اسطرح شروع کرتے ہیں:

(۱) اس عنوان کی ماتحت جو کچھ لکھا گیا ہو وہ مولانا حالی کی یادگار غالب، ص ۱۷۶-۱۹۱ کا تلفظ خلاصہ ہو۔

و ای میرنصاحب! السلام علیکم! حضرت آداب. کہو صاحب آج اجازت ہی میر مہدی کو خط کا جواب لکھو کی؟ حضور میں کیا منع کرتا ہوں؟ مگر میں اپنی ہر خط میں آپکی طرف سے دعا لکھ دیتا ہوں. پھر آپ کیون تکلیف کریں؟ نہیں میرنصاحب! اوسکی خط کو آتی ہوی بہت دن ہوی ہیں. وہ خفا ہوا ہوگا. جواب لکھنا ضرور ہی. حضرت وہ آپکی فرزند ہیں. آپ سے خفا کیا ہونگی. بھائی! آخر کوئی وجہ تو بتلاؤ کہ تم بھی خط لکھنے سے کیوں باز رکھتے ہو؟ سبحان اللہ! ای لو حضرت آپ تو خط نہیں لکھتے، اور بھی فرماتی ہیں کہ تو باز رکھتا ہی. اچھا تم باز نہیں رکھتے مگر یہ کہو کہ تم کیوں نہیں چاہتے کہ میں میر مہدی کو خط لکھوں؟ کیا عرض کروں؟ سچ تو یہ ہے کہ جب آپ کا خط جانا اور وہ پڑھا جاتا تو میں سینا اور خط اونٹانا. اب جو میں وہاں نہیں ہوں تو نہیں چاہتا کہ آپ کا خط جاوی. میں اب پنجشنبہ کو روانہ ہوتا ہوں. میری روانگی کو تین دن بعد آپ خط شوق سے لکھی گا. میان بیٹھو. ہوش کی خبر لو. تمہاری جانی نہ جاؤ سے بھی کیا علاقہ؟ میں بوڑھا آدمی، بھولا آدمی، تمہاری باتوں میں آگیا، اور آج تک اومی خط نہیں لکھا. لا حول و لا قوہ..

اسکے بعد میر مہدی سے مخاطب ہو کر اصل مطلب لکھتے ہیں.

بعضی جگہ مکتوب ایسہ کو خطاب کرتے کرتے غائب فرض کر لیتے ہیں. یہاں تک کہ جو لوگ مرزا کے انداز بیان سے واقف نہیں وہ اوسکو مکتوب ایسہ کا غیر سمجھ لیتے ہیں. مثلاً میر مہدی کو لکھتے ہیں:

و میر مہدی! جیتی رہو! آفرین! صد ہزار آفرین! اردو لکھو کا کیا اچھا ڈھنگ پیدا کیا ہی، کہ بھکھو رشک آؤ لگا ہی. سنو دلی کی تمام مال و متاع و زر و گوہر کی لوٹ پنجاب احاطہ میں گئی ہی. یہ طرز عبارت خاص میری دولت تھی. سو ایک ظالم ہائی پت انصاریوں کی علی کا رھنوالا لوٹ لیکیا. مگر میں تو اوسکو بھل گیا. اللہ برکت دو!

مغربی طریقے پر جو قصے لکھے جاتے ہیں اونمیں اکثر اس قسم کے سوال و جواب ہوتے ہیں جیسے کہ مرزا کی تحریروں میں ہم اوپر دکھا چکے ہیں. مگر وہاں ہر سوال و جواب کے سرے پر سائل اور مجیب کا نام یا اونکے ناموں کی کوئی علامت لکھ دیا جاتی ہے. ورنہ یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ سوال کہاں ختم ہوا اور جواب کہاں سے شروع ہوا؟ مرزا ایسے موقع پر سائل و مجیب کا نام نہیں لیتے، اور نہ اونکے نام کی علامت لکھتے ہیں. مگر سوال یا جواب کے ضمن میں ایک ایسا لفظ لے آتے ہیں جس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ سوال کیا ہے اور جواب کیا.

مرزا کی طرزِ تحریر کی جو خصوصیتیں اوپر مذکور ہوئیں یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ اور لوگ اوسکی پیروی نہ کر سکیں۔ مگر وہ چیز جس نے اونکے مکاتبات کو ناول یا ڈراما سے زیادہ دلچسپ بنا دیا ہے وہ شوخیِ تحریر ہے، جو اکتساب یا مشق و مہارت یا پیروی و تقلید سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ ... معلوم ہوتا ہے کہ مرزا خط لکھتے وقت ہمیشہ اس بات کو نصب العین رکھتے تھے کہ خط میں کوئی ایسی بات لکھی جائے کہ مکتوب الیہ اوسکو پڑھ کر محظوظ اور خوش ہو۔ پھر جس رتبے کا مکتوب الیہ ہوتا تھا اوسکی سمجھ اور مذاق کے موافق خط میں شوخیان کرتے تھے۔ مثلاً اپنے ایک دوست کو خط لکھا ہے۔ اوسمیں اونکی لڑکی کو، جو بچپن میں مرزا کے سامنے آتی تھی، اور اب جوان ہو گئی ہے، بعد دعا کے لکھتے ہیں :

”کیون بھئی ! اب اگر تم کو ل آؤ بھئی تو تمکو کونکر دیکھیں گے ؟ کیا تمہاری مالک میں بھتیجان چھا سی پردہ کرتی ہیں ؟“

یا مثلاً نواب امیر الدین احمد خان رئیس لوہارو کو اونکے بچپن کے زمانے میں اونکے رقعے کا جواب، جس میں مرزا کو دادا صاحب لکھا تھا، اسطرح لکھتے ہیں :

”ای مردم چشم جهان بین غالب ! پہلی القاب کو معنی سمجھ لو۔ یعنی چشمِ جهان بین غالب کی پتلی۔ چشمِ جهان بین تمہارا باپ مرزا علاء الدین احمد خان بہادر، اور پتلی تم۔ میان تمہاری دادا تو نواب امین الدین خان بہادر ہیں۔ میں تو صرف تمہارا دلدادہ ہوں۔“

ایک دوست کو دسمبر سنہ ۵۸ ع کی اخیر تاریخوں میں خط لکھا ہے۔ اونہوں نے اوسکا جواب جنوری سنہ ۵۹ ع کی پہلی یا دوسری کو لکھ بھیجا۔ اوسکے جواب میں اونکو اسطرح لکھتے ہیں :

”دیکھو صاحب ! یہ باتیں تمکو پسند نہیں۔ سنہ ۱۸۵۸ ع کی خط کا جواب سنہ ۱۸۵۹ ع میں بھیجتے ہو۔ اور مزا یہ کہ جب تم سے کہا جائیگا تو یہ کہو گی کہ میں تو دوسری ہی دن جواب لکھا ہوں۔“

الغرض مرزا کے خطوط و رقعات میں ایسے خطوط بہت کم نکلیں گے جن میں اس قسم کی ظرافت اور ہنسی کی باتیں مندرج نہوں۔ یہاں تک کہ رنج و افسردگی

کا بیان بھی اس قسم کی چھیڑ سے خالی نہیں ہوتا۔ منشی نبی بخش مرحوم کو لکھتے ہیں :

» بھائی صاحب ! میں بھی تمہارا ہمدرد ہو گیا۔ یعنی منگل کو دن ۱۸ ربیع الاول کو شام کیوقت میری وہ بھئی، کہ میں نے بچپن سے آج تک اوسکو مان سنبھا تھا، اور وہ بھی بھکو بیٹا سمجھتی تھی، مرگئی۔ آپکو معلوم رہے کہ پرسوں میری گویا نو آدمی مری۔ تین بھیبان اور تین چچا اور ایک باپ اور ایک دادی اور ایک دادا۔ یعنی اس مرحومہ کی ہوتی سی میں جانتا تھا کہ یہ نو آدمی زندہ ہیں، اور اوسکو مرے میں نے جانا کہ یہ نو آدمی آج ایکبار مر گئے۔«

مرزا نے بعض اردو خطوں میں..... مُسْتَجِع عبارت لکھنے کا التزام کیا ہے۔ عربی اور سنسکرت زبان کے سوا اور زبانوں کی مسجع ثرون میں عموماً یہ عیب ہوتا ہے، کہ دوسرے فقرے میں جو پہلے فقرے کی رعایت سے خواہ نخواستہ قافیہ تلاش کرنا پڑتا ہے تو اوسمیں تصنع اور آورد کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے، اور اسلئے پہلے فقرے کے مقابلے میں دوسرا فقرہ بسبب لزوم ما لا یلزم کے کم وزن ہو جاتا ہے۔ مگر مرزا کی مسجع ثر میں یہ بات بہت کم دیکھی جاتی ہے۔ دوسرے فقرے میں تقریباً ویسی ہی بے تکلفی پائی جاتی ہے جیسی پہلے فقرے میں۔ اور یہ بات اوسی شخص سے بن پڑتی ہے جو باوجود خوش سلیقگی اور لطفِ طبیعت کے شاعری میں غایت درجے کا کمال رکھتا ہو، اور وزن و قافیہ کی جانچ اور تول میں ایک عمر بسر کر چکا ہو۔ مگر یہ معلوم رہے کہ مُقَفّی عبارت مرزا خاصکر اون خطوں میں لکھتے تھے جن سے ہنسی یا ظرافت اور مخاطب کا خوش کرنا مقصود ہوتا تھا۔

عرایض کا طرز ادا

اگرچہ میرزا صاحب کے عرایض کا طرز ادا اون خطوں کے مقابلے میں، جو »اردویِ معلیٰ« اور »عودِ ہندی« میں شایع ہو چکے ہیں، با تکلف ہے، اور یہاں وہ رنگا رنگی نہیں پائی جاتی جو مذکورہ مجموعوں کے خطوط کی جان ہے، تاہم یہ عرایض بھی اوسی نادرہ کار قلم کے رہیں۔ منت ہیں، جو

ادبِ اردو کے دامنِ کوتاہ کو سدا بہار پھولوں سے بھر چکا ہے۔ اسلئے ان سرکاری درخواستوں میں بھی وہ سادگی، شوخی اور ظرافت موجود ہے، جسکے سبب ادایِ مطلب میں میرزا صاحب کی انشا دیگر انشا پردازوں کی تحریروں سے گوی سبقت لی گئی ہے۔

لیکن یہ محاسن اور خطوط میں زیادہ نمایاں ہیں، جن میں حسنِ طلب ہے۔ چونکہ سرکارِ رامپور میرزا صاحب کی مالی دستگیری کی واحد کفیل تھی، اسلئے وہ ہر ضرورت کے موقع پر سوال کر بیٹھتے تھے، اور یہ سوچ کر کہ ابھی سابق امداد کو زیادہ زمانہ نہیں ہوا ہے، ہمیشہ ایسے انداز سے سوال کرتے تھے کہ انکار کی گنجائش باقی نہ رہے۔ مثلاً نواب فردوس مکان نے اپنے چھوٹے صاحبزادے سید حیدر علیخان بہادر کی شادی کے موقع پر میرزا صاحب کو تورہ اور خلعت کے نام سے ۱۲۵ روپیے نقد ارسال کیے ہیں۔ میرزا صاحب اس روپیہ کو خرچ کر نیکے بعد آئندہ کیلئے سیدل نکالتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یہ تحریر نہیں مکالمہ ہی۔ گستاخی معاف کرواؤ اور آپ سے اجازت لیکر بطریق انبساط عرض کرنا ہوں، کہ یہ سوا سو روپیہ، جو تورہ و خلعت کے نام سے مرحمت ہوئی ہیں، میں کال کا مارا اگر یہ سب روپیہ کھا جاؤنگا، اور اس میں لباس نہ بناؤنگا تو میرا خلعت حضور پر باقی رہیگا یا نہیں؟“ (۱)

نواب فردوس مکان کی وفات کے بعد نواب خلد آشیان کی خدمت میں قصیدہ تہنیت ارسال کیا ہے۔ یہاں سے صلہ میں تاخیر ہوتی ہے۔ میرزا صاحب کو روپیہ کی ضرورت ہے، اسلئے نامہ تقاضائی لکھتے ہیں، اور اوس میں بطور تقاضا ارشاد فرماتے ہیں:

”پیر و مرشد! حضرت فردوس مکان کا دستور تھا کہ جب میں قصیدہ بھیجتا، اوسکی رسید میں خط تحمیں و آفرین کا، شرم آتی ہی کہی ہوئی مگر کہو بغیر بقی نہیں، دو سو پچاس کی ہنڈوی اوس خط میں ملفوف عطا ہوا کرتی تھی۔ یہ رسم بری نہیں ہو۔ اگر جاری رہی تو بہتر ہو۔“ (۲)

ایکسال دلی میں بارش کم اور رامپور میں کافی ہوئی ہے۔ اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

• اگرچہ یہاں مینہ اسقدر برسا ہے کہ جسکو پانی سے زمیندار حاصل فصل ربیع سے ہاتھ دھو لیں ، مگر چونکہ بفرمان ازلی میری رزق کی برات آپ پر ہے ، اور آپکو ملک میں بارش خوب ہوئی ہے ، ابر رحمت کی شکر یہ میں ایک قطعہ ملفوف اس عرضی کے بھیجتا ہوں ۔ بنظر اصلاح نظم و اصلاح حال ملاحظہ ہو ۔ (۱)

نواب خلد آشیان نے جشنِ تخت نشینی میں شرکت کی دعوت دی ہے ۔ اسکا شکر یہ ادا کر کے لکھتے ہیں:

• حضرت کی خدمت میں نہ آؤنگا تو اور کہاں جاؤنگا ۔ وہ آگ برس رہی ہے کہ طہور کے پر جل رہے ہیں ۔ بعد آگ کی پانی برسے گا ۔ سفر خصوصاً بوڈھی رنجور آدمی کو دونوں صورت میں معتذر ۔ آفتاب میزان میں آیا ، اور ہنگامہ آتش و آب رفع ہوا ، اور میں نے احرام بیت المعمور رامپور باندھا ۔ (۲)

ایک مرتبہ نواب خلد آشیان نے اپنی ایک فارسی نثر اصلاح کو بھیجی ہے ۔ میرزا صاحب بعض محاوروں کی تغلیط کرتے ہیں ۔ اہلِ دربار بہارِ عجم اور فرہنگِ جہانگیری وغیرہ لغات کے حوالہ سے اس اصلاح کو غلط بتاتے ہیں ۔ نواب صاحب یہ حوالے نقل کر کے میرزا صاحب سے اصلاح پر نظرِ ثانی کی درخواست کرتے ہیں ۔ اس کے جواب میں میرزا صاحب نے تحریر کیا ہے:

• مجھے اس امر خاص میں نفس مطمئنہ حاصل ہے ۔ مگر دعویٰ اجتہاد نہیں ہے ۔ بحث کا طریقہ یاد نہیں ۔ میان انجو جامع فرہنگِ جہانگیری ، شیخ رشید راقم فرہنگِ رشیدی ، عظمیٰ عجم میں سی نہیں ۔ ہند انکا مولد ۔ ماخذ انکا اشعار قدما ۔ ہادی انکا انکا قیاس ۔ ٹیک چند اور سیالکوٹی مل انکو پیرو ۔ سبحان اللہ ! ہندی بھی اور ہندو بھی ! ”نور علی نور“ ۱۱، ۱۲ (۳)

باغِ بے نظیر کی نمائش کا حال اخبار میں پڑھا ہے ، اور چاہتے ہیں کہ نواب صاحب کو اس جشنِ بینظیر کی مبارکباد دیں ۔ اس مضمون کو اسطرح ادا فرماتے ہیں:

• نمائشگاہِ مرمر سور رامپور کا ذکر اخبار میں دیکھتا ہوں ، اور خونِ جگر کھاتا ہوں ، کہ ہاں ! میں وہاں نہیں ۔ بالا خانہ پر رہتا ہوں ۔ اوتر نہیں سکتا ۔ مانا کہ آدمیوں نے گود میں لیکر

اوتارا، اور پالکی میں بٹھا دیا۔ کھار چلی۔ راہ میں نہ مرا اور رامپور پہنچ گیا۔ کھاروں نے جا کر بینظیر میں میری پالکی رکھ دی۔ پالکی قفس، اور میں طائر اسیر۔ وہ بھی بڑے پروبال۔ نہ چل سکوں، نہ پھر سکوں۔ جو کچھ اوپر لکھ آیا ہوں، یہ سب بطریق فرض محال ہی۔ ورنہ ان امور کے وقوع کی کہاں مجال ہو؟ (۱)

نواب سکندر زمانی بیگم صاحبہ کی تعزیت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”چاہتا ہوں کہ کچھ لکھوں۔ مگر نہیں جانتا کہ کیا لکھوں۔ لازم تھا کہ تعزیت نامہ بزبان فارسی و عبارت بلیغ لکھوں۔ آپکی قدموں کی قسم! دل نے قبول نہ کیا۔ آرایش گفتار، نظماً اوثرآ، واسطی تہیت کی ہی، کہ دل کثرت نفاط سے گل کی طرح کھل رہا ہو۔ طبیعت راہ دیتی ہو۔ الفاظ ڈھونڈھ جاتے ہیں۔ معنی پیدا کچی جاتے ہیں۔ اب میں نیم مردہ، دل پڑمردہ، خاطر افسردہ جس باب میں لفظ و معنی فراہم کیا چاہوں وہ سرامر طبع کے خلاف۔ جس بات کا تصور ناگوار ہو اوسکو تذکر سے جی کیوں نہ بیکار ہو؟“ (۲)

نواب زین العابدین خان بہادر سے خواہش کرتے ہیں کہ اپنے نام کا خط سرکار کو دکھا دینا۔ مگر ساتھ ہی فرماتے ہیں:

”لیکن تم سے یہ توقع کیونکر پڑی؟ کس واسطے کہ تم نے اردو دیوان کے پہنچنے نہ پہنچنے کا حال جناب عالی سے دریافت کر کر کب لکھا ہی، جو اس بات کا جواب لکھو گی۔“ (۳)

خاتمہ

میرزا صاحب خط کے آخر میں بالعموم ایک دو دعائیہ لفظ لکھا کرتے تھے۔ اردوی معلیٰ و عود ہندی میں بعض مقامات پر یہ جزو متروک ہو گیا ہے، یا اپنی خیریت یا دنیا کی بے ثباتی سے متعلق کسی جملہ سے بدل گیا ہے۔ لیکن عرایض میں کبھی نظر انداز نہیں ہوا۔ ان میں ہمیشہ ”زیادہ حد ادب۔“ ”تم سلامت رہو ہزار برس * ہر برس کی ہون دن پچاس ہزار۔“

یا

”تم سلامت رہو قیامت تک * دولت و عز و جاہ روز افزون۔“

تحریر کیا کرتے تھے۔ چونکہ اس جزو میں کوئی ادبی خوبی میرزا صاحب کے ہاں بھی نہیں پائی جاتی، اسلئے تمثیل و استشہاد بیکار ہو گا۔

کاتب کا نام

میرزا صاحب کاتب کی شخصیت کا تعین بھی نئے اسلوب سے کرتے تھے۔

عام انشا پردازوں کی طرح آخر میں نام لکھنے کا طریقہ اونکے ہاں صرف پُر تکلف مراسلت کیساتھ مخصوص تھا۔ وہ مساویانہ یا بزرگانہ خط و کتابت میں کبھی خط کے شروع یا درمیان میں اس طرح نام لکھتے ہیں، کہ مکتوب الیہ کو خیال تک نہیں ہوسکتا کہ یہاں نام لکھنے سے مقصود کاتب کا تعارف ہے۔ مثلاً خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر کو لکھا ہے :

”قلہ ! کبھی آپ کو یہ بھی خیال آتا ہے، کہ کوئی ہمارا دوست، جو غالب کہلاتا ہے، وہ کیا کھانا پیتا ہے اور کیونکر جیتا ہے؟“ (۱)

یا مثلاً نواب انور الدولہ بہادر شفق کو تحریر کیا ہے :

”کیونکر کہوں کہ میں دیوانہ نہیں ہوں؟ ہاں اتنی ہوش باقی ہیں کہ اپنے کو دیوانہ سمجھتا ہوں۔ واہ ! کیا ہوشمندی ہے کہ قلہ ارباب ہوش کو خط لکھتا ہوں، نہ القاب، نہ آداب، نہ بندگی، نہ تسلیم؟ سن غالب ! ہم تجھے سو کہے ہیں بہت مصاحب نہ بن۔“ (۲)

اور کبھی آخر میں نام لکھتے ہیں، جو بیشتر تو اونکا تخلص ”غالب“ ہوتا ہے، اور تنہا یا کسی ہمقافیہ فقرہ کیساتھ آتا ہے۔ مثلاً

”بندۂ علی ابن ابیطالب آرزومند مرگ غالب، نجات کا طالب غالب، عفو جرم کا طالب غالب، داد کا طالب غالب، اس خط کی رسید کا طالب غالب، ترحم کا مستحق اور تفقد کا طالب غالب، وغیرہ۔“

لیکن بعض خطوط میں اصلی نام ”اسد اللہ خان“ یا ”اسد اللہ“ یا صرف ”اسد“ یا ”اسد اللہ خان غالب“ یا ”اسد اللہ غالب“ بھی لکھا ہے، نواب فردوس مکان کے نام کے ایک عریضہ میں ”اسد اللہ“ کیساتھ بھی ایک ہمقافیہ فقرہ استعمال کیا ہے۔ فرماتے ہیں :

”عرضداشت ہوا خواہ اسد اللہ۔“ (۳)

متعدد خطوط میں میرزا صاحب نے یہ جزو ترک کر دیا ہے۔ ان میں چند ایسے ہیں جن میں کینایۂ نام آگیا ہے۔ مثلاً نواب علاء الدین احمد خان بہادر کو لکھتے ہیں :

”تاریخ اوپر لکھ آیا۔ نام اپنا بدل کر مغلوب رکھ لیا ہے۔“ (۴)

انہی کو دوسرے خط میں لکھا ہے :

”دن تاریخ صدر میں لکھ آیا ہوں۔ کاتب کا نام غالب ہو کہ دستخط سے پہچان جاؤ۔“ (۱)

ایک اور خط میں تحریر کیا ہے :

۶۰ دسمبر سنہ ۱۸۶۵ ع کی بدھ کا دن صبح کی آٹھ بجے چاموہ میں ”کاتب کا نام غالب ہو کہ تم جانتے ہوگی“ (۲)

چودھری عبد الغفور سرور کو بالکل نئے انداز سے لکھا ہے :

”کاتب وہی ہو جو نفاذہ ملفوفہ کا مکتوب الیہ ہو۔“ (۳)

باقی جن خطوں میں نام سر دست موجود نہیں ہے اونکے متعلق یہ سمجھنا چاہیے کہ یا تو ناقلوں نے نقل کرتے وقت نام چھوڑ دیا اور یا آخر میں نام کے بجائے ”غالب“ نقش کی مہر ثبت تھی، جو نقل کرنے سے رہ گئی۔ ورنہ میں نے جسقدر میرزا صاحب کے سرکاری اور نجی خطوط دیکھے ہیں اون میں سے ایک بھی نام یا مہر سے خالی نہیں ہے۔

تاریخ کاتب خطوط

میرزا صاحب خط کی تاریخ بھی ہمیشہ ایک انداز سے نہیں لکھا کرتے تھے۔ اونکی تنوع پسند طبیعت اس خشک جزو مکتوب میں بھی نئے نئے شگوفے کھلاتی، اور وہ کبھی آغاز میں کبھی درمیان میں اور کبھی آخر میں تاریخ ثبت کرتے۔ تاریخ کے ساتھ ساتھ بعض وقت دن گھڑی اور سال بھی تحریر کرتے تھے۔ انگریزی و ہجری تاریخوں میں سے اونکے ہاں بسا اوقات صرف انگریزی یا صرف ہجری اور کبھی کبھی دونوں پائی جاتی ہیں۔ مگر سنیں لکھنے کا التزام کم اور علامتِ ہجری و عیسوی کا التزام کمتر ہے۔

آغاز کی تاریخ

میرزا صاحب موجودہ یورپین طرز کے مطابق القاب و آداب سے قبل تاریخ بہت کم لکھتے تھے۔ اونکے ہاں القاب کے بعد آغازِ مطلب میں تاریخ زیادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ میر مہدی مجروح کو لکھتے ہیں :

• میان ! آج یکشنبہ کا دن ساتوین فروری کی اور شاید بائیسوین جمادی الثانی کی ہو ۔ دوپہر کے وقت شیخ مشرف علی رہی والی استاد حامد کے کوچہ کے میری پاس آؤ ، اور اونہوں نے تمہارا خط لکھا ہوا ۱۵ جمادی الثانی کا دیا ۔ (۱)

یوسف مرزا صاحب کو لکھا ہے :

• آؤ صاحب ! میری پاس بیٹھ جاؤ ۔ آج یکشنبہ کا دن ہو ساتوین تاریخ رمضان کی اور اونیسوین اپریل کی ۔ (۲)

مرزا تفتہ کو تحریر کرتے ہیں :

• آج منگل کے دن پانچوین اپریل کو تین گھڑی دن رہی ڈاک کا ہرکارہ آیا ۔ (۳)

نواب علاء الدین احمد خان بہادر کو لکھا ہے :

• چار شنبہ ۱۸ مئی ... بقول عوام بامی عید کا دن صبح کا وقت ۔ (۴)

نواب انور الدولہ بہادر کو لکھتے ہیں :

• خداوند نعمت ! آج دو شنبہ ۶ رمضان کی اور ۱۵ فروری کی ہو ۔ اسوقت کہ بارہ تین بھی ہیں ، عطوفت نامہ پہنچا ۔ (۵)

خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر کو تحریر کیا ہے :

• جناب عالی ! آج دو شنبہ ۳ جنوری سنہ ۱۸۵۹ کی ہو ۔ پھر دن چڑھا ہوگا کہ ابر گھر رہا ہو ۔ ترشح ہو رہا ہو ۔ ہوا سرد چل رہی ہو ۔ پیٹ کو کچھ میسر نہیں ۔ ناچار روٹی کھانی ہو ۔ (۶)

وسط کی تاریخ

مطالب کے ضمن میں میرزا صاحب تاریخ اسطرح لکھتے ہیں کہ بظاہر پڑھنے والے کو تاریخ نویسی کا خیال نہیں گزرتا ۔ بلکہ تاریخ بھی منجملہ مطالب معلوم ہوتی ہے ۔ مثلاً نواب علاء الدین احمد خان بہادر کو لکھا ہے :

• تمہاری پاس جو قاطع برہان پہنچی ہو اگر پہاڑ کی ہو تو صحیح ہو ۔ جہاں تردد ہو غلطنامہ ملحقہ میں دیکھ لو ۔ زیادہ انکشاف منظور ہو مجھ سے پوچھ لو ۔ اور اگر قلمی ہو تو درجۂ اعتبار سے ساقط ہو ۔ اوسکو میری تالیف نہ سمجھو ۔ بلکہ مجھ کو مول لیلو اور اوسکو پہاڑ ڈالو ۔ ” آج یوم الخمیس ۱۹ جون المبارک بارہ پر تین بھی تمہارا خط آیا ۔ اودھر پڑھا ، ادھر جواب لکھو بیٹھا ۔ یہاں تک لکھ چکا تھا کہ شیخ شہاب الدین سروردی آؤ ۔ تمہارا خط اونکو دیا ۔ وہ پڑھ رہی ہیں ۔ ہم لکھ رہے ہیں ۔ ابر آیا ہوا ہو ۔ ہوا سرد چل رہی ہو ۔“ (۷)

شاہ عالم صاحب مارہروی کو تحریر کیا ہے :

(۱) اردو میں ، ص ۱۵۶ (۲) ایضاً ، ص ۳۳۰ (۳) ایضاً ، ص ۴۵ (۴) ایضاً ، ص ۴۴۶

(۵) ایضاً ، ص ۲۹۵ (۶) ایضاً ، ص ۲۷۵ (۷) ایضاً ، ص ۴۱۲

• ہای تختانی لکھ چکا تھا کہ ایک چرامی آیا ، اور اوسو خط تمہاری نام کا نکٹ لگا ہوا دیا اور کہا کہ ڈیٹی صاحب فی سلام کہا ہی اور یہ خط دیا ہی . اب میں یہ خط اپنا مع اونکو خط کو ڈاک گھر میں بھیجا ہوں . صبح کا وقت یکشنبہ کا دن ۸ صفر اور ۲۵ اگست کی ہی . ڈیٹی صاحب چاندنی چوک حافظ قطب الدین سوداگر کی حویلی میں رہتے ہیں . (۱)

میر مہدی مجروح کو لکھتے ہیں :

تمہاری شکایتہاں بیجا کا جواب یہ ہی کہ تم فی جو خط مجھ کو پانی پت سے بھیجا تھا ، اور کرنال کی روانگی کی اطلاع دی تھی ، میں فی تجویز کر لیا تھا کہ جب کرنال سے خط آئیگا تو میں جواب لکھوں گا . آج شنبہ ۱۵ اکتوبر صبح کا وقت ، الہی کھانا پکا بھی نہیں ، تبریدی کر بیٹھا تھا کہ تمہارا خط آیا اور پڑھا اور یہ جواب لکھا . (۲)

خاتمہ کی تاریخ

خاتمہ کی تاریخ میں بھی میرزا صاحب موجودہ رسم تحریر کی مخالفت کرتے نظر آتے ہیں . اونکے ہاں آخری تاریخ کا مذکور بھی ضمن مطالب میں ہوتا ہے . البتہ عرایض میں دو چار مقامات کے علاوہ ہر جگہ خط ختم کرنیکے بعد نام سے قبل یا بعد تاریخ ثبت کی ہے . مثلاً مرزا حاتم علی مہر کو لکھا ہے :

• دو شنبہ کا دن ۲۰ دسمبر کی صبح کا وقت ہی . انگلیشی رکھی ہوئی ہی . آگ تاپ رہا ہوں ، اور خط لکھ رہا ہوں . یہ اشعار یاد آگئی . تمکو لکھ بھیجی . والسلام . (۳)

منشی حبیب اللہ خان ذکا کو تحریر کیا ہے :

• جواب خط کا طالب غالب . سہ شنبہ از روی جنتری ۲۶ اور از روی رویت ۲۵ رجب سنہ ۱۲۸۳ ہ . اور ۴ دسمبر سنہ ۱۸۶۶ ع . (۴)

نواب علاء الدین احمد خان بہادر کو لکھتے ہیں :

” ۶ دسمبر سنہ ۱۸۶۵ ع کی بدہ کا دن صبح کو آٹھ بجے چاہتی ہیں . کاتب کا نام غالب ہی کہ تم جانتے ہوگی . (۵)“

انہی کو لکھتے ہیں :

• ... مرقومہ شنبہ یکم جون وقت صبح چھ بجے سات کو عمل میں . (۶)

خاتمہ میں اعادۂ تاریخ

کبھی کبھی میرزا صاحب آغاز میں تاریخ لکھ دینے کے بعد خاتمہ میں

(۲) ایضاً ، ص ۲۶۷

(۲) ایضاً ، ص ۱۸۰

(۱) اردوی معلی ، ص ۲۰۲

(۶) ایضاً ، ص ۴۰۸

(۵) ایضاً ، ص ۴۴۲

(۴) ایضاً ، ص ۴۳

اوسکا دوبارہ اجمالی ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً نواب علاء الدین احمد خان بہادر کو لکھا ہے :

”دن تاریخ اپنا نام آغاز کتابت میں لکھ آیا ہوں۔ اب ارسال جواب کی تاکید کی سوا اور کیا لکھوں۔“ (۱)

انہی کو ایک اور خط میں لکھتے ہیں :

”دن تاریخ صدر میں لکھ آیا ہوں۔ کاتب کا نام غالب ہی کہ دستخط ہی پہچان جاؤ۔“ (۲)
 انہی کو سہ بارہ ”نریر“ کیا ہے :
 ”تاریخ اوپر لکھ آیا۔ نام اپنا بدل کر مغلوب رکھ لیا ہی۔“ (۳)

وقت کتابت کا ماحول

بعض اوقات میرزا صاحب تاریخ کے علاوہ خط لکھتے وقت کی حالت کا نقشہ بھی مکتوب الیہ کی نگاہوں کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کرتے، تا کہ مکتوب الیہ یہ محسوس کر کے کہ خود میرزا صاحب کے پاس بیٹھا ہوا اونکی زبان سے مکتوبہ واقعات سن رہا ہے۔ مطالب خط سے زیادہ لطف اندوز ہو۔ مثلاً گرمی کا موسم ہے۔ رامپور کے پہلے سفر سے واپس دلی پہنچے ہیں۔ میر مہدی مجروح کی فرمائش پر رودادِ سفر لکھی ہے۔ اسکے آخر میں فرماتے ہیں :

”کوٹھری میں بیٹھا ہوں۔ ٹٹی لگی ہوئی ہے۔ ہوا آرمی ہے۔ پانی کا جھجر دھرا ہوا ہے۔ حقہ ۔

پی رہا ہوں۔ یہ خط لکھ رہا ہوں۔ تم سے باتیں کرنا کو جی چاہا۔ یہ باتیں کر لیں۔“ (۴)

برسات کے موسم میں خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر کو تحریر کرتے ہیں :

”وہر دن چڑھا ہوگا کہ ابر گھر رہا ہو۔ ترشح ہو رہا ہو۔ ہوا سرد چل رہی ہو۔ پانی کو کچھ میسر نہیں۔ ناچار روٹی کھاتی ہو۔

افقہا پر از ابر بہمن مہی * سفالینہ جام من از می تہی

غزہ و درد مند بیٹھا تھا کہ ڈاک کا ہرکارہ تمہارا خط لایا۔“ (۵)

نواب انور الدولہ بہادر کو لکھتے ہیں :

» پیر و مرشد! شب رفتہ کو منہ خوب برسا۔ ہوا میں فرط برودت سے گزند پیدا ہو گیا۔ اب صبح کا وقت ہو۔ ہوا ٹھنڈی ہو گزند چل رہی ہو۔ ابر تک محیط ہو۔ آفتاب نکلا ہو: پر نظر نہیں آتا ہو۔ (۱)

انہی کو ایک اور خط میں لکھا ہے:

پیر و مرشد! ۱۲ بجے تھو۔ میں تنکا اپنے پلنگ پر لیٹا ہوا حقہ پی رہا تھا کہ آدمی نے آکر خط دیا۔ میں نے کھولا۔ پڑھا۔ پہلی کو انگریز لکھا یا کرتا گلی میں نہ تھا۔ اگر ہوتا تو میں گریبان بھاڑ ڈالتا۔ حضرت کا کیا جانا؟ میرا نقصان ہوتا۔ (۲)

میرزا صاحب کا املا

میرزا صاحب اردو الفاظ کے املا میں یایِ معروف و مجهول اور ہایِ سادہ و مخلوط کا فرق نہیں کرتے۔ اور ابتدائی الفِ مکسورہ و مضمومہ کے فرق کیلئے ہمیشہ موخر الذکر کو باضافۃً (و) تحریر کرتے ہیں۔ چنانچہ اونکے ہان «اُس» بواو اور «اِس» بغیر واو پایا جاتا ہے۔ بعض الفاظ مختلف خطوط میں مختلف املا سے لکھے ہیں۔ مثلاً ہاتھ کو کبھی «ہاتھ» اور کبھی «ہات» لکھا ہے۔

انگریزی الفاظ کا تلفظ بھی بیشتر غلط کیا ہے۔ اسی لئے اونکا املا بھی درست نہیں ہے۔ مثلاً «پنشن» کو «پنسن» اور «لارڈ» کو «لاڈ» اور «بورڈ» کو «بورڈ» لکھتے ہیں۔ (۳) اسی طرح ایک دو جگہ عربی الفاظ کو بھی غلط لکھا ہے۔ مثلاً «بالکل» کو «بالکل» دو الفون کیساتھ لکھ دیا ہے، جو درست نہیں۔ (۴)

ایک پیرا گراف کے خاتمہ اور دوسرے کے آغاز کے اظہار کیلئے کبھی توئیے پیرا کے پہلے حرف پر اس شکل (س) کی علامت بناتے ہیں، اور کبھی بارہ کا ہندسہ لکھتے ہیں، جو لفظِ «حد» کا عدد ہے۔ مرزا حاتم علی مہر کو اس عدد کے التزام کی وجہ بھی لکھی ہے۔ فرماتے ہیں:

» صاحب! بندۂ اثنا عشری ہوں۔ ہر مطلب کی خاتمہ پر بارہ کا ہندسہ کرتا ہوں۔ (۵)

(۱) اردوی معلی، ص ۳۰۰ (۲) ایضاً، ص ۳۰۳ (۳) مکاتیب، ص ۱۲ و ۱۵ و ۲۲ و ۱۱۰

(۴) ایضاً، ص ۳۳ (۵) اردوی معلی، ص ۲۵۷

ہجری اور عیسوی سنہ کے اظہار کیلئے میرزا صاحب دھ، اور دھ، بھی استعمال کرتے تھے۔ لیکن اسکا التزام نہیں پایا جاتا۔

میرزا صاحب کا رسم الخط

میرزا صاحب کا خط نہایت پختہ شفیعا آمیز نستعلیق تھا۔ چونکہ وہ ایرانی اداؤں کے دلدادہ تھے، اسلئے خط سے ولایتی شان زیادہ نمایان ہے۔ مگر آخر عمر میں رعشہ پیدا ہو جانے سے دائروں اور کشش میں پہلی سی خوش نمائی باقی نہیں رہی تھی۔ چنانچہ ان خطوں کے دیکھنے سے پہلی نظر میں ہاتھ کی تھرتھراہٹ کا احساس ہوتا ہے۔

سامان کتابت۔ کاغذ

میرزا صاحب کے خطوط میں سامان خط و کتابت کا بھی ذکر آیا ہے۔ اسلئے اوسپر ایک اجمالی نظر نامناسب نہوگی۔

میرزا صاحب بالعموم باریک ولایتی کاغذ استعمال کرتے تھے، جو نیلگون یا سفید یا گلابی ہوتا۔ دربار رامپور میں اونکی جسقدر عرضیاں پیش ہوئی ہین وہ بجز ایک دو کے تمام اسی قسم کے گران قیمت کاغذ پر لکھی ہوئی ہین۔ لیکن منشی سیلچند اور خلیفہ احمد علی صاحب کے نام کے خطوط گھٹیا کاغذ پر ہین۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ میرزا صاحب کاغذ کے انتخاب کیوقت مکتوب الیہ کی حیثیت دنیوی کا لحاظ رکھتے تھے۔

بعض اوقات تنگدستی کے سبب میرزا صاحب کے پاس کاغذ کا ذخیرہ ختم ہو جاتا، تو جواب دینے کیلئے رویہ کا انتظار کرنے کے عوض کتاب میں سے سادہ ورق پھاڑ لیتے تھے۔ ۸ نومبر سنہ ۱۸۵۹ع کو میر مہدی مجروح کو لکھتے وقت یہی ترکیب استعمال کرنی پڑی تھی۔ چنانچہ اوسی خط میں فرماتے ہین:

”دہائی! نہ کاغذ ہو، نہ شکست ہو۔ اگلی لفافوں میں سے ایک بیرنگ لفافہ پڑا ہو۔ کتاب

میں سے یہ کاغذ پھاڑ کر تمکو خط لکھنا ہوں، اور بیرنگ لفافہ میں لپیٹ کر بھیجتا ہوں۔

غمگین نہ ہونا۔ کل شام کو کچھ فتوح کہیں سے پہنچ گئی ہو۔ آج کاغذ و شکست منگا لوں گا۔“ (۱)

قلم

معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب کے زمانہ تک لوہے کے قلم کا رواج نہوا تھا۔ وہ نیزے کا قلم استعمال کرتے، اور اوسے خود ہی بناتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ قلم بنانے میں چاقو سے انگوٹھا زخمی ہو گیا، اور منشی شیو نرائن کے خط کے جواب میں تاخیر ہوئی، تو میرزا صاحب نے تحریر کیا تھا:

صاحب! تم خط کے جواب نہ بھیجی ہو گھبرا رہو ہوگی۔ حال یہ ہو کہ قلم بناؤ میں میرا ہاتھ انگوٹھی کو پاس سے زخمی ہو گیا اور ورم کر آیا۔ چار دن روئی بھی مشکل سی کھائی گئی ہو۔ بہر حال اب اچھا ہوں۔ (۱)

یہ سنہ ۱۸۵۸ ع کا واقعہ تھا۔ لیکن آخر عمر میں رعشہ کے سبب خود قلم نہ بنا سکتے۔ لڑکوں سے بنوائتے تھے۔ ۱۳ مارچ سنہ ۱۸۶۷ ع کو نواب خلد آشیان کو لکھتے ہیں:

اس درویش کا حال اب قابل گزارش نہیں۔ امراض قدیم بڑھ گئی۔ دوران مر اور رعشہ اور ضعف بصر تین بیماریاں نئی پیدا ہوئی ہیں۔ قلم نہیں بنا سکتا۔ لڑکوں سے بنوا لیتا ہوں۔ برسوں کی بات نہیں رہی۔ ہفتوں کی یا مہینوں کی زندگی رہ گئی ہو۔ (۲)

لفاف

میرزا صاحب سادہ کاغذ کے مستطیل لفافے استعمال کرتے تھے۔ بعض اوقات اونکے حاشیوں پر باریک بیل بوٹے بھی بنے ہوتے۔ لیکن اسوقت تک ڈاکخانہ کے ٹکٹ چھپے ہوئے لفافے مروج نہ تھے۔ اسلئے یہ سب دیسی ساخت کے ہوتے تھے۔

خود میرزا صاحب بھی وقت گزاری کیلئے لفافے بنالیا کرتے تھے۔ ایکبار منشی شیو نرائن اکبر آبادی نے خود ساختہ لفافوں کے استعمال سے خیال کیا کہ تنگدستی کے سبب میرزا صاحب ایسا کرتے ہیں۔ اور یہ سوچ کر میرزا صاحب کو لفافوں کا ایک بنڈل روانا کیا۔ میرزا صاحب نے اس سے مطلع ہو کر لکھا:

لفافوں کی خبر پہنچی۔ آپ نے کیون تکلیف کی۔ لفاف بنانا دل کا پہلانا ہو۔ بیکار آدمی

کجا کرے . ہر حال جب لفافہ پہنچ جائیگی ، ہم آپکا شکر بجا لائیں گی . ہرچہ از دوست میرسد
نیکو است . . (۱)

لیکن اس کرمفرما نے لفافوں کے اوپر « از مقام ، در مقام ، تاریخ و ماہ » طبع کرا کے بھیجے . میرزا صاحب ان چوچلون کو ناپسند کرتے تھے . اونہوں نے یہ ہدیہ دوستوں میں تقسیم کر دیا ، اور جب منشی صاحب نے ۱۸ دسمبر سنہ ۱۸۵۸ ع کو دوبارہ اوسی قسم کے لفافے ارسال کئے ، تو اونہیں لکھا :

« برخوردار ! آج اسوقت تمہارا خط مع لفافوں کے لفافے کے آیا . دل خوش ہوا . بھائی ! میں اپنی مزاج سے ناچار ہوں . یہ لفافہ « از مقام و در مقام و تاریخ و ماہ » مجکو پسند نہیں . آگے جو تم نے مجھے بھیجی تھی وہ بھی میں نے دوستوں کو بانٹ دی . اب یہ لفافوں کا لفافہ اس مراد سے بھیجتا ہوں کہ انکی عوض یہ لفافہ جو « در مقام و از مقام » سے خالی ہیں ، جن میں تم اپنی خط بھیجا کرتی ہو ، مجکو بھیج دو ، اور یہ لفافے اوسکی عوض مجھ سے لیلو . اور اگر اوسطرح کے لفافے نہ ہوں تو انکی کچھ ضرورت نہیں . . (۲)

اسکے بعد منشی صاحب نے جو کیا اوسکے متعلق کچھ معلوم نہیں . لیکن منشی نبی بخش صاحب کے نام کے مکتوب مورخہ ۲۲ ستمبر سنہ ۵۸ ع سے یہ ضرور پتا چلتا ہے کہ سنہ ۵۸ ع میں لفافہ سازی کا خاصہ مشغلہ رہا تھا . فرماتے ہیں .
« الله ! الله ! یہ دن بھی یاد رہیں گو . خط سے خط لکھو گئی ہیں . مجکو اکثر اوقات لفافے بنانی میں گزرتی ہیں . اگر خط نہ لکھو گنا تو لفافے بناؤ گنا . . (۳)

نکٹ

میرزا صاحب پوسٹ پیڈ خط بھیجنے کے پابند تھے ، اور بالعموم پتہ کے داہنی یا بائیں جانب کبھی اوپر اور کبھی نیچے ٹکٹ چسپان کرتے تھے . ایسے خطوط پر اونہوں نے ہمیشہ « پوسٹ پیڈ » بھی لکھا ہے . بعض اوقات ٹکٹ کے اوپر « اسد » بھی لکھ دیا کرتے تھے .

روشنائی

میرزا صاحب ہمیشہ سیاہ روشنائی استعمال کرتے تھے ، جو عموماً بہت روشن اور پختہ ہوتی . آخری ایام کے خطوط میں پھیکی روشنائی بھی نظر آتی ہے . جسکی وجہ خود میرزا صاحب کی « قلدانِ انشا » سے بے توجہی

ہوگی۔ ضرورت کے وقت لڑکون کے قلم اور اونہی کی روشنائی سے لکھا کرتے ہونگے، اور خود «لوح و قلم» کی درستی اور اہتمام سے اسلئے احتراز کرنے لگے ہونگے، کہ اب اونہیں ان دونوں کی شہادت کی ضرورت نہ تھی۔ عالمِ ادب اونکا لوہا مان چکا تھا۔

قواعد ڈاک کی پابندی

میرزا صاحب ڈاک کے قاعدوں کے سخت پابند تھے۔ وہ خود بھی خلاف ورزیِ قانون سے احتراز کرتے، اور احباب کو بھی اسی امر کی ہدایت کرتے رہتے تھے۔ ایکبار منشی حبیب اللہ خان ڈاک کو لکھا ہے:

خط میں خط ملفوف کرنا جانب حکام سے منوع ہے۔ اگر یوں نہ تو تا تو میں اونکی نام کا خط تمہاری خط میں ملفوف کر کے بھیجتا۔ (۱)

منشی غلام بسم اللہ صاحب نے اپنی غزل کیساتھ ایک منصف صاحب کی غزل بھی ارسال کردی تھی۔ اونکی اس سہل انگاری پر سرزنش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سنیہ حضرت! خط میں خط (کا) تداخل برا ہے۔ اگر یہاں کی ڈاک میں کبھی خط کھل گیا، تو مجھے پچاس روپیہ لٹی جائیگی، یا قید کا حکم ہوگا۔ آئندہ آپ خط جداگانہ بھیجا کیجیے۔ اس باب میں تاکید جانی۔ کوئی حیلہ جواز کا آپ کی طرف سے مسموع نہوگا۔ (۲)

چودھری عبد الغفور صاحب نے پارسل میں کچھ خط رکھ دیے تھے۔ اونکو تحریر کرتے ہیں:

پارسل میں خطوط بھیجی محل اندیشہ ہے۔ خدا فرمے بچایا۔ چونکہ اب وہ خط آپکو کچھ کام نہ سمجھا، از راہ احتیاط پارسل میں سے نکال لی۔ (۳)

ایکبار تفتہ کے نام ایک پارسل حسبِ قاعدہ ایک آنے کا ٹکٹ چسپان کر کے ڈاک خانہ بھیجا۔ جو شخص پارسل لیکر گیا تھا، اوسنے غلطی سے خطوں کے بکس میں پارسل ڈال دیا۔ میرزا صاحب نے واقعہ سے مطلع ہو کر تفتہ کو لکھا:

صاحب! کل پارسل اشعار کا ایک آنہ کا ٹکٹ لگا کر اور اوسپر یہ لکھ کر کہ یہ پارسل ہے، خط نہیں ہے، ڈاک میں بھیج دیا۔ ڈاک منشی نے کہا کہ خطوں کے صندوق میں ڈالو۔ خدمتگار

ناخواندہ آدمی . اوسکا حکم بجا لایا ، اور اوسکو خطون کو صندوق میں ڈال آیا . وہ لفظ کہ " یہ خط نہیں ہو " پارسل ہو ، دست آویز معقول ہو . اگر وہاں کی ڈاکچی تم سے خط کا حصول مانگین ، تو تم اوس جملہ کی ذریعہ سے گفتگو کر لینا . (۱)

در اصل میرزا صاحب کی احتیاط کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایکبار تفتہ کی غلطی کا خمیازہ بھگت چکے تھے ، اور غالباً پارسل کو خطون کے بکس میں ڈال دینے کی وجہ سے اونکو پوسٹ پیسٹ پارسل کا مزید محصول ادا کرنا پڑا تھا . ۲۸ جولائی سنہ ۱۸۵۸ ع کو یہ واقعہ خود تفتہ کو لکھا ہے :

" میرزا تفتہ ! کل قریب دو ہر کہ ڈاک کا ہرکارہ ، وہ جو خط بانٹا کرتا ہی ، آیا ، اور اوسنی پارسل موم جامی میں لپٹا ہوا دیا . پہلی تو حیران رہا کہ پاکٹ خطون کی ڈاک میں کیوں آیا ؟ باری جب اوسکی تحریر دیکھی تو تمہاری ہات کا پیم فلٹ لکھا ہوا اور دو ٹکٹ لگو ہوئی . مگر اوسکو آگئی کالی مہر اور کچھ انگریزی لکھا ہوا . ہرکارہ نے کہا کہ ایک روپیہ دس آن دو لوانی . دلوا دی ، اور پارسل لی لیا . مگر حیران کہ یہ کیا بیج پڑا ؟ قیاس ایسا چاہتا ہو کہ تمہارا آدمی جو ڈاک گھر گیا اس کو خطون کے بکس میں ڈال آیا . ڈاک کو کارپردازوں نے غور نہ کی ، اور اوسکو بیرنگ خطون کی ڈاک میں بھج دیا . (۲)

پوسٹ میں کا لطیفہ

ایکبار پوسٹ میں کی غفلت سے ایک دلچسپ لطیفہ پیدا ہو گیا تھا . واقعہ یہ ہوا کہ میرزا صاحب کے نام ایک خط آیا . اوس کے پتہ میں مکتوب الیہ کے نام کے ساتھ جو تعظیمی الفاظ استعمال ہوئے تھے ، اونمیں ایک لفظ " کیشان " بھی تھا . ڈاک سے " کپتان " پڑھا ، اور میرزا صاحب کی خدمت میں مبارکباد پیش کر کے طالب انعام ہوا . میرزا صاحب نے نواب انور الدولہ بہادر شفق کو یہ واقعہ لکھا ہے . فرماتے ہیں :

" ایک لطیفہ نشاط انگیز سنی . ڈاک کا ہرکارہ ، جو بلیارون کے خطوط پہنچاتا ہو ، اندون میں ایک بنیا پڑھا لکھا حرف شناس کوئی فلاں ناتھ ڈھک داس ہو . میں بالاخانہ پر رہتا ہوں . حویلی میں آکر اوسنی داروغہ کو خط دیا . اور اوسنی خط دیکر جھمی کہا کہ ڈاک کا ہرکارہ ہندگی عرض کرتا ہو ، اور کہتا ہو کہ مبارک ہو ! آپ کو ، جیسا کہ دل کی بادشاہ نے نوابی کا خطاب دیا تھا ، اب کالی سے خطاب کپتان کا ملا . حیران کہ یہ کیا کہتا ہو ؟ سرنامہ کو غور سے دیکھا . کہیں قبل از اسم " مخدوم نیاز کیشان " لکھا تھا . اوس رقم ساق نے اور الفاظ سے قطع نظر کر کے " کیشان " کو کپتان پڑھا . (۳)

اگرچہ قانونِ ڈاک کی رو سے ییرنگ خطوط ارسال کرنا ممنوع نہیں، لیکن میرزا صاحب اسے قانونِ محبت و اخلاق کے خلاف جانتے، اور اسلئے بغیر کسی معقول وجہ کے کبھی ییرنگ خط نہیں لکھتے تھے۔ سید احمد حسن مودودی کو ایک ییرنگ خط لکھتے ہوئے فرماتے ہیں :

”میرا شیوہ نہیں ہی خط ییرنگ بھیجنا۔“ (۱)

میرزا صاحب اپنے ہر ییرنگ خط میں ییرنگی کی وجہ بھی لکھ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ یا تو اوسوقت ییرنگ خط لکھا کرتے جبکہ

(۱) اونکے پاس ٹکٹ موجود نہوتا۔ خواہ اسلئے کہ جیب اسکی اجازت ندیتی، یا بروقت ڈاکخانہ سے حصول دشوار ہوتا۔ مگر اس عذر کیلئے بے تکلف احباب اور شاگرد مخصوص تھے۔ میر مہدی مجروح کو ایک ییرنگ خط میں لکھا ہے :

”بھائی ! نہ کاغذ ہی، نہ ٹکٹ ہی۔ اگلی لفافوں میں سی ایک ییرنگ لفافہ پڑا ہی۔ کتاب میں سی یہ کاغذ بھاڑ کر تکر خط لکھتا ہوں، اور ییرنگ لفافہ میں لپیٹ کر بھیجتا ہوں۔ غنیمت نہونا۔ کل شام کو کچھ فتوح کہیں سی پہنچ گئی ہی۔ آج کاغذ و ٹکٹ منگا لوں گا۔“ (۲)

اسی طرح نواب علاء الدین احمد خان بہادر کو لکھتے ہیں :

”بھائی ! سچ تو یوں ہی کہ اندون میں میری پاس ٹکٹ نہیں۔ اگر ییرنگ بھیجون تو کھار ماندہ۔ اونٹ نہیں سکنا۔ ڈاک گھر تک جائز کون ؟“ (۳)

نواب شہاب الدین احمد خان بہادر کو زیادہ مُضحکہانہ انداز میں تحریر کیا ہے :

”آج میری پاس ٹکٹ ہی نہ دام۔ معاف رکھنا۔ والسلام۔“ (۴)

(۲) اور یا اوسوقت ییرنگ خط ارسال کرتے کہ اوسکے تلف ہو جانے کا خطرہ ہوتا۔ اور چونکہ تلف ہو جانیکا خطرہ اہم مکاتیب کے سلسلہ میں زیادہ ناپسندیدہ معلوم ہوتا ہے، اور اہم مکاتیب بے تکلف اور با تکلف دونوں قسم کے مکتوب الیہ کو لکھے جاتے ہیں، بنابرین اس عذر کے ماتحت

میرزا صاحب نے والیان ریاست تک کو بیرنگ خطوط لکھے ہیں۔ چنانچہ ایکبار نواب انور الدولہ بہادر نے خط نہ لکھنے کی شکایت کی، تو اوسکے جواب میں میرزا صاحب نے لکھا:

• سوچتا ہوں کہ دونوں خط بیرنگ گئے تھے۔ تلف ہونا کس طرح متصور نہیں۔ (۱)

در اصل میرزا صاحب یہ سمجھتے تھے کہ ڈاکیا بیرنگ خط ضایع نہیں کرتا۔ بلکہ کوشش کر کے مکتوب الیہ تک خط پہنچاتا ہے، تاکہ اوس سے محصول ڈاک وصول کر سکے۔ یہ خیال سید احمد حسن مودودی کے خط میں ظاہر بھی کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

• یہ خط عمداً بیرنگ بھیجتا ہوں۔ کہتی ہیں کہ پیڈ کو تلف ہونیکا احتمال ہو، اور بیرنگ کا نہیں۔ (۲)

سیف الحق سیاح کو لکھتے ہیں:

• پیڈ خط گاہ گاہ تلف بھی ہو جاتا ہے۔ نظر اس بات پر یہ خط تم کو بیرنگ بھیجتا ہوں۔ تاکہ ضایع ہونیکا احتمال قوی رہی۔ (۳)

چودھری عبد الغفور سرور کو ضروری خطوط کے بیرنگ ارسال کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

• ایک قاعدہ آپ کو بتانا ہوں۔ اگر اوسکو منظور کیجیے گا تو خطوط کی نہ پہنچنے کا احتمال اونٹھ جائیگا، اور رجسٹری کا درد مر جاتا رہیگا۔ آدھ آنہ نہ سہی، ایک آنہ سہی۔ آپ بھی خط بیرنگ بھیجا کیجیے۔ اور میں بھی بیرنگ بھیجا کروں۔ اسٹامپ پیڈ خطوط تلف بھی ہوتے ہیں۔ اس قاعدہ کا جیسا کہ میں واضح ہوا ہوں بادی بھی ہوا، اور یہ خط بیرنگ بھیجا۔ (۴)

مولوی عزیز الدین صاحب نے قاضی عبد الجلیل صاحب بریلوی کے خط ارسال کرنیکی اطلاع اور اوسکے جواب نہ لکھنے کی شکایت کی، تو اوسکے جواب میں میرزا صاحب نے لکھا:

• خط از روی احتیاط بیرنگ بھیجا ہے۔ پوسٹ پڈ خط اکثر تلف ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ قاضی عبد الجلیل صاحب کا خط، جسکا آپ نے ذکر لکھا ہے، آنکھیں بھوٹ جائیں اگر میں نے دیکھا ہو! آپ اون سے میرا سلام نیاز کریں، اور خط کی نہ پہنچنے کی اونکو خبر پہنچائیے۔ (۵)

والی بھر تیور کا انتقال ہوا اور یہ خبر دلی پہنچی، تو میرزا صاحب کو فکر ہوئی کہ کہیں جانی جی، جو مرزا تفتہ کے مربی تھے، معزول تو نہیں کر دیے گئے۔ اس خبر کے استفسار کیلئے مرزا تفتہ کو خط لکھا اور اوس میں ہدایت کی کہ

”واسطی خدا کی! نہ مختصر نہ سرمری بلکہ مفصل اور منقح جو کچھ واقع ہوا ہو، اور جو صورت ہو، بجکو لکھو، اور جلد لکھو، کہ مجھ پر خواب و خور حرام ہے“۔ کل شام کو میں نے سنا۔ آج صبح قلعہ نہیں گیا، اور یہ خط لکھکر از راہ احتیاط بیرنگ روانہ کیا ہے۔ تم بھی اسکا جواب بیرنگ روانہ کرنا۔ آدھ آنا ایسی بڑی چیز نہیں۔ ڈاک کے لوگ بیرنگ خط کو ضروری سمجھ کر جلد پہنچاتی ہیں، اور پوست پٹ پڑا رہتا ہے۔ جب اوس محلہ میں جانا ہوتا ہے تو اوسکو بھی لیجاؤ ہیں۔ (۱)

»دستنبو« کی طباعت کے متعلق ضروری ہدایتیں بیرنگ خط میں لکھکر فرماتے ہیں:

»واسطی تاکید کی بیرنگ بھیجا گیا۔ (۲)

اسی طرح منشی حبیب اللہ خان ذکا کو ایک ضروری خط بیرنگ لکھکر از راہِ معذرت فرماتے ہیں:

»بھائی! یہ خط از راہ احتیاط بیرنگ بھیجتا ہوں۔ (۳)

نواب فردوس مکان کی خدمت میں ایک عریضہ، جو اونکی والدہ ماجدہ کی تعزیتِ وفات کے متعلق تھا، ارسال کیا ہے، اور اوسکا جواب نہ پا کر دوسرا عریضہ بیرنگ ارسال کرتے ہوئے آخر میں از راہِ معذرت لکھتے ہیں:

»پرسوں ایک قطعہ جناب بیگم صاحبہ و قبلہ کی تاریخ وفات کا بھیجا ہے۔ یقین ہے کہ پہنچے گا۔ از راہ احتیاط وہ قطعہ اس ورق میں بھر لکھتا ہوں، اور نیز از راہ احتیاط یہ خط بیرنگ روانہ کرتا ہوں۔ (۴)

میرزا صاحب پوسٹ پیسٹ خط کے ضایع ہو جانے کے اسدرجہ قابل تھے کہ جب اونہیں کوئی خط نہ ملتا تو وہ اسے ڈاکخانہ کی سہل انگاری پر محمول کر کے یہ لکھ دیا کرتے تھے کہ ڈاک میں ضایع ہو گیا ہوگا۔ اور اگر کسی دوست

سے جوابِ خط میں تاخیر ہوتی، یا انکے مرسلہ خط کا حوالہ نہوتا تو باور کر لیتے کہ خط ڈاک میں تلف ہو گیا۔ ممکن ہے اس وقت ڈاک کا محکمہ زیادہ منظم نہوا ہو۔ ورنہ اس زمانہ میں پوسٹ پیڈ خطوط ضایع ہوا کرین تو کاروبارِ عالم مختل ہو جائے، اور بالخصوص تجارت پیشہ حضرات گورنمنٹ کے اس مفید ترین محکمہ کے خلاف قانونی چارہ جوئیان کرنے لگیں۔

میرزا صاحب کا پتہ

اگرچہ باعتبارِ حسب و نسب میرزا صاحب دلی کے مشاہیر میں شمار کیے جاتے تھے، لیکن اونکی وسیع و مسلسل مراسلت نے اس شہرت میں چار چاند لگا دیے تھے۔ اونکے پاس روزانہ ہندوستان اور بیرونِ ہند سے اردو، فارسی اور انگریزی خطوط آتے رہتے، جن میں سرکاری اور نجی ہر قسم کی تحریریں ہوتی تھیں۔ چونکہ اونکو شہر میں ہر شخص جانتا تھا، اسلئے اونکا خط دلی کے ڈاک خانہ میں پہنچ کر کبھی ضایع نہوتا۔ اونکی ڈاکخانہ کی معروفیت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ پورے شہرِ دہلی میں وہ اپنے نام کے اعتبار سے وحدہ لاشریک تھے، اور ڈاکیا اسد اللہ خان غالب کا مسمیٰ ایک ہی ذات کو جانتا تھا۔

میرزا صاحب کو اپنی اس شہرت و ناموری کا اس درجہ پاس تھا، کہ کوئی دوست یا شاگرد اونکے مکان کا پتہ دریافت کرتا، یا اونکے نام کے خط پر لانا چوڑا پتہ لکھ دیتا، تو وہ اس کو اپنی توہین خیال کرتے۔ چنانچہ ایکبار نواب علاء الدین احمد خان بہادر علائی نے مکان کا پتا دریافت کیا۔ میرزا صاحب نے برم ہو کر لکھا:

• سنو صاحب! حسن پرستوں کا ایک قاعدہ ہے کہ وہ امر کو دوچار برس گھٹا کر دیکھتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ جوان ہو، لیکن بچہ سمجھتے ہیں۔ یہ حال تمہاری قوم کا ہے۔ قسم شرعی کھا کر کہتا ہوں کہ ایک شخص ہے کہ اوسکی عزت اور نام آوری جمہور کی نزدیک ثابت اور متحقق ہے، اور تم صاحب بھی جانتے ہو۔ مگر جب تک اوس سے قطع نظر نہ کرو، اور اوس مسخری کو گمنام و ذلیل نہ سمجھو تو تمکو چین نہ آئیگا۔ پچاس برس سے دلی میں

رہتا ہوں . ہزارہا خط اطراف و جوانب سے آتی ہیں . بہت لوگ ایسی ہیں کہ محلہ نہیں لکھتی . بہت لوگ ایسی ہیں کہ محلہ سابق کا نام لکھ دیتی ہیں . حکام کے خطوط ، فارسی اور انگریزی ، یہاں تک کہ ولایت کی آتی ہو ، صرف شہر کا نام اور میرا نام . یہ سب مراتب تم جانتی ہو ، اور اوں خطوط کو تم دیکھ چکی ہو . اور پھر مجھے پوچھتی ہو کہ اپنا مسکن بتا . اگر میں تمہاری نزدیک امیر نہیں نہ مہی . اہل حرفہ میں سے بھی نہیں ہوں ، کہ جب تک محلہ اور تھانہ نہ لکھا جائے ہرکارہ میرا پتا نہ پائے . آپ صرف دہلی لکھکر میرا نام لکھ دیا کیجی . خط کی پہنچ کا میں ضامن ہوں . (۱)

قاضی عبد الجلیل صاحب بریلوی نے پتہ معلوم نہونیکی وجہ سے خط لکھنے میں تردد کا اظہار کیا . اونکو لکھتے ہیں :

”قبلہ ! آپ کو خط کی بھیجی میں تردد کیوں ہوتا ہے ؟ ہر روز دو چار خط اطراف و جوانب سے آتی ہیں . گاہ گاہ انگریزی بھی . اور ڈاک کی ہرکاری بھی میرا گھر جانتی ہیں . پوسٹ ماسٹر میرا آشنا ہے . مجھ کو جو دوست خط بھیجتا ہے وہ صرف شہر کا نام اور میرا نام لکھتا ہے . محلہ بھی ضرور نہیں . آپ ہی انصاف کریں ، کہ آپ لال کنواں لکھتی رہی ، اور مجھ کو بلیماروں میں خط پہنچتا رہا . خلاصہ یہ کہ خط آپکا کوئی تلف نہیں ہوا . (۲)

مولوی حبیب اللہ خان ذکا نے یکے بعد دیگرے دو نیازنامے بھیجے ، مگر میرزا صاحب کی طرف سے جواب نہ ملا . اونہوں نے اس کو دلی کے ڈاکخانہ کی غفلت پر محمول کر کے آخری خط بذریعہ رجسٹری ارسال کیا ، اور اوس میں جواب ندینے کی شکایت لکھی . اسکے جواب میں میرزا صاحب الفاظ و مطالب کے گل کھلاتے ہیں :

”میری مشفق ! میری شفیق ! مجھے ہیج و پوچ کے مانتی والی ! مجھے بری کو اچھا جانتی والی ! میری محب ! میری محبوب ! تمکو میری خبر بھی ہے ؟ آگے ناتوان تھا . اب نیمجان ہوں . آگے بہرا تھا . اب اندھا ہوا چاہتا ہوں . رامپور کے سفر کا رہ آؤد ہی رعشہ وضع ہوا . جہاں چار سطرین لکھیں ، انگلیاں نیڑھی ہو گئیں . حرف سوچھتی سے رہ گئی . اکثر برس جیا . بہت جیا . اب زندگی برسوں کی نہیں ، مہینوں کی اور دنوں کی ہے . پہلا خط تمہارا پہنچا دوسرا خط مع غزل آیا ... غزل بعد مشاہدہ تمکو بھیجی گئی ، اور لکھا گیا کہ نوید حصول صحت جلد بھیجو . کل ایک خط رجسٹری دار آیا . گویا ستارہ دنبالہ دار آیا . حیران کہ ماجرا کیا ہے ؟ باری کھولا اور دیکھا . خط نوید رفع مرض و حصول صحت سے خالی اور شکوہ ہای بیجا سے لبریز . ۱۶

صاحب! میری نام کا خط جہان سے روانہ ہو وہیں رہ جائے تو رجائی۔ ورنہ دلی کے ڈاکخانہ میں پہنچ کر کیا حال ہو جو مجھے تک نہ پہنچے؟ اس طرح میرا خط یہاں کی ڈاکخانہ سے نہ روانہ ہو گیا مگر؟ جہان پہنچے وہاں کے ڈاک کے کارپردازوں کو اختیار ہے۔ مکتوب الیہ کو دین یا ندین ۰۰ (۱)

مرزا تفتہ کو ایک خط میں صاف طور پر لکھ دیا ہے، کہ نامور آدمی کی واسطے محلہ کا پتہ ضرور نہیں ہے۔ فرماتے ہیں:

”بات یہ ہے کہ نامور آدمی کی واسطے محلہ کا پتا ضرور نہیں۔ میں غریب آدمی ہوں۔ مگر فارسی انگریزی جو خط میری نام کے آتی ہیں تلف نہیں ہوتی۔ بعض فارسی خط پر پتا محلہ کا نہیں ہوتا، اور انگریزی خط پر تو مطلق پتا ہوتا ہی نہیں۔ شہر کا نام ہوتا ہے۔ تین چار خط انگریزی ولایت سے بجو آتی۔ جائز اونکی بلا کہ بلی ماروں کا محلہ کیا چیز ہے۔“ (۲)

مولانا حاتم علی مہر کو تحریر کیا ہے:

”اور یہ بھی آپکو معلوم رہی، کہ میری خط کے سرنامی پر محلہ کا نام لکھنا ضرور نہیں۔ شہر کا نام اور میرا نام۔ قصہ تمام“ (۳)

ایکبار میرزا صاحب نے مکان تبدیل کیا۔ مرزا تفتہ کو تردد ہوا کہ یہ مکان کس محلہ میں واقع ہے۔ اونکے اس تردد کے رفع کرنے کیلئے ارشاد ہوا ہے:

”یہ مکان بہ نسبت اوس مکان کے بہت ہے۔ اور یہ خوبی کے محلہ وہی بلیاروں کا۔ اگرچہ وہ بون کے میں اگر اور محلہ میں بھی جا رہتا تو قاصدان ڈاک وہیں پہنچتی۔ یعنی اب اکثر خطوط لال کنوی کے پتے سے آتے ہیں، اور بڑے تکلف یہیں پہنچتے ہیں۔ بہر حال تم وہی دلی، بلیاروں کا محلہ، لکھ کر خط بھیجا کرو۔“ (۴)

تفتہ ہی کو دوبارہ لکھا تھا:

”میری نام کا کوئی لفافہ ضائع نہیں جاتا۔ خدا جائز اوس پر کیا بجوگ پڑا؟“ (۵)

سید احمد حسن صاحب مودودی کی شکایت پر تحریر کیا ہے:

”میری نام کا لفافہ جس شہر سے چلی اوسی شہر کے ڈاک گھر میں رجائی تو رجائی۔ ورنہ دلی کے ڈاکخانہ میں پہنچ کر کیا امکان ہے کہ تلف ہو؟“ (۶)

ایکبار میرزا صاحب نے میر مہدی مجروح کے نام خط لکھا۔ ڈاک کے غلطی سے کسی دوسرے میر مہدی کو جا دیا۔ مجروح نے میرزا صاحب کو اسکی اطلاع دی۔ اس اطلاع پر ارشاد ہوتا ہے:

(۱) اردو معلیٰ، ص ۳۷ (۲) ایضاً، ص ۸۷ (۳) ایضاً، ص ۲۵۱
(۴) ایضاً، ص ۷۵ (۵) ایضاً، ص ۶۸ (۶) ایضاً، ص ۲۴۵

”وہ جو تم کو لکھا تھا کہ تیرا خط میری نام کا میری ہمنام کی ہاتھ جا پڑا۔“ صاحب قصور تمہارا
 ہو۔ کیونکہ ایسی شہر میں رہتے ہو جہاں دوسرا میر مہدی بھی ہو؟ مجھ کو دیکھو کہ میں کب
 سی دلی میں رہتا ہوں۔ نہ کوئی اپنا ہمنام ہونی دیا۔ نہ کوئی اپنا (م) عرف بنی دیا۔ نہ
 اپنا ہم تخلص بہم پہنچایا۔“ (۱)

ابتداءً مراسلت میں نواب فردوس مکان کے فرامین جامع مسجد کے پتہ سے
 جاتے تھے۔ حالانکہ میرزا صاحب آٹھ سات برس سے بلیمارون کے محلہ میں چلے
 آئے تھے۔ لیکن اس کے باوجود یہ فرامین میرزا صاحب کو ملتے رہے۔
 جب خود انہیں نے سرکار کو لکھا کہ آئندہ اہل دفتر کو صحیح پتہ لکھنے کی
 ہدایت کر دیجائے، تب دوسرا پتہ لکھا گیا۔ میرزا صاحب فرماتے ہیں:

”دیران خاص بر عنوان نامہ های پیشین نشان کلبہ این درویش دلریش عقب مسجد جامع نبشته اند
 و من از هفت هشت سال در محله بلیاری مانم۔ سپس نشان این محله نگاشته شود۔“ (۲)



متعلقاتِ انشاء

اس بحث کے آخر میں بعض ایسے حالات کا تذکرہ بھی ضروری ہے، جو بظاہر میرزا صاحب کے عادات و خصائل کی ایک کڑی معلوم ہوتے ہیں، لیکن انکی انشا کی کیفیت و کمیت کے اندازہ کیلئے اونکا مطالعہ افادہ سے خالی نہیں، اور اس لئے اونہیں متعلقاتِ انشا کے عنوان سے ذکر کیا جا سکتا ہے۔

جواب مین جلدی

خطوط کا جواب دینے میں میرزا صاحب بہت با ضابطہ تھے۔ وہ یوں تو ہر خط کا جواب فوراً لکھتے، اور غیر اختیاری عذر کے علاوہ کسی اور عذر کے پیش کرنے کا کبھی موقع نہ آنے دیتے۔ لیکن ضروری و جواب طلب خط کے جواب میں یہی جلد بازی سے کام لیتے تھے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ یہ جانتے ہوئے کہ اب ڈاک کا وقت گزر چکا ہے جواب لکھ لیتے اور مکتوب الیہ کو بتا دیتے کہ اس مجبوری کے سبب آج خط سپردِ ڈاک نہوسکا۔ مثلاً بیخبر کو تحریر کیا ہے :

• جناب عالی ! آج دوشنبہ ۳ جنوری سنہ ۱۸۵۹ کی ہو۔ پیر دت چڑھا ہوگا غزده و دردمند بیٹھا تھا کہ ڈاک کا ہرکارہ تمہارا خط لایا ... با آنکہ خط جواب طلب نہ تھا جواب لکھنی لگا۔ (۱)

نواب انور الدولہ بہادر شفق کو لکھا ہے :

• خداوند نعمت ! آج دوشنبہ ۶ رمضان کی اور ۱۵ فروری کی ہو۔ اسوقت کہ بارہ پر تین بجی ہیں عطوفت نامہ پہنچا۔ اودھر پڑھا ادھر جواب لکھا۔ ڈاک کا وقت نہ رہا۔ خط کو معنون کر رکھتا ہوں۔ کل شنبہ ۱۶ فروری کو ڈاک مین بھجوا دوں گا۔ (۲)

نواب علاء الدین خان بہادر علائی کو لکھتے ہیں :

• آج یوم الخیس ۱۹ جون المبارک بارہ پر تین بجو تمہارا خط آیا۔ اودھر پڑھا ادھر جواب لکھ کر بیٹھا ۰۰ (۱)

ایکبار میر مہدی مجروح کا خط صبح کی ڈاک سے موصول ہوا۔ میرزا صاحب نے اوسکا فوراً جواب لکھا اور اوس میں تحریر کیا :

• میں تو تجویز کر لیا تھا کہ جب کرنال سے خط آئیگا، تو میں جواب لکھونگا۔ آج شنبہ ۱۵ اکتوبر صبح کا وقت، ابھی کھانا پکا بھی نہیں، تبرید پیکر بیٹھا تھا، کہ تمہارا خط آیا اور پڑھا اور یہ جواب لکھا ۰۰ (۲)

انہیں کو لکھتے ہیں :

• اسوقت تمہارا ایک خط اور یوسف مرزا کا ایک خط آیا۔ مجھ کو بائیں کرنی کا مزا ملا، تو دونوں کا جواب ابھی لکھ کر روانہ کیا۔ اب میں روٹی کھانے جاتا ہوں ۰۰ (۳)

مرزا تفتہ کو تحریر کیا ہے :

• آج سنیچر بار کو دوپہر کے وقت ڈاک کا ہرکارہ آیا، اور تمہارا خط لایا۔ میں نے پڑھا، اور جواب لکھا، اور کلیان کو دیا۔ وہ ڈاک کو لیگیا۔ خدا چاہی تو کل پہنچ جائے ۰۰ (۴)

معلوم ہوتا ہے کہ دسمبر سنہ ۱۸۵۷ ع تک ڈاک کا ہرکارہ خط تقسیم بھی کرتا تھا اور دلی سے باہر جانے والے خطوط جمع بھی کیا کرتا تھا۔ اسلئے کہ ایکبار مرزا تفتہ کا خط آیا۔ میرزا صاحب نے اوسکا جواب لکھ کر اوسوقت ہرکارہ کو دیا اور آخر میں لکھا :

• اسوقت تمہارا خط پہنچا، اور اسوقت میں نے یہ خط لکھ کر ڈاک کے ہرکارہ کو دیا ۰۰ (۵)

عذر تاخیر

چونکہ میرزا صاحب خطوط کا جواب باقاعدگی سے دیا کرتے تھے اس لئے اگر اونکا کوئی دوست اپنے نیازنامہ کا جواب نہ پانے کی شکایت لکھتا، اور فی الحقیقت کسی وجہ سے جواب میں تاخیر ہو جاتی، تو میرزا صاحب فوراً عذر تاخیر لکھ دیتے۔ لیکن اگر شکایت پا در ہوا ہوتی تو اپنے اوپر کبھی ذمہ داری نہ لیتے اور صاف انکار کر دیتے۔ ایکبار میر احمد حسن

صاحب مودودی نے شکایت کی کہ آپ نے میرے کئی خطوں کا جواب نہیں بھیجا۔ اسکے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں :

”آپ کی کسی خط کا جواب میری ذمہ باقی نہیں ہو۔ دو یا تین پاس نہیں پہنچا

اوسکو یہ سمجھی کہ وہ خط راہ میں تلف ہوئی، اور میری پاس نہیں پہنچی۔“ (۱)

ایکبار اپنی عادت کے خلاف حاتم علی مہر کے خط کا جواب دوسرے دن لکھا، تو ساتھ ہی ساتھ تاخیر کی تلخی کو ظرافت کی چاشنی سے بدلنے کی بھی کوشش کی۔ فرماتے ہیں :

”بندہ پرور! آپ کا خط کل پہنچا۔ آج جواب لکھتا ہوں۔ داد دینا کتنا شتاب لکھتا ہوں؟“ (۲)

اسی طرح میر مہدی مجروح کے خط کے جواب کو کئی دن کی دیر ہو گئی تو اونہیں لکھا :

”واہ واہ سید صاحب! تم تو بڑی عبارت آرائیان کر رہے لگی۔ نثر میں خود نمایاں کر رہے لگی۔“

کئی دن میں تمہاری خط کی جواب کی فکر میں ہوں۔ مگر جاذبی بیحس و حرکت کر دیا ہے۔

آج جو بسبب ابر کی وہ مردی نہیں، تو میں نے خط لکھنے کا قصد کیا ہے۔“ (۳)

ایکبار مرزا حاتم علی مہر کو خط لکھا، اور بکس میں رکھ لیا۔ کئی دن کے بعد کھولا تو خط برآمد ہوا۔ اسکے متعلق اونہیں تحریر فرماتے ہیں :

”مرا بسادہ دلہای من توان بخشید * خطا نموده ام و چشم آفرین دارم

کل دو شبہ کا دن ۲۰ ستمبر کی تھی۔ صبح کو میں نے آپ کو شکایت نامہ لکھا، اور بیرنگ ڈاک

میں بھیج دیا۔ دوپہر کو ڈاک کا ہرکارہ آیا۔ تمہارا خط اور ایک مرزا تفتہ کا خط لایا۔

معلوم ہوا کہ جس خط کا جواب میں آپ سے مانگتا ہوں، وہ نہیں پہنچا۔ کچھ شکوہ سے

شرمندگی اور کچھ خط کی نہ پہنچی سے حیرت ہوئی۔ دوپہر ڈھل مرزا تفتہ کے خط کا جواب

لکھ کر ٹکٹ نکالنے لگا۔ بکس میں سے وہ تمہاری نام کا خط نکل آیا۔ اب میں سمجھا کہ خط

لکھ کر بھول گیا ہوں، اور ڈاک میں نہیں بھیجا۔ اپنی انسیان کو لعنت کی اور چپ ہو رہا۔

متوقع ہوں کہ میرا قصور معاف ہو۔“ (۴)

ایک مرتبہ میرزا صاحب نے تفتہ کو خط لکھا۔ اونکی طرف سے جواب

نہ ملا۔ بلکہ خط آیا تو اوٹلی خط نہ بھیجنے کی شکایت درج تھی۔ میرزا

صاحب اسکے جواب میں لکھتے ہیں :

آج پنجشنبہ کو دن ۱۸ نومبر کو تمہارا خط آیا، اور میں آج ہی جواب لکھتا ہوں۔ کیا تمنا ہے کہ تمہارا خط پہنچتا ہے، اور میرا خط نہیں پہنچتا؟ (۱)

لیٹیو لکھتے

میرزا صاحب کی وضع خطوط نویسی اسدرجہ پختہ ہو چکی تھی، کہ شدتِ مرض اور زیادتیِ ضعف کے باعث نشست و برخاست کی قوت نہونے کی حالت میں بھی جوابِ خط سے دوستوں کو محروم رکھنا گوارا نہ کرتے، اور لیٹے لیٹے جواب لکھتے تھے۔ چنانچہ ایکبار فروری سنہ ۱۸۵۴ ع میں تب و لرزہ کا شدید دورہ ہوا۔ ابھی مرض کی شدت باقی تھی کہ مرزا تفتہ کا خط آگیا۔ میرزا صاحب نے اوسی حالتِ ضعف میں جواب دیا، اور اوس میں لکھا:

دین چار دن می لرزی میں مبتلا ہوں... اتنی سطرین مجھ می ہزار جر ثقیل لکھی گئی
ہین ۲۰ (۲)

صاحبِ عالم صاحب مارہروی کو بحالتِ بیماری لکھا ہے:

د جو کچھ لکھنا ہوتا ہی وہ بھی اکثر لیٹیو لکھتا ہوں ۲۰ (۳)

اسی طرح ایک مرتبہ خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر کا خط آیا، تو میرزا صاحب کو اوٹھنا بیٹھنا دشوار تھا۔ لیکن اوسی حالت میں جواب لکھ کر آخر میں فرمایا:

د بارہ پر دو بھی ہرکارہ نہ آپ کا خط دیا۔ ہلنگ پر پڑی پڑی خط پڑھا، اور اوس طرح جواب لکھا ۲۰ (۴)

سنہ ۱۸۶۲ ع میں تقریباً سارا جسم زخموں سے بھرا ہوا تھا، اور بالخصوص سیدھے ہاتھ کے پھوڑے کی تکلیف سے روح تحلیل ہونی جاتی تھی؛ لیکن اس حالت میں بھی خطوں کے جوابات برابر بھیجتے رہے۔ چودھری عبد الغفور سرور کو لکھتے ہیں:

د اشعار کی اصلاح یک قلم موقوف۔ خطوط ضروری لیٹیو لکھتا ہوں۔ دو خط چودھری

(۱) اردوی مہلی، ص ۷۰ (۲) ایضاً، ص ۷۸ (۳) ایضاً، ص ۲۰۳ (۴) عود ہندی، ص ۱۷۴
ش — مکاتیب غالب

صاحب کی آئی، اور ایک خط شاہ عالم صاحب کا اور دو خط حضرت صاحب کی آئی۔ جواب نہ لکھ سکا۔ آج اپنی کو طفی دیکر مرد بنایا جب یہ عبارت لکھی (۱) انہیں کے ایک خط میں اشعار کے حسن و قبح کا معیار بتاتے ہوئے آتش و ناسخ کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن استشہاد میں انکا کوئی شعر یاد نہیں آتا تو کہتے ہیں :

» یاد کیا آوی۔ لیٹا ہوا ہوں۔ دمبدم ہانوں کو ورم کی ٹیس ہوش اوزاؤ دیتی ہو۔
انا لله وانا الیہ راجعون ! « (۲)

اسی زمانہ میں مرزا تفتہ کو لکھا ہے :

» میں ناتوان بہت ہو گیا ہوں۔ گویا صاحب فراش ہوں۔ کوئی شخص نیا تکلف کی ملاقات کا آجاؤ تو اونٹ بیٹھتا ہوں۔ ورنہ پڑا رہتا ہوں۔ لیٹی لیٹی خط لکھتا ہوں « (۳)

ضعف کی سبب مراسلت میں کمی

لیکن جب بوجہ پیرانہ سالی میرزا صاحب کا ضعف روز افزوں ہونے لگا، تو مجبوراً مراسلت میں کمی کرنی پڑی۔ تاہم اس حالت میں یہ کبھی نہوا کہ کسی جواب طلب خط کا جواب نہ دیا ہو۔ ہاتھ میں رعشہ اور بینائی میں نقصان آجانے کے بعد اخبارات میں اپنی اس حالت کا اعلان کر کے ارباب ادب سے التجا کی تھی کہ آئندہ جواب خط اور اصلاح اشعار سے معاف رکھے جائیں۔ لیکن اسپر بھی برابر خطوط چلے آتے تھے۔ اس زمانہ میں میرزا صاحب کسی بے تکلف دوست کے منتظر رہتے۔ جب ایسا دوست آجاتا، اوس سے جواب لکھا دیتے۔ ایکبار مرزا شمشاد علی بیگ رضوان نے کوتاہ قلبی کی شکایت کی۔ اسکے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں :

» مرزا ! رسم تحریر خطوط بسبب ضعف ترک ہوتی جاتی ہو۔ تحریر کا تارک نہیں ہوں، بلکہ متروک ہوں.... اگر تمہاری خط کا جواب نہ لکھوں تو محلِ ترحم ہو نہ مقام شکایت « (۴)

اپریل سنہ ۱۸۶۶ ع میں سید احمد حسن مودودی کو لکھتے ہیں :

» پیر و مرشد ! آپ کو میری حال کی بھی خبر ہو۔ ضعف نہایت کو پہنچ گیا۔ رعشہ پیدا ہو گیا۔ بینائی میں بڑا قور پڑا۔ حواس مختل ہو گئے۔ جہالتک ہوسکا احباب کی خدمت بجالایا۔

اوراق اشعار لیٹی لیٹی دیکھتا تھا، اور اصلاح دیتا تھا۔ اب نہ آنکھ سو اچھی طرح سوچھی، نہ ہاتھ سی اچھی طرح لکھا جائے۔ کتنی ہین کہ شاہ شرف بو علی قلندر کو بسبب کبر سن کی خدا فی فرض اور پیمبر فی سنت معاف کردی تھی۔ مین متوقع ہوں کہ میری دوست خدمت اصلاح اشعار مجھے معاف کر دیں۔ خطوط شوقیہ کا جواب جس صورت سی ہوسکیگا لکھ دیا کرونگا۔ زیادہ حد ادب۔ (۱)

مولوی حبیب اللہ خان دکا نے کیفیت مزاج دریافت کی تو اسپر در افشانی فرماتے ہین :

تم میری بات پوچھتی ہو۔ مگر مین کیا لکھوں؟ ہاتھ مین رعشہ۔ انگلیاں کھنکھن مین نہیں۔ ایک آنکھ کی بینائی زایل۔ جب کوئی دوست آجاتا ہو، تو اوس سی خطوط کا جواب لکھوا دیتا ہوں۔ (۲)

جون سنہ ۱۸۶۷ ع مین میان داد خان سیاح کو اپنی حالت لکھتے ہوئے فرماتے ہین :

میرا حال اسی سی جانو کہ اب مین خط نہیں لکھ سکتا۔ آگے لیٹی لیٹی لکھتا تھا۔ اب رعشہ و ضعف بصارت کی سبب سی وہ بھی نہیں ہوسکتا۔ (۳)

انہین کو اگست سنہ ۶۷ ع مین لکھا ہے :

آگے مین لیٹی لیٹی کچھ لکھتا تھا۔ اب وہ بھی نہیں ہوسکتا۔ ہاتھ مین رعشہ۔ آنکھوں مین ضعف بصر۔ کوئی متصدی میرا نوکر نہیں۔ دوست آشنا کوئی آجاتا ہو تو اوس سی جواب لکھوا دیتا ہوں۔ بھائی ! مین تو اب کوئی دن کا مہمان ہوں۔ اور اخبار والی میرا حال کیا جانیں؟ مان اکل الاخبار اور اشرف الاخبار والی کہ یہ بیان کر رہی والی ہین، اور مجھسی ملتی رہتی ہین۔ سو اونکی اخبار مین مین نے اپنا حال مفصل چھپوا دیا سی۔ اور اوس مین مین نے عذر چاہا خطوں کی جواب سی اور اشعار کی اصلاح سی۔ اوس پر کسی فی عمل نکیا۔ ابتک ہر طرف سی خطوں کی جواب کا تقاضا اور اشعار اصلاحوں کی چلی آتی ہین، اور مین شرمندہ ہوتا ہوں۔ بوڑھا، اباہج، پورا بہرا، آدھا اندھا۔ ذرات پڑا رہتا ہوں۔ (۴)

نواب میر غلام بابا خان بہادر نے کبھی کبھی اطلاع خیریت کی خواہش کی تھی۔ اونہین ۶ اپریل سنہ ۱۸۶۸ ع کو لکھتے ہین :

وآپ جو فرماتی ہین کہ تو اپنی خیر و عافیت کبھی کبھی لکھا کر۔ آگے اتنی طاقت باقی نہیں، کہ لیٹی لیٹی کچھ لکھتا تھا۔ اب وہ طاقت بھی زائل ہوگئی۔ ہاتھ مین رعشہ

پیدا ہو گیا۔ بینائی ضعیف ہو گئی۔ متصدی نوکر رکھنے کا مقدر نہیں۔ عزیزوں اور دوستوں میں سے کوئی صاحب وقت پر آگئے تو میں مطلب کہتا گیا وہ لکھنے لگتی۔ (۱)
سید احمد حسن صاحب کو کسی دوست نے اطلاع دی کہ اب میرزا صاحب کو افاقہ ہے۔ اونہوں نے میرزا صاحب سے اسکی تصدیق چاہی۔ اسپر تحریر فرماتے ہیں:

وہ جو آپ نے سنا ہے کہ اب غالب کو مرض سے افاقہ ہے سو عرض غلط ہے۔ آگے ناتوان تھا۔ اب نیمجان ہوں۔ خط نہیں لکھ سکتا۔ ایک لڑکے سے یہ چند سطرین لکھوا دی ہیں۔ جو میں کہتا گیا ہوں، وہ غریب لکھتا گیا ہے۔ (۲)
اپنی اس مجبوری کے زمانہ میں میرزا صاحب دوستوں اور شاگردوں کے خطوط کی طرح اعزہ کے خطوط کا جواب بھی بمشکل دیا کرتے تھے۔ نواب زین العابدین خان عارف کے بڑے لڑکے باقر علیخان کامل کو پوتوں کی طرح پالا تھا۔ وہ روزگار کی تلاش میں الور گئے۔ دلی میں بیوی اور ایک بچی چھوڑ گئے تھے۔ میرزا صاحب سے امید تھی کہ اپنی اور بہو اور پوتی کی خیریت سے مطلع کرتے رہیں گے۔ لیکن میرزا صاحب، جواب معذور ہو چکے تھے، اونکو بھی تاخیر سے جواب دیتے تھے۔ ایکبار اونہوں نے شکایت کی۔ میرزا صاحب نے جواب میں تحریر فرمایا:

بھئی جو تم گلہ کرتے ہو خط کی نہ بھیجی کا۔ بھائی! اب میری اونگلیاں نکلی ہو گئی ہیں، اور بصارت میں بھی ضعف آگیا ہے۔ دو سطرین نہیں لکھ سکتا۔ اطراف و جوانب کی خطوط آتی ہوں دھری رہتی ہیں۔ جب کوئی دوست آجاتا ہے میں اس سے جواب لکھوا دیتا ہوں۔ پرسوں کا تمہارا خط آیا ہوا دھرا تھا۔ اب اسوقت مرزا یوسف علیخان آگئے۔ میں نے اونسویہ خط لکھوا دیا۔ (۳)



طباعتِ خطوط

میرزا صاحب کی ممانعت

سب سے پہلے منشی شیو نراین اکبر آبادی اور ہرگوپال تفتہ کو میرزا صاحب کے خطوط کی طباعت کا خیال پیدا ہوا۔ ان دونوں نے علیحدہ علیحدہ میرزا صاحب کو اپنی تجویز سے مطلع کر کے اشاعت کی اجازت چاہی۔ لیکن اوس عہد تک مراسلت میں انشا پردازی کے تمام اصول و ضوابط کا لحاظ ضروری شمار ہوتا تھا، اور میرزا صاحب کے خیال میں زبانِ اردو کے لئے اس بارِ گران کا تحمل دشوار تھا۔ چنانچہ ہنری اسٹوارٹ ریڈ صاحب کی فرمائشِ اردو کے جواب میں انھوں نے یہی لکھ دیا تھا، کہ اس زبان میں زورِ قلم صرف کر کے معانی نازک پیدا کرنا اور اس طرح اپنا کمال انشا ظاہر کرنا مشکل ہے۔ اس میں گنجائشِ عبارت آرائی کہاں جو کوشش کی جائے؟ لہذا مجھے اس خدمت سے معاف رکھا جائے۔^(۱) علاوہ ازیں انھوں نے اردو مراسلت کاوش پڑوہی سے بچنے کیلئے شروع کی تھی، اور اسوجہ سے کبھی قلم سنبھالکر اور دل لگا کر کوئی خط نہ لکھا تھا۔ ان یارانِ باصفا کی تجویز منظور کر لینے میں خطرہ ہوا کہ کہیں کمالِ انشائی فارسی کے مداح اردو نثر دیکھکر شکوہِ سخنوری پر نکتہ چینی نہ کرنے لگیں، اور اردو کا یہ پھیکا پکوان فارسی کی اونچی دوکان کی شہرت پر دھبا نہ لگا دے۔ اسلئے ۱۸ نومبر سنہ ۱۸۵۸ ع کو منشی شیو نراین اکبر آبادی کو جواباً لکھا:

اردو کے خطوط جو آپ چاہا باچاقت میں یہ بھی زاید بات ہو۔ کوئی رقمہ ایسا ہوگا کہ جو میں قلم سنبھالکر اور دل لگا کر لکھا ہوگا۔ ورنہ صرف تحریرِ مرمری ہو۔ اوسکی

(۱) اردو مغل، ص ۳۶۲ و ۳۶۶ و ۳۶۷ پر وہ خطوط ملاحظہ ہوں جن میں میرزا صاحب نے اردو نثر لکھنے کی انکار کیا ہے۔ اور ساتھ ہی اس انکار کے وجوہ بھی بتائی ہیں۔

شہرت میری بخوری کی شکوہ کی منافی ہو . اس سے قطع نظر کیا ضرور ہو کہ ہماری آپس کے معاملات اوروں پر ظاہر ہوں ؟ خلاصہ یہ کہ ان رقعات کا چھاپا میری خلاف طبع ہو . (۱) ع ۵۸ اثنائین مرزا تفتہ کا پرزور نیازنامہ آیا . اوسکو پڑھکر ۲۰ نومبر سنہ ۵۸ ع کو ادھر منشی شیونراہن کو لکھا :

» رفعتوں کی چھاپہ کی باب میں ممانعت لکھ چکا ہوں . البتہ اس باب میں میری رائے پر تمکو اور مرزا تفتہ کو عمل کرنا ضرور ہو . (۱)

اور اوسطرف مرزا تفتہ کی ہٹ کے جواب میں مشفقانہ تحریر کیا :

» رقعات کی چھاپہ جاز میں ہماری خوشی نہیں ہو . لڑکوں کی سی ضد نکرو . اور اگر تمہاری اسی میں خوشی ہو تو صاحب مجھ سے نہ پوچھو . تمکو اختیار ہو . یہ امر میری خلاف رائے ہو . (۲)

اسکے بعد ان دونوں نے طباعتِ مکاتیب کے سلسلہ میں کچھ نہیں لکھا . جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انہوں نے ارادۂ طباعت فسخ کر دیا تھا .

مکتوبات غالب کا پہلا مجموعہ . مہرِ غالب ✓

اس واقعہ کے دو سال بعد سنہ ۱۲۷۸ ھ (۱۸۶۱ ع) میں چودھری عبد الغفور سرور مارہروی اور منشی ممتاز علیخان رئیس میرٹھ نے میرزا صاحب کی اجازت حاصل کئے بغیر اُن خطوط کی طباعت کا تہیا کیا ، جو سرور کے نام میرزا صاحب نے لکھے تھے . ترتیب کا کام سرور کے سپرد ہوا اور طباعت کا ذمہ ، ممتاز علیخان نے لیا . مجموعہ کا سرور نے » مہرِ غالب « نام رکھا اور اوسکے دیباچہ میں لکھا : (۳)

» اربابِ علوم کو معلوم ہو کہ میں انکسارِ ظہور ، عبد الغفور متخلص بہ سرور ، مارہروی بدو شعور سے اہل سخن کا طالب اور صاحبِ کمال کا خواہان تھا . جب کلامِ بلاغت نظامِ رشک صائب ، نضر طالب ، جناب اسد اللہ خان صاحبِ غالب کا دیکھا ، دل کو بھایا . بکتا پایا . ترسیل

(۱) اردوی معلی ، ص ۳۶۱ (۲) ایضاً ص ۱۰۵

(۳) اگرچہ سرور نے سنہ ۱۸۶۱ ع میں میرزا صاحب کے خطوط مرتب کر لیے تھے . لیکن دیباچہ لکھنے کی نوبت سنہ ۱۸۶۳ ع میں آئی ، جب کہ کتاب پریس کو جا رہی تھی . اسلئے کہ عودِ ہندی (ص ۴۷) میں میرزا صاحب کا ایک خط اس دیباچہ کی تعریف میں درج ہو ، جو اسلئے سنہ ۱۸۶۳ ع کا مکتوبہ معلوم ہوتا ہو کہ اس میں میرزا صاحب نے ماقبل مکتوب کا حوالہ دیا ہو ، اور ماقبل کا خط کثرتِ شور و اورام کی داستان پر مشتمل ہو ، جو سنہ مذکورہ کا واقعہ ہو .

مراسلات میں قدم بڑھایا۔ ہر کتابت کا جواب آیا۔ جو نامہ کہ بنام میری بعبارت اردو تحریر کیا، مکتوب سادہ رویوں سے دلربا تر، اور ہر سطر اوسکی سلسلہ رویوں سے تاب فرساز یادہ ہو۔ جس آنکھ نے دیکھا وہ بینا ہو۔ جس کان نے سنا وہ شنوا ہو۔ پس تنہا متلذذ ہونا اور آپ ہی آپ مزہ اونہانا خلاف انصاف جانا۔ دل مایل تمام بشرت عام ہوا۔ اور ہنوز یہ قصد ناتمام تھا، کہ بحسن اتفاق غر زمان، وحید دوران، جناب ممتاز علیخان صاحب متوطن میرٹھ ... رونق افزای مارہرہ ہوی ... ایک روز محفل مدوح میں ذکر ہمہ دانی و شیوہ بیانی جناب استاد ی و محدودی درمیان آیا۔ ارشاد کیا کہ کلام مرزا صاحب نسیم جانفزا اور شمیم دلکش ہو۔ فارسی کا کیا کہنا! اردو بھی یکتا ہو۔ نظم و نثر فارسی تو محلی بحالہ انطباع ہوا۔ لیکن نثر اردو زیور طبع سے عاری رہا۔ اگر وہ خطوط کہ بنام تمہاری آئی اور تم نے سنائی ہیں جمع کرو تو میں اوسکی انطباع کا بیڑا اونہاتا ہوں۔ اس تقریر سے نسیم تاثیر نے غنچہ دل کھلایا۔ منشی خاطر ظہور میں آیا۔ وہ مکتوب کہ بنام میری آئی تھی ترتیب دی۔ گویا جواہر بی ہا کان قلدان سے نکالکر کشتی اوراق میں جمع کٹو۔ چونکہ محبت جناب غالب میری حال پر بہت غالب ہو، لہذا نام اس انشا کا "مہر غالب" (بکریم) مناسب ہو۔ سال ختم تالیف بھی اس نام سے مطابق پایا۔ (۱)

یہ تجویز پاس ہوگئی اور منشی ممتاز علی خان صاحب میرٹھ چلے آئے۔ لیکن ابھی طباعت شروع نہوئی تھی کہ اونہیں خیال پیدا ہوا کہ میرزا صاحب کے مزید رقعات تلاش کر کے اس مجموعہ میں شامل کئے جائیں۔ اس خیال کی تکمیل میں قدرت نے امداد کی اور اونہیں ایک اور مجموعہ کا پتہ چلا، جو میرزا صاحب کے علم و امداد سے مرتب کیا جا رہا تھا۔

مکاتیب غالب کا دوسرا مجموعہ

یہ مجموعہ منشی غلام غوث خان بہادر بیخبر مرتب کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے ارادہ کی اطلاع میرزا صاحب کو پہلے سے دیدی تھی، اور یہ خواہش کی تھی، کہ اون تمام خطوں کی نقول بھی مہیا کر دیں، جو دوسرے احباب اور شاگردوں کے نام لکھے گئے ہیں۔ میرزا صاحب نے اس التماس کو قبول کر لیا تھا۔ لیکن اوسوقت تک اونکا یہ خیال تھا کہ صرف وہ خط مرتب کیے جائیں، جن میں کوئی ادبی خوبی ہو۔ روزمرہ

کی نجی ضروریات پر مشتمل خطون کو خارج کر دیا جائے۔ اسلئے بیخبر کو جواب میں لکھا تھا :

• آپ کو معلوم رہو کہ منشی حبیب اللہ ذکا اور نواب مصطفیٰ خان حسرتی کو کبھی اردو خط نہیں لکھا۔ ہاں ذکا کو غزل اصلاحی کی ہر شعر کی تحت میں منشاء اصلاح می آگہی دیجانی تھی۔ نواب صاحب کو یوں لکھا جاتا ہے : • کبار آیا۔ خط لایا۔ آم پہنچی۔ کچھ بانڈ۔ کچھ کھاڑی۔ بچوں کو دعا۔ بچوں کی بندگی۔ مولوی الطاف حسین صاحب کو سلام۔ • یہ تحریر اس ہفتہ میں گئی تھی۔ غرضکہ عامیانہ لکھنا اختیار کیا ہے۔ اب یہ عبارت جو نمکوں لکھ رہا ہوں یہ لائق شمول مجموعہ نثر اردو کہانت ہے ؟ یقین جانتا ہوں کہ ایسی نثروں کو آپ خود نہ درج کریں گے۔ (۱)

اسی زمانہ میں مولوی عبد الغفور خان بہادر نسخ کو ایک خط لکھا تھا۔ اوسکی نقل بیخبر کو روانہ کرتے ہوئے تمہیداً تحریر کرتے ہیں :

• پیر و مرشد ! کوئی صاحب ڈپٹی کلکٹر ہیں کلکتہ میں۔ مولوی عبد الغفور خان اونکا نام اور نسخ اونکا تخلص ہے۔ میری اونکی ملاقات نہیں۔ اونہوں نے اپنا دیوان چھاپنے کا موسم ہے • دفتر بمثال • چکو بھیجا۔ اوسکی رسید میں یہ خط میں نے اونکو لکھا۔ چونکہ یہ خط مجموعہ نثر اردو کی لائق ہے، آپ کی پاس ارسال کرنا ہوں۔ (۲)

لیکن ان نجی خطوں کی موجودگی سے معلوم ہوتا ہے کہ بیخبر نے اونکے اس مشورہ کو نہ مانا، اور ہر قسم کے خط شامل مجموعہ کر لیئے۔

مقام طباعت

میرزا صاحب کا خیال تھا کہ بیخبر اس مجموعہ کو الہ آباد میں، جہاں وہ مقیم تھے، طبع کرائیں گے۔ اسلئے ایک انگریز کے استفسار کے سلسلہ میں بیخبر کو لکھا :

• جناب کیمس صاحب بہادر افسر مدارس غرب و شمال کا باوجود عدم تعارف خط چکو آیا۔ کچھ اردو زبان کی ظہور کا حال پوچھا تھا۔ اوسکا جواب لکھ بھیجا۔ نظم و نثر اردو طلب کی تھی۔ مجموعہ نظم بھیج دیا۔ نثر کی باب میں تمہارا نام نہیں لکھا۔ مگر یہ لکھا کہ الہ آباد میں وہ مجموعہ چھاپا جاتا ہے۔ بعد انطباع و حصول اطلاع وہاں سے مگا کر بھیج دوں گا۔ (۳)

مگر بیخبر نے اس غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے لکھا کہ منشی ممتاز علیخان رئیس میرٹھ نے اپنے مطبع میں طباعت کا اہتمام کیا ہے۔ میرزا صاحب ان بزرگ سے واقف تھے، اسلئے بیخبر کی اس خبر پر اطمینان ظاہر کیا، اور جب بیخبر نے دوبارہ اونکا ذکر کیا تو تحریر فرمایا:

حضرت پیر و مرشد! اس سے آگے آپکو لکھ چکا ہوں کہ منشی ممتاز علیخان صاحب سے میری ملاقات ہو، اور وہ میری دوست ہیں۔ (۱)

طباعت میں تاخیر

خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر نے مکاتیب کی جمع و ترتیب کا کام سنہ ۶۱ ع میں شروع کیا۔ میرزا صاحب کے مکتوب الیہم میں سے جو بزرگ خود اونکے دوست تھے اونسے براہ راست، اور جنکی خدمت میں خود نیاز حاصل نہ تھا اونسے بتوسط غالب خطوط کی نقلین میا کین، اور سنہ ۶۵ ع میں یہ سلسلہ ختم کر دیا۔ لیکن میرزا صاحب نے، جو سنہ ۶۳ ع کے بعد سے طباعت کا انتظار کرنے لگے تھے، آخر کار مجبور ہو کر تقاضا شروع کر دیا۔ چنانچہ ایک خط کے آخر میں بیخبر کو لکھا ہے:

دور مان حضرت! وہ مجموعہ چھپ گا بالفتح یا چھپ گا بالضم۔ چھپ چکا ہو تو حق التصنیف کی جتنی جلدین منشی ممتاز علیخان صاحب کی ممت اقتضا کری فقیر کو بھیجی۔ (۲)

اجاب کی تقاضی

اس مجموعہ کی ترتیب میں مختلف اصحاب کے پاس سے خطوط کی نقلین منگائی گئی تھیں۔ اسلئے پبلک میں کافی شہرت ہو چکی تھی۔ جب اشاعت میں زیادہ تاخیر ہو گئی تو میرزا صاحب کے پاس تقاضے کے خطوط آنے لگے۔ ان تقاضوں سے پریشان ہو کر میرزا صاحب نے ۷ مارچ سنہ ۱۸۶۴ ع کو بیخبر کے نام حسب ذیل خط لکھا:

دور مان حضرت! کہی۔ منشی ممتاز علیخان کی سنی بھی مشکور ہوگی؟ وہ مجموعہ اردو

چھپی گا یا چھپا ہی رہیگا؟ احباب اوسکو طالب ہیں۔ بلکہ بعض نے طلب کو بسرحد تقاضا پہنچا دیا ہو۔ (۱)

پنجاب احاطی کی مانگ

ان تقاضا کر نیوالے احباب میں سب سے زیادہ حصہ زندہ دلان پنجاب نے لیا تھا۔ ان سے مجبور ہو کر میرزا صاحب نے منشی ممتاز علیخان صاحب کو ملزم ٹھراتے ہوئے پیخبر کو تحریر کیا :

• اچی حضرت ! یہ منشی ممتاز علیخان کیا کر رہی ہیں؟ رقمی جمع کئی اور نہ چھپوائی۔ فی الحال پنجاب احاطہ میں اونکی بڑی خواہش ہے۔ جانتا ہوں کہ وہ آپکو کہاں ملین گے جو آپ اون سے کہیں۔ مگر یہ تو حضرت کی اختیار میں ہے کہ جتنی میری خطوط آپکو پہنچی ہیں وہ سب یا اون سب کی نقل بطریق پارسل آپ بھجو بھیج دیں۔ جی یوں چاہتا ہوں کہ اس خط کا جواب وہی پارسل ہو۔ (۲)

میرزا صاحب کا دیاچہ

غالباً اس کے جواب میں خواجہ غلام غوث خان بہادر پیخبر نے میرزا صاحب کو لکھا کہ آپ مجموعہ نثر اردو کیلئے دیاچہ لکھ کر روانہ فرمائیں تو کتاب پریس کو بھیجی جائے۔ اس سلسلہ میں میرزا صاحب نے تحریر کیا :

• میں صاحب فراش ہوں۔ اونہا بیٹھنا ناممکن ہے۔ خطوط لینی لینی لکھتا ہوں۔ اس حال میں دیاچہ کیا لکھوں؟ (۳)

پیخبر نے اسکے بعد بھی دیاچہ لکھنے کی درخواست کی تو اونہیں ظریفانہ انداز میں لکھا :

• بندہ پرور ! اگر ایک بندہ قدیم، کہ عمر بھر فرمان پزیر رہا ہو، بڑھاپے میں ایک حکم بجانہ لاوی تو مجرم نہیں ہو جاتا۔ مجموعہ نثر اردو کا انطباق اگر میری لکھی ہوئی دیاچہ پر موقوف ہو، تو اوس مجموعہ کا چھپ جانا بالنتج میں نہیں چاہتا۔ بلکہ چھپ جانا بالضم چاہتا ہوں۔ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :

رسم است کہ مالکان تحریر * آزاد کنند بندہ پیر

آپ بھی اوسی گروہ یعنی مالکان تحریر میں سے ہیں۔ پھر اس شعر پر عمل کیوں نہیں کرتی؟ (۴)

خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر نے میرزا صاحب کا عذر تسلیم کر کے اپنے جمع کردہ خطوط منشی ممتاز علیخان صاحب کے پاس بھیج دیے۔ منشی صاحب نے چودھری عبد الغفور سرور اور خواجہ صاحب کے مجموعہ ہی مکاتیب کو یکجا کر کے "عودِ ہندی" نام رکھا، اور خود دیاچہ لکھ کر

جمع و ترتیب میں سعی کرنیوالے اصحاب کی محنت کی اس طرح داد دی :

ور ... نجم الدولہ اسد اللہ خان بہادر غالب، جنکی ذات با کمالات محتاج تعریف نہیں ... سارا ہند اونہیں جانتا ہو۔ ایران تک اونکی جادویانی کا چرچا ہو۔ بھی مدت سی اسکا خیال تھا کہ فارسی تصنیفین تو اونکی بہت مرتب ہوئیں، اور چھاپی گئیں۔ ... مگر کلام اردو نے سوای ایک دیوان کے ترتیب نہائی۔ یہ دولت ارباب شوق کے ہاتھ نہ آئی۔ حالانکہ نثر اردو اونکی اورون کی فارسی سی ہزار درجہ بہتر ہو۔ یہ سلاست بیان، یہ شستگی زبان، روزمرہ کی صفائی، اداؤں کی شوخی، کسی کو کب میسر ہو؟ اوسی بھی ترتیب دیجو۔ قدر دانوں پر احسان کیجو۔ میری عنایت فرما اور مرزا صاحب کی شاگرد یکتا چودھری عبد الغفور صاحب سرور تخلص سی یہ ذکر آیا، تو اونہوں نے جسٹو خطوط مرزا صاحب کے اونکی نام آئی تھی، سب کو ایک جا کر کے اور اوسپر ایک دیاچہ لکھ کر، وہ مجموعہ عنایت کیا۔ عرصہ تک سرگرم تلاش رہا۔ جا بجا سی اور تحریریں مرزا صاحب کی بہم پہنچائیں۔ بڑی محنت اونہائی، تب تمنا برآئی، اور مجموعہ مرتب ہوا۔ آج پورا اپنا مطلب ہوا۔ //

خواجہ غلام غوث خانصاحب بہادر بیخبر تخلص، جو نواب علی القاب لفٹنٹ گورنر بہادر ممالک مغربی و شمالی کے میر منشی اور میری مخدوم خاص اور حضرت غالب صاحب کے مخلص با اختصاص ہیں۔ اس تلاش میں میری معین اور مددگار رہی۔ بہت کچھ ذخیرہ اونکی بدولت بہم پہنچا۔

اس کتاب کی دو فصل اور ایک خانہ ہو۔ پہلی فصل میں چودھری صاحب کے مرتب کی ہوئی خطوط اور اونکا لکھا ہوا دیاچہ، دوسری فصل میں میری جمع کی ہوئی رقعات، اور خانہ میں چند نثریں ہیں، جو جناب غالب نے اورون کی کتابوں پر تحریر فرمائی ہیں۔ "عودِ ہندی" اس کتاب کا نام ہو۔ (۱)

شہر میرٹھ میں طبع کیا۔ کتاب ۱۸۸ صفحوں پر تمام ہوئی۔ خاتمہ حکیم غلام مولانا قلق میرٹھی نے لکھا۔ آخر میں چار تاریخی قطعے اضافہ کیے گئے۔ ان میں ایک قلق کا، ایک اونکے شاگرد منشی عبد الحکیم محو میرٹھی کا، اور بقیہ دو غالباً خود منشی ممتاز علیخان صاحب کے ہیں۔

ان قطعات سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۲۸۵ ہجری میں طباعت پایہ تکمیل کو پہنچی۔ آخری صفحے کے نچلے گوشہ میں ۱۰ رجب سنہ ۱۲۸۵ ہجری درج ہے، جس سے تاریخ و ماہ بھی متعین ہو جاتے ہیں۔

میور صاحب کی نذر

آخری قطعہ کے مطالعہ سے ایک نئی بات یہ معلوم ہوتی ہے، کہ منشی ممتاز علیخان نے میور صاحب (غالباً سر ولیم میور گورنر ممالک مغربی و شمالی) کی خدمت میں عود کا مطبوعہ نسخہ نذر گزارا تھا۔ سر ولیم میور علوم مشرقیہ کے عالم تھے۔ خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر نے، جو عود ہندی کی جمع و ترتیب میں برابر کے شریک تھے، طابع کو مشورہ دیا ہوگا کہ مطبوعہ نسخہ صوبہ کے اعلیٰ حاکم کے نام معنون کر کے اوسکے نشر و اشاعت کی تکمیل پر مہر توثیق ثبت کریں۔ اوس زمانہ میں اردو زبان میں ایسی نادر کتابیں معدودے چند شایع ہوئی تھیں۔ گورنمنٹ بعض سیاسی مصالح کے ماتحت نئی مفید کتابوں کی اشاعت میں انعام کے نام سے یا امداد طبع کھکر اخراجات کا بار اوٹھا لیا کرتی تھی۔ اسلئے بعید نہیں کہ منشی صاحب کو بھی کچھ روپیہ مل گیا ہو۔

میرزا صاحب کا حق تصذیف

ایکبار میرزا صاحب نے کتاب کی فوری اشاعت کا تقاضا کر تے ہوئے بیخبر کو لکھا تھا :

د اور هان حضرت! وه مجموعه چهیگا بالفنچ با چهیگا بالهنم. چهب چكا هو تو حق

التصنیف کی جتنی جلدیں منشی ممتاز علیخان صاحب کی ممت اقتضا کرے فقیر کو بھیجی . (۱۱) ،
یہ امر یقینی ہے کہ عودِ ہندی میرزا صاحب کی زندگی میں شایع ہوئی . اس لئے
بظاہر یہ خیال ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے حق التصنیف حاصل کیا ہوگا .
لیکن اونکے مکاتیب میں اسکی طباعت یا حق التصنیف کے نسخوں کی وصولیابی
کا مطلق ذکر نہیں پایا جاتا . بنابرین اس بارہ میں کسی قطعی رای کا اظہار
غیر مناسب ہے .

عود کی رقعات کی تعداد

عودِ ہندی کے کل رقعات کی تعداد ۱۶۲ ہے . ان میں ۲۵ چودھری
عبد الغفور سرور کے نام ، ۲ صاحبِ عالم مارہروی کے نام ، ۲ شاہ عالم مارہروی
کے نام ، ۲۰ نواب انور الدولہ بہادر شفق کے نام ، ۲ یوسف علیخان عزیز کے
نام ، ۳۱ میر مہدی مجروح کے نام ، ۱ میر سرفراز حسین کے نام ، ۱ میرزا
علاء الدینخان بہادر علائی کے نام ، ۱ مرزا تفتہ کے نام ، ۱۸ مرزا حاتم علی
مہر کے نام ، ۲۵ خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر کے نام ، ۱ مولوی
عبد الغفور خان نساخ کے نام ، ۱ ظہیر الدینخان کیطرف سے اونکے چچا کے
نام ، ۱ نواب مصطفی خان شیفتہ کے نام ، ۱ نواب مردان علیخان رعنا کے نام ،
۱ مرزا رحیم بیگ کے نام ، ۱۰ مولوی عبد الرزاق شاکر کے نام ، ۱۵ قاضی
عبد الجلیل صاحب بریلوی کے نام ، ۱ مولوی عزیز الدین کے نام ، ۱ سید محمد
عباس صاحب کے نام اور ۱ منشی غلام بسم اللہ صاحب کے نام ہے .

ان خطوط کے علاوہ دو تقریظیں ، مرزا حاتم علی مہر کی مثنوی کی
تقریظ اور رجب علی بیگ سرور کی گلزار سرور کی تقریظ ، اور تین دیاچے ،
حدایق الانظار کا دیاچہ ، قواعد تذکیر و تانیث کا دیاچہ ، اور مرزا کلب
حسین خان بہادر کے مجموعہ قصاید کا دیاچہ بھی کتاب میں شامل ہیں . نیز

ایک خط بیخبر کا بھی درج کیا گیا ہے ، جو میرزا صاحب کے خط کا جواب تھا اور اپنی ادبی خوبیوں کی وجہ سے منشی ممتاز علیخان بہادر کی نظر میں شامل مجموعہ ہونے کے قابل تھا ۔

مکاتیب غالب کا تیسرا مجموعہ

ابھی عودِ ہندی طبع ہونے نہ پائی تھی ، کہ اطرافِ ہند سے میرزا صاحب کے مجموعہ خطوط کی مانگ شروع ہو گئی ۔ میرزا صاحب نے خواجہ غلام غوث خان بہادر کو اونکے مرتب کردہ مجموعہ کی طباعت کے متعلق بار بار لکھا ۔ لیکن جب سال پر سال گزرنے لگا اور کسی طرح کتاب نہ چھپی ، تو انہیں اوسکی طباعت کی طرف سے مایوسی ہو گئی ۔ احبابِ دہلی نے یہ دیکھ کر ، کہ میرٹھ اس ادبی انقلاب میں پہلا قدم اوٹھانے سے قاصر نظر آتا ہے ، تمہا کیا کہ اس شرف کو خود حاصل کریں ، اور مانگِ اکمل المطابع دہلی کو اخراجاتِ طباعت برداشت کرنے پر آمادہ کر لیا ۔ اب خطوط کی فراہمی کا مسئلہ باقی رہتا تھا ۔ وہ اس طرح حل ہو گیا کہ خود میرزا صاحب ، جو اپنی انشا کی حقیقی قدر و قیمت اور بازاری مانگ سے باخبر ہو چکے تھے ، اس میں ہاتھ بٹانے کیلئے تیار ہو گئے ۔ چنانچہ چاروں طرف اصل خطوط یا اونکے نقول کی طلب میں خطوط لکھے گئے ، اور رفتہ رفتہ کافی ذخیرہ فراہم ہو گیا ۔ اس سلسلہ میں خود میرزا صاحب نے جن احباب کو لکھا اون میں سے نواب علاء الدین خان بہادر علائی کے متعلق دستاویزی ثبوت موجود ہے ۔ بقیہ اصحاب نے میرزا صاحب کے تقاضائی خطوط کی نقلیں نہیں بھیجیں ۔ اسلئے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کون بزرگ تھے جنہیں خود میرزا صاحب نے ارسالِ نقول کیلئے لکھا تھا ۔

نواب علاء الدین خان بہادر کو سب سے پہلا خطوط طلب مکتوب اونکے لوہارو پہنچنے کے بعد لکھا ہے ۔ فرماتے ہیں :

• مقصود ان سطور کی تحریر سی یہ ہے کہ مطبع اکمل المطابع میں چند احباب میری مسودات اردو کی جمع کرنے پر اور اوسکی چھپوانی پر آمادہ ہوی ہیں۔ مجھسی مسودات مانگی ہیں، اور اطراف و جوانب می بھی فراہم کیو ہیں۔ میں مسودہ نہیں رکھتا۔ جو لکھا وہ جہان بھیجتا ہو وہاں بھیج دیا۔ یقین ہے کہ خط میری تمہاری پاس بہت ہونگی۔ اگر اونکا ایک پارسل بنا کر بسیل ڈاک بھیج دوگی، یا آج کل میں کوئی ادھر آئیوالا ہو اوسکو دیدوگی، تو موجب میری خوشی کا ہوگا، اور میں ایسا جانتا ہوں کہ اوسکی چھاپڑ جائز ہے تم بھی خوش ہوگی۔ (۱)

نواب علاء الدین خان بہادر نے اس خواہش کی تکمیل میں پس و پیش کیا۔ میرزا صاحب نے سمجھا کہ غالباً نواب صاحب نجی معاملات کی اشاعت کے خیال سے گریز کر رہے ہیں۔ اگرچہ کچھ عرصہ قبل خود میرزا صاحب نے تفتہ کو یہ کہہ کر اشاعتِ خطوط سے روکا تھا کہ نجی واقعات کو منظرِ عام پر لانا کیا ضرور ہے؟ لیکن اب اونکا ادبی عقیدہ بدل چکا تھا۔ چنانچہ نواب صاحب کے اس خیال کی تردید میں تحریر کیا:

• میری خطوط اردو کی ارسال کی باب میں جو کچھ تمہو لکھا تمہاری حسن طبع پر تم سے بعید تھا۔ میں سخت بیمار ہوا۔ اگر بیماری کے وجوہ لکھوں تو شاید ایک تختہ کاغذ سیاہ کرنا پڑی۔ اب ایک بات موجب و مختصر لکھتا ہوں۔ سنو بھائی! اگر اون خطوط کا تمکو اخفا منظور ہو، اور شہرت تمہاری منافی طبع ہے، تو ہرگز نہ بھیجو۔ قصہ تمام ہوا۔ اور اگر اونکو تلف ہونے کا اندیشہ ہے، تو میری دستخطی خطوط اپنی پاس رکھ دو، اور کسی مقصدی سے نقل اوتروا کر، چاہو کسی کی ہاتھ چاہو بسیل پارسل، ارسال کرو، لیکن جلد۔ خدا کے واسطے! کہیں غصہ میں آکر عطای تو بلقائ توہ کہہ کر اصل خطوط نہ بھیج دینا، کہ یہ امر میری مخالف مقصود ہے۔ (۲)

معلوم ہوتا ہے کہ اس خط کے بعد بھی علاقائی نے ارسالِ نقول میں توقف کیا تھا؛ مگر میرزا صاحب نے پھر اس کے متعلق کچھ نہ لکھا، اور جب اونہوں نے اصل خطوط بھیج کر میرزا صاحب کے ترکِ طلب کا سبب دریافت کیا، تو صبح شنبہ ۳۰ مئی سنہ ۱۸۶۳ ع کو از راہِ معذرت لکھا:

• لاوجود الا اللہ۔ اوس خدا کی قسم! جسکو میں نے ایسا مانا ہے، اور اوسکو سوا کسی کو موجود نہیں جانا ہے، کہ خطوط کی ارسال کو مکرر نہ لکھنا از راہِ ملال

نہ تھا۔ طالب کی ذوق کو سست پا کر مین متوقف ہو گیا۔ متوسط ایک جلیل القدر آدمی اور طالب کتب کا سوداگر ہو۔ اپنا نفع نقصان سونچا۔ لاگت بچت کو جانچا۔ مین متوسط کو مہتمم سمجھا تھا، اور یہ خیال کیا تھا کہ یہ چھپرائیگا۔ ۳۰ رقمی ایک جگہ سو لیکر اونکو بھیجی۔ اوسکی رسید مین تقریباً اونہوں نے طلب رقعات بہ تکلیف سوداگر لکھی، اور اوس سوداگر کو مفقود الخبر لکھا۔ ظاہراً کتابیں لیکر کہیں گیا ہوگا۔ (با) کتابیں لے گیا ہوگا۔ یہ ۲۳ لفاظی اور ۳۴ خط بدستور میری بکس مین موجود و محفوظ رہیں گی۔ اگر متوسط بتقاضا طلب کریگا ان خطوط کی نقلیں اوسکو اور اصل نمکو بھیج دوں گا۔ ورنہ تمہاری بھیجی ہوئی کاغذ نمکو پہنچ جائیگی۔ (۱)

غالباً اس خط کی روانگی کے بعد ہی مہتمم طبع نے خطوط کی نقلیں حاصل کر لیں۔ میرزا صاحب یکشنبہ ۳۰ محرم الحرام سنہ ۱۲۸۰ھ مطابق ۲۱ جون سنہ ۱۸۶۳ ع کو اصل خطوط واپس کر کے لکھتے ہیں:

«میری جان! مرزا علی حسین خان آئی اور مجھے ملی۔ مین نے خطوط مرسلہ تمہاری یکشت اونکو دی۔ اب تمہاری پاس بھیجی کا اونکو اختیار ہو۔ رسید کا البتہ مجھے انتظار ہو۔ (۲)»

✓ اردوی معلیٰ

مکاتیب کا یہ تیسرا مجموعہ «اردوی معلیٰ» کے اسم سے موسوم ہوا۔ میر مہدی مجروح نے اسکا دیباچہ اور میرزا قربان علی بیگ سالک نے خاتمہ لکھا۔ کتاب دو حصوں مین منقسم ہوئی۔ «پہلے حصہ مین صاف صاف عبارت کے خط تحریر کیے۔ تا طلبایٰ مدرسہ فائدہ اوٹھائیں۔ دوسرے حصے مین مطالب مشککہ کی تحریر اور تقریظ وغیرہ لکھی»۔ (۳) لیکن غالباً پہلی بار صرف حصہ اول شایع ہو سکا۔ اس لئے کہ کتب خانہ عالیہ رامپور مین جو نسخہ موجود ہے وہ مکمل ہوتے ہوئے صرف حصہ اول پر مشتمل ہے۔

اردوی معلیٰ کا سال طباعت

بظاہر یہ یقین کرنے کے تمام وجوہ موجود تھے کہ مکاتیب کا یہ مجموعہ جلد از جلد شایع ہوگا۔ لیکن قدرت نے اس ادبی انقلاب کی اولیت کا شرف میرٹھ ہی کو ودیعت کیا تھا۔ عودِ ہندی ۱۰ رجب سنہ ۱۲۸۵ھ

کو شایع ہو گئی ، اور اردویِ معلیٰ کو یہ دن بھی نصیب نہوا کہ اپنے خالقِ مجازی کا دیدار کر لیتا ۔ اسلئے کہ حسبِ تصریحِ خاتمۂ طبع یہ مجموعہ جمعہ کے دن ۲۱ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۵ ھ مطابق ۶ مارچ سنہ ۱۸۶۹ ع کو چھپ کر تیار ہوا ،^(۱) اور میرزا صاحب نے ۲ ذیقعدہ سنہ مذکور کو وفات پائی ۔ اس حساب سے اونکے انتقال سے ۱۹ دن کے بعد کتاب تمام ہوئی ۔ سالک نے سالِ طبع لکھا :

کیا کہون ! کچھ کہا نہیں جاتا * لب پہ نالون کا ازدحام ہوا
صدمۂ مرگِ حضرتِ غالب * سببِ رنجِ خاص و عام ہوا
ہے یہی سالِ طبع و سالِ وفات * آج اونکا سخن تمام ہوا

۱۲۸۵

مقام طباعت اور حق تصنیف

اردویِ معلیٰ دلی کے مطبعِ اکمل المطابع میں طبع ہوا ۔ حکیم غلام رضا خان اس کے مالک ، میر نذر الدین مہتمم ، اور لالہ بہاری لعل منشی تھے۔^(۲)

کتاب کے آخر میں ایک اعلان شایع ہوا کہ اسکا حق تصنیف میرزا صاحب نے حکیم غلام رضا خان صاحب کو عطا کر دیا ہے ، اور ایک رقعہ بطورِ سند لکھ دیا ہے ۔ لہذا کوئی صاحبِ حکیم صاحب کی بلا اجازت رقعات چھاپنے کا قصد نہ کریں ۔ اسکے بعد میرزا صاحب کی حسبِ ذیل تحریر چھپی :

• پیکرِ بی روح و روان فقیر اسد اللہ خان غالب تخلص ہیچمدان کہتا ہوں اور لکھ دیتا ہوں کہ یہ جو اردویِ معلیٰ تصنیف فقیر مطبعِ اکمل المطابع دہلی میں چھاپا ہوا ، سو میں نے از راہِ فرطِ محبت اپنا حق تالیف نور چشم اقبال اللہ خان حکیم (غلام) رضا خان کو بخش دیا ہوں اور اس حق کو خاص اونکا حق کیا ۔ اب اور کوئی صاحب اگر مالکِ اکمل المطابع حکیم (غلام) رضا خان کی بی اطلاع اردویِ معلیٰ کو چھاپنے کا قصد کریں گے تو مواخذہ سے محفوظ نہ رہیں گے ۔ اور فوراً حسبِ منشاء قانونِ بستم ، سنہ ۱۸۴۷ ع سزا پائیں گے ۔ (مہرِ نجم الدولہ دبیر الملک اسد اللہ خان بہادر نظام جنگ ۱۲۶۷) • (۳)

اردویِ معلیٰ کا پہلا ایڈیشن

اردویِ معلیٰ حصہ اول کا پہلا ایڈیشن ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ ان میں ۵ صفحے میر مہدی مجروح کے دیباچہ کے ہیں۔ پانچویں صفحے کی پندرہویں سطر سے خطوط شروع ہو کر صفحہ ۵۸ کی تیرہویں سطر پر ختم ہوتے ہیں، اور باقی چار سطرین خاتمۃ الطبع پر مشتمل ہیں۔ صفحہ ۵۹ سے ۶۱ کی ساتویں سطر تک میرزا قربان علی بیگ سالک کا خاتمہ ہے۔ اسکے بعد منشی جواہر سنگھ جوہر کی تاریخ طبع ہے، اور پھر اسی صفحہ کی گیارہویں سطر سے صفحہ ۶۴ کی تیرہویں سطر تک تصحیحِ اغلاط کا نقشہ دیا ہوا ہے۔ بعد ازاں میرزا صاحب کا اعلانِ عطیہ حق تالیف ہے۔ شروع میں زرد رنگ کا ٹائٹل پیج ہے۔ یہ میرزا صاحب کی زندگی ہی میں چھپ گیا تھا۔ اسلئے اس میں اونہیں مرحوم نہیں لکھا گیا ہے۔

رقعات کی تعداد

اردویِ معلیٰ کے اس ایڈیشن کے رقعات کی کل تعداد ۷۲ ہے۔ ان میں ۱۰ نواب میر غلام بابا خان بہادر کے نام، ۲۹ منشی میان داد خان سیاح کے نام، ۱۰ منشی حبیب اللہ خان ذکا کے نام، ۸۹ منشی ہرگوپال تفتہ کے نام، ۳ شاہزادہ بشیر الدین صاحب بہادر کے نام، ۵ سید بدرالدین المعروف بفقیہ کے نام، ۱۶ چودھری عبدالغفور سرور مارہروی کے نام، ۲ میر سرفراز حسین صاحب کے نام، ۴۳ میر مہدی مجروح کے نام، ۲ شاہ عالم صاحب کے نام، ۲ صاحب عالم صاحب کے نام، ۱ مولوی عبد الغفور خان بہادر نساخ کے نام، ۱ مرزا یوسف علیخان عزیز کے نام، ۱۱ قاضی عبد الجلیل صاحب بریلوی کے نام، ۲ مردان علیخان رعنا مراد آبادی کے نام، ۲ مولوی عبدالرزاق شاکر کے نام، ۱ مولوی عزیز الدین صاحب کے نام، ۱ مفتی سید عباس صاحب کے نام، ۲۳ عضد الدولہ حکیم غلام نجف خان صاحب کے نام، ۱ حکیم ظہیر الدین

احمد خان کے نام، ۱ نجم الدین حیدر خان کے نام، ۵ نواب میر ابراہیم علیخان بہادر وفا کے نام، ۲ مولوی احمد حسن صاحب قنوجی کے نام، ۱۱ حکیم سید احمد حسن صاحب مودودی کے نام، ۱ تفضل حسین خان کے نام، ۱۸ مرزا حاتم علی مہر کے نام، ۲ منشی نبی بخش صاحب کے نام، ۱ منشی عبداللطیف ابن منشی نبی بخش کے نام، ۱۴ خواجہ غلام غوث خانصاحب میر منشی المتخلص بہ بیخبر کے نام، ۱ نواب ضیاء الدین احمد خانصاحب بہادر نیر کے نام، ۷ مرزا شہاب الدین احمد خانصاحب کے نام، ۱۹ نواب انور الدولہ سعد الدین خانصاحب شفق کے نام، ۳ میر افضل علی عرف میر نصاحب کے نام، ۲ مرزا قربان علی بیگ سالک کے نام، ۲ مرزا شمشاد علی بیگ خانصاحب رضوان کے نام، ۲ مرزا قربان علی بیگ صاحب کامل کے نام، ۴ ذوالفقار الدین حیدر خان عرف حسین مرزا صاحب کے نام، ۱۲ یوسف مرزا صاحب کے نام، ۳۳ منشی شیونراین کے نام، ۲ بابو ہرگوہند سہای صاحب کے نام، ۶ نواب امین الدین احمد خان بہادر رئیس لوہارو کے نام، ۵۶ مرزا علاء الدین احمد خانصاحب بہادر علائی کے نام، ۱ مرزا امیر الدین احمد خان عرف فرخ مرزا کے نام، ۲ میر احمد حسین میکش کے نام، ۱ حکیم غلام مرتضیٰ خان کے نام، ۱ حکیم غلام رضا خان کے نام، ۳ ماسٹر پیارے لال صاحب کے نام، ۲ منشی جواہر سنگھ جوہر کے نام، ۱ منشی ہیرا سنگھ کے نام، اور ۲ منشی بہاری لال مشتاق کے نام ہیں۔

اردوِ معلیٰ حصہ دوم

غالباً میرزا صاحب کے یکایک انتقال کے صدمہ نے مہتممینِ اشاعتِ اردوِ معلیٰ کو حصہ دوم کی ترتیب و طباعت کی طرف سے برداشتہ خاطر کر دیا، اور یہ حصہ دیباچہ کے وعدہ کے باوجود شایع نہوسکا۔

سنہ ۱۸۹۹ء میں مولوی عبد الاحد مرحوم، مالکِ مطبعِ مجتبائی دہلی، نے اردو میں معنی کی اشاعت کا ارادہ کیا۔ خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم نے حصہ دوم کیلئے کچھ مواد عطا فرمایا، جو مہتممِ طباعت نے حصہ دوم کے نام سے آخر میں شامل کر دیا۔ خود عبد الاحد مرحوم کے الفاظ میں »اس حصہ میں خاصکر وہ رقعات ہیں جن میں انہوں نے (میرزا صاحب نے) لوگوں کو اصلاحیں دی ہیں، یا شاعری کے متعلق کوئی ہدایت کی ہے، یا کوئی نکتہ بتایا ہے، اور بعض کتابوں کے دیباچے اور ریویو بھی ہیں«۔

چونکہ میر مہدی مجروح نے بھی تقریباً اسی قسم کے خطوط مرتب کرنے کا وعدہ کیا تھا، اسلئے کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ حصہ دوم نے انکے ارادہ کی تکمیل کر دی۔ لیکن جہان تک مواد کا تعلق ہے اغلب یہ ہے کہ میر مہدی مجروح کا ذخیرہ خواجہ صاحب کو نہیں ملا۔ ورنہ مولوی عبد الاحد مرحوم اسکا ذکر کرتے۔

مجتبائی ایڈیشن کا حصہ دوم ۵۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں ۷ سطروں کا ایک مختصر تقریبی نوٹ ہے۔ اسکے بعد سراج المعرفت اور حدائق الانظار کے دیباچے ہیں۔ بعد ازاں شاہِ ظفر کی ایک کتاب اور مرزا رجب علی بیگ سرور کی گلزارِ سرور کی تقریظیں ہیں۔ انکے بعد دیوانِ ذکا، میرزا کلب حسین خان کی ایک کتاب، نیز رسالہ تذکیر و تانیث مصنفہ سید احمد حسن بلگرامی کے دیباچے ہیں۔ یہ تمام دیباچے اور تقریظیں صفحات ۱-۱۳ پر درج ہیں۔ انکے بعد اسی صفحہ سے اصلاحی خطوط شروع ہوتے ہیں، جن میں ۳۴ خطوط مرزا تفتہ کے نام، ۱ ماسٹر پیارے لال کے نام، ۵ منشی حبیب اللہ ذکا کے نام، ۵ سیف الحق سیاح کے نام، ۲ شاہزادہ بشیر الدین کے نام، ۱ کیول رام ہشیار کے نام، ۱ مولوی کرامت علی کے نام، ۱ جواہر

سنگھ جوہر کے نام، ۱ منشی ہیرا سنگھ کے نام، اور ۲ میر مہدی مجروح کے نام ہیں۔

ضمیمہ اردوی معلیٰ

سنہ ۱۹۲۹ ع میں شیخ مبارک علی صاحب، تاجر کتب لاہور، نے اردوی معلیٰ کے حصہ اول و دوم کے ساتھ مسٹر شیر محمد خان سرخوش کا مرتب کیا ہوا ایک ضمیمہ بھی شایع کیا ہے، جو اوسوقت تک غیر شایع شدہ ۲۳ خطوط پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ۲۲ سید غلام حسنین قدر بلگرامی کے نام اور ایک شیخ لطیف احمد بلگرامی کے نام ہے۔

اس ضمیمہ کے آغاز میں دو خط اور شامل کئے گئے ہیں، جو پبلشر کو آغا محمد باقر، ایم۔ اے، نبیرہ حضرت آزاد دہلوی سے دستیاب ہوئے تھے۔

مکاتیب غالب۔ میرزا صاحب کے خطوط کا آخری مجموعہ

مذکورہ بالا مجموعوں کی اشاعت سے ساٹھ پینسٹھ برس بعد ریاست عالیہ رامپور کی طرف سے میرزا صاحب کے اون خطوط کا مجموعہ «مکاتیب غالب» کے نام سے شایع کیا جا رہا ہے، جو موصوف نے نواب فردوس مکان، نواب خلد آشیان یا وابستگان دربار کو لکھے تھے۔

میرزا صاحب کی دربار رامپور سے مراسلت بارہ سال تک جاری رہی۔ اگر اس طویل مدت کے تمام خطوط محفوظ ہوتے تو اونکی تعداد چار پانچ سو تک پہنچ جاتی۔ لیکن سوء اتفاق سے انکا بڑا حصہ محفوظ نہیں رہ سکا۔ صرف وہ خطوط دست برد زمانہ سے بچ گئے ہیں، جو دارالانشا کے سپرد کر دیے گئے تھے۔

سرکاری خط و کتابت سے قطع نظر خود شہر کے ارباب ذوق سے بھی میرزا صاحب کے خاصے تعلقات تھے، اور ان میں سے اکثر اصحاب سے مراسلت بھی رہتی تھی؛ لیکن بدقسمتی کہ بجز ایک خط کے شہر کے کسی گوشہ سے

کوئی مکتوب دستیاب نہوا۔ ایک خط اگرچہ ایک غیر سرکاری مکتوب الیہ کے نام تھا، لیکن حسنِ بخت سے دارالانشا کی مثلون میں ملا، جو اس مجموعہ میں شامل کر دیا گیا ہے۔

مکاتیب کی تعداد

✓
مجموعہٗ هذا کے مکاتیب کی تعداد ۱۱۵ ہے۔ ان میں سے ۴۱ نواب فردوس مکان کے حضور میں، ۶۴ نواب خلد آشیان کی خدمتِ مبارک میں، ۲ صاحبزادہ سید زین العابدین خان بہادر کے نام، ۶ منشی سیلچند میر منشی دارالانشا کے نام، ۱ خلیفہ احمد علی رامپوری کے نام، اور ۱ مولوی محمد حسن خان ایڈیٹر اخبارِ دبدبہ سکندری کے نام ہے۔

نواب فردوس مکان کے نام کے عرایض میں ۴ بزبانِ فارسی اور بقیہ اردو میں ہیں۔ چونکہ مجموعہ میں ایک فارسی قصیدہ اور ایک قطعہ مستقل نمبروں کے تحت درج کئے گئے ہیں، بنابرین کل خطوط کی تعداد ۱۱۷ ہوتی ہے، جن میں سے ۴۲ نواب فردوس مکان کے اور ۶۵ نواب خلد آشیان کے نام ہیں۔

مکاتیب غالب کی طباعت

آخر میں مکاتیبِ غالب کی طباعت کے متعلق دو چار لفظ کہنا بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ ناظرین ملاحظہ کریں گے کتاب کی طباعت نہایت خوشنما نسخِ ٹائپ میں کرائی گئی ہے۔ اس اقدام کا واحد منشا یہ ہے کہ اردو خوان پبلک میرزا صاحب کے کلام کی خاطر ٹائپ کے حروف پڑھنے کی جرات کرے، اور اس طرح ان حروف کی عادی ہو کر اہلِ مطابع سے اسی قسم کی طباعت کی خواہان ہو۔ جب تک اردو کتابیں پتھر کے چھاپے کے بجائے لوہے کے حروف میں طبع ہونا شروع نہونگی، اردو پریس دیگر ترقی یافتہ اقوام کے پریس کے دوش بدوش چلنے کے قابل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ پتھر کی چھپائی

میں صحت، خوشنمائی اور یکسانیت کی وہ خویان يك قلم مفقود ہیں، جو برے سے برے ٹائپ میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اسکے علاوہ تعلیمی نقطۂ نگاہ سے بھی پتھر کا چھاپا سراسر ناقص ہے۔ اگر اسکے بجائے ٹائپ اختیار کر لیا جائے تو مبتدی کی چھ مہینے کی محنت گھٹ کر صرف دو ماہ رہ جائے گی، اور اس طرح برادرانِ وطن کا تعلیمی نقطۂ نظر سے اس عجیب و غریب خط پر اعتراض يك لخت دفع ہو جائے گا۔

خاتمہ

دیباچہ کے مباحث نے امید کے خلاف کافی وقت لیا، اسلئے اس عذر کیساتھ سلسلۂ کلام ختم کرتا ہوں:

- ✽ لذیذ بود حکایت، دراز تر گفتم
- ✽ چنانکہ حرفِ عصا گفت موسیٰ اندر طور

والحمد لله رب العالمین.



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

» بحضور نواب صاحب والا مناقب عالیشان، قلم فیض و عمان احسان جناب نواب محمد یوسف علیخان بہادر دام اقبالہ مقبول باد « (۱)

(نواب سید یوسف علیخان بہادر فردوس مکان طاب ثراہ نواب سید محمد سعید خان بہادر ابن نواب سید غلام محمد خان بہادر ابن نواب سید فیض اللہ خان بہادر ابن نواب سید علی محمد خان بہادر بانی ریاست روہیلکھنڈ کے فرزند اکبر تھے۔ آپ جنابعالیہ فتح النساء بیگم صاحبہ بنت محمد نور خان بڑیچ ہمشیرزادہ نواب سید فیض اللہ خان بہادر کے بطن سے دوشنبہ ۵ ربیع الثانی سنہ ۱۲۳۱ ہجری مطابق ۵ مارچ سنہ ۱۸۱۶ ع کو متولد ہوئے، اور دوشنبہ ۱۳ رجب سنہ ۱۲۷۱ ھ مطابق یکم اپریل سنہ ۱۸۵۵ ع کو مسند حکم رانی پر قدم رکھا۔ جلوس سے دو سال دو ماہ بعد ۱۴ رمضان سنہ ۱۲۷۳ ھ مطابق ۹ مئی سنہ ۱۸۵۷ ع کو مشہور واقعہ غدر رونما ہوا۔ آپ نے اس فتنہ کے فرو کرنے میں حکومت ہند کی اعانت کر کے بسا سہ اعتراف خدمات خلعت قیمتی بیس ہزار روپیہ، ایک لاکھ بیس ہزار سالانہ آمدنی کا جدید علاقہ، اور «فرزند دلنیزیر دولت انگاشیہ» کا خطاب حاصل کیا۔ سلامی گیارا ضرب توپ کے بجائی تیرا ضرب مقرر کی گئی، اور مراسلت میں القاب و آداب «نواب صاحب مشفق بسیار مہربان کرمفرمای مخلصان سلامت، بعد از شوق ملاقات

(۱) یہ عبارت میرزا صاحب عرائض کی لفاظیوں پر لکھا کرتے تھے۔ میں تو عنوان میں تبرکاً نقل کر دی ہو۔

مسرت آیات مشہودِ خاطرِ الطاف ذخائرِ میدارد» طے پایا۔ آپ نے خود اس عطیہ کی حسبِ ذیل تاریخ ارشاد فرمائی ہے :

جب گورمنٹ سے ہوا حاصل ملک مجکو بصیغہ انعام
ناظم از رویِ ہمتِ عالی سالِ بخشش ہے بخششِ حکام

آپ نے عربی و فارسی کی باقاعدہ اور ایک حد تک مکمل تعلیم پائی تھی۔ فارسی میں خلیفہ غیاث الدین عزت مصنف غیاث اللغات اور میرزا غالب سے، اور علومِ عربیہ و حکمیہ میں مفتی صدر الدین آزرده اور مولانا فضل حق خیر آبادی سے تلمذ تھا۔ تخت نشینی کے بعد شعر و سخن کا مشغلہ بھی شروع کر دیا تھا۔ ناظم تخلص کرتے تھے، اور میرزا غالب سے مشورۂ سخن تھا۔ نکتہ رس ذہن، رنگین و شوخ طبیعت، اور اعجوبۂ روزگار استاد نے اونکو زبانِ اردو کا ایک بلند پایہ شاعر بنادیا۔ مومن و غالب کے بعد انکی نظیر «الا ما شاء الله» کا حکم رکھتی ہے۔ دیوان دو بار شایع ہوا، لیکن اب کمیاب ہے۔

آپ فنونِ سپہگری میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ جسم ورزشی اور مضبوط، اور چہرہ نہایت خوش قطع تھا۔ داڑھی مونچھ صاف کراتے، اور اکثر رنگین و زرتار لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے۔

آپنے دس سال چند ماہ حکومت کر کے جمعہ کے دن ۲۴ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۱ھ مطابق ۲۱ اپریل سنہ ۱۸۶۵ع کو اس دارِ فانی سے رحلت کی، اور قلعہ معلے کے اندر امام باڑے میں اپنے والدِ ماجد کے برابر مدفون ہوئے۔

(۱)

بمحضورِ سراسر سرور، جنابِ مستطاب، نوابِ ہمایون القاب، جہانیاں کام بخش، جہان جہان کامیاب، دام بقاء بقبول الاقبال۔

سجدہ فشانی قلم باپوزش گستری عریضہ نگار توام افتادہ۔ ہمانا آن درگاہِ اسکندر و دارا گزرگاہ پیوستہ در نظر است، کہ ہم از دور در

زمرہ نزدیکانِ بندگی بجای آورد۔ سپاسِ این معنی خود از اندازہ افزون تواند بود، کہ بعنوانِ روشناسیِ ذرہ با مہر، و آشنائیِ قطرہ با بحر، گدا را با شاہ بیگانگی در میان نیست۔ در آن روزگارِ رنگین تر از نوبہار، کہ بہ فرِ فرخندگی وجودِ مسعود، و سادہ با سپہرِ سادہ دم از برابری زد، نگاشتن و روان داشتنِ قطعۂ تاریخِ جلوس^(۱) بہ توانائیِ آن دانائی و روان آسائیِ آن شناسائی صورت پذیرفت۔ اکنون کہ گیتیِ خدایِ قلمروِ دانش، آن بہ فرتابِ تابِ نظر با برجیسِ جلیس، و آن بہ فروزۂ فروزشِ عمل با عقلِ فعالِ ہمال، امیر الدولہ مولوی حافظ محمد فضل حق خان بہادر^(۲) بہ بندۂ فرمانِ پزیر فرمان فرستادند، کہ غالب بہ

(۱) میرزا صاحب کی اس قطعہ تاریخ کا پتا نہیں چلا۔

(۲) مولانا فضل حق مولانا فضل امام صاحب کی صاحبزادی اور خیر آباد کی رہنوی والی تھی۔ علوم عقلیہ و نقلیہ اپنی والد ماجد سی اور حدیث مولانا شاہ عبد القادر دہلوی سی حاصل کی۔ امیر مینائی و انتخاب یادگار، (ص ۲۹۱) مین لکھتی ہیں: "فنون حکمیہ مین مرتبہ اجتہاد، بڑی ادیب، بڑی منطقی، نہایت ذہین، نہایت زکی، طلیق و ذلیق، انتہا کی صاحب تدقیق و تحقیق، ... جس شہر مین آپ رونق افروز ہوئی، صدھا آدمی بہرہ اندوز ہوئی۔ شاہجہان آباد مین اگرچہ عدالتین کی سررشتہ دار تھی، مگر بڑی ذی اقتدار و صاحب اختیار تھی۔ جہجھر مین مشاہرہ جلیلہ پر نوکر رہی۔ الور اور سہارنپور اور ٹونک سب جگہ معزز و موقر رہی۔ لکھنؤ مین صدر الصدور تھی، اور اس دار الریاست (رامپور) مین پہلو محکمہ نظامت اور پھر مرافعہ عدالتین پر مامور تھی۔ جناب مستطاب نواب فردوس مکان کو بھی آپ سی تلخ رہا ہی، اور ہندگان حضور (نواب خلد آشیان) کی بھی کچھ پڑھا ہی۔ آٹھ برس بہت اعزاز و اکرام کیساتھ رہی۔ پھر بیان سی تشریف لیگتی۔ مولانا سنہ ۱۲۱۲ھ مین پیدا ہوئی، اور ۲ صفر سنہ ۱۲۷۸ھ کو ۶۶ سال کی عمر مین جزائر انڈمان مین، جہان بچرم بغاوت سنہ ۵۷ھ آپکو جلاوطن کر دیا گیا تھا، وفات پائی۔ آپر متعدد تصنیفات چھوڑی ہیں، ان مین سی ہدیہ سعیدیہ، جو نواب سید محمد سعید خان بہادر کی نام معنون ہی، نواب فردوس مکان کیلئے لکھی گئی تھی۔ میرزا غالب انکی خلاص دوست اور معتقد خاص تھی۔ جب مولانا کی سررشتہ داری عدالت دہلی سی استعفا دیا اور نواب فیض محمد خان کی دعوت پر جہجھر تشریف لیجائی لگی، تو میرزا صاحب اور دیگر اہل دہلی کو یحید قاق تھا۔ حتی کہ خود شاہ ظفر، جو اسوقت ولی عہد تھی، اسپر متاسف تھی۔ میرزا صاحب کی مولوی سراج الدین احمد کی نام ایک مکتوب مین یہ تمام واقعہ لکھکر خواہش کی ہو کہ اسکو اخبار آئینہ سکندر مین شائع کریں۔ اسی مکتوب مین مولانا کی علی منزلت کی باری مین تحریر کرتی ہیں: "نہفہ مبارکہ کی تمیزی و قدر شناسی حکام رنگ آن ریخت کہ فاضل کی ظاہر و المالی بگاہ مولوی حافظ محمد فضل حق از سررشتہ داری عدالت دہلی استعفا کردہ خود را از تنگ و عار و ارہاند۔ حقا کہ اگر پایہ علم و فضل و دانش و کنش مولوی فضل حق آن مایہ بکاہند کہ از صد یک واماند، و باز آن پایہ را بسررشتہ داری عدالت دیوانی سنجند، ہنوز این عہدہ دون مرتبہ وی خواہد بود" (کلیات نثر غالب، ص ۱۴۷)۔

پرستشگری کمر بندد ، و در مشاطگیِ شاہدانِ افکارِ حسنِ خدمتِ عرضه دہد . اندیشہٴ مهرِ پیشہ درنگِ برتافت . وہمِ امروز کہ فردایِ ورودِ نوازشنامہٴ مولانا ست ، این نامہ ، کہ بخطِ بندگیِ ماناست ، روانِ داشتہ آمد . چشمداشتِ آن ست کہ دوریِ راہِ تفرقہ درمیانِ نیندازد . و سپس در حاضرانِ آن حضرت ، و دعاگویانِ دولتِ بشمار آیم . زیادہ حدِ ادب . بختِ ازل آورد در روز افزونیِ دولتِ ابد پیوند باد . عرضداشتِ ہوا خواہ اسد اللہ . نگاشتہ و روان داشتہ چار شنبہ ۲۸ جنوری سنہ ۱۸۵۷ ع . (مہرِ نجم الدولہ دیرالملک اسد اللہ خان بہادر نظام جنگ ، سنہ ۱۲۶۷)^(۱) .

(۲)

(ہمانا اگر گوہرِ جان فرستم بہ نواب یوسف علی خان فرستم
ز نامش نشانے بعنوان طرازم ز مدحش طرازے بدیوان فرستم
ز دخلش حسابے بہ معدن نویسم ز بذاش صلاحے بعمان فرستم
ز لطفش ، کہ عامست در کام بخشی ، نویدے بہ گبر و مسلمان فرستم

(۱) اس عریضہ مین میرزا صاحب فی جس سابق آفاق کی طرف اشارہ کیا ہے وہ رشتہ استادی و شاگردی تھا . نواب فردوس مکان اپنی والد ماجد کی تخت نشینی می پہلے دہلی مین قیام پزیر ہوی تھی . طلب علم کا زمانہ تھا . انکی چچا نواب سید عبداللہ خان بہادر صدر الصدور میرٹھ اور نواب سید عبد الرحمن خان بہادر میرزا صاحب کی محب تھی . ان دونوں کی حسب ارشاد نواب فردوس مکان فی میرزا صاحب سی فارسی کی تعلیم پائی . اس عریضہ کی جواب مین نواب صاحب فی ۵ فروری سنہ ۵۷ ع کو ارقام فرمایا : ”نیقۃ انیقۃ بلاغت آگین مشعر رسید خط مولوی صاحب مخدوم محمد فضل حق صاحب با دیگر مراتب محبت و اشفاق بعبارت رنگین و دقیق در عین انتظار سرمہ کش عیون وصول نشاط شمول گردیدہ ، باطلاع خیریتہا سرمایہٴ سرور نا محصور افزودہ ، از مزید شفقت و ایثار قلبی منصور شد . مشفق ! ہر چند کہ کاتب را اتفاق موزونیت یک مصرعہ ہم اتفاق شدہ بود لیکن محض بجهت سماعت کلام ساری زبانی مولوی صاحب صدر الوصف دلم خواست کہ طریقہٴ رسل و رسائل جاری شود . چون سبیل بہ ازیں بنظر م نہ رسید ، لہذا چند ابیات و اہیات موزون نمودہ ، بترصد اصلاح پیش آن یگانہ آفاق مرسل گشت . چشمداشت کہ بعد اصلاح غزلہای مذکور مع کدام طرح جدید لطف فرمودہ شوند . از آنجا کہ اتحاد شیرینی ہم درین خصوص از دستور آست ، لہذا مبلغ دو صد و پنجاہ روپیہ بتقریب شیرینی نفِ رقیقہ الوداد ہذا میرسد . بمقتضای الطاف منظور فرمودہ از رسید آن مطلع فرمایند . و مخلص را لیل و نہار متعنی اخبار تصور فرمودہ اکثر بایصال ثنائیک انایق خیریت وثائق بعبارت سلیس کہ در خواندش تاملی بوقوع نیاید ، مسرور و مطمئن میفرمودہ باشند .“

ز نطقش، که خاصست در ملک‌گیری
 ز هه شه سوازی که گرد سمنش
 رود سام چون بهر پیکار سویش
 درش را بود پایه در خیالم
 کلیم ار عصا ارمغانم فرستد
 وجودش بود نخر اجرام و ارکان
 ز جودش بود وعده با زیردستان
 ز مویش شیمی به جنت رسانم
 هم از شرق اشراق وی آفتابی
 هم از روی نیکوی وی ماهتابی
 اگر بگذرد تیرش از سینه من
 و گر سر ازین راه دزد جبین را
 سرشت از خزانست بدخواه او را
 هم از آتش دوزخ آرم تموزش
 دگر تا بهاران بسختی بمیرد
 سپه چون کشد، گر نه از ناتوانی
 درین انزوا از نفس‌های گِیرا
 بتوقیع فضل حق آن عین معنی،
 گزشت اندر اندیشه کز خامه رشی
 بدل گفتم «البته کاریست مشکل
 سگالش چنین رفت در کار سازی
 فرستادم، اما نیامد جوابی
 ندانم که شورِ فغانِ گدا را

مثالِ بشیراز و شروان فرستم
 پی سرمه چشم خاقان فرستم
 عزا نامه سوی نریمان فرستم
 نگه سویش از دور پنهان فرستم
 من این ارمغان بهر دربان فرستم
 تحت باجرام و ارکان فرستم
 بشارت به برجیس و کیوان فرستم
 ز کویش نسیمی برضوان فرستم
 باختر شناسان یونان فرستم
 به شب زنده داران کنگان فرستم
 دل از سینه همراه پیکان فرستم
 چو گویش درین ره بچوگان فرستم
 سه فصل دگر هم بدینسان فرستم
 هم از زمهریرش زمستان فرستم
 در اردی بهشتش بزندان فرستم
 توانم که خود را بمیدان فرستم
 برایات آیات قرآن فرستم
 که آباد بر وی فراوان فرستم
 بدان قلم فیض و احسان فرستم
 نباید که این نامه آسان فرستم
 که فرخ بود چون فرمان فرستم
 که تا هرچه فرمان رسد آن فرستم
 چسان باز تا گوش سلطان فرستم

بدل گفتم «آرے فرستاده باشم
 و گر جادۂ رہ نمایان نگرود
 بدان تا روئی دہم کارِ خود را
 دم در تنِ نے دمِ آتشین را
 برفتارِ ناز اندر آرم قلم را
 سخنِ کوتہ آن بہ کہ از نظم جزوی
 فرستم ولیکن خرد چون پسندد
 گرقم کہ رنگین خیالم بگیتی
 گرقم کہ بحرِ روانم بہ معنی
 گرقم کہ روشن روانم بدانش
 درین پردہ خواہم کہ از مورِ مسکین
 نبشتم کہ خدمتگزار است غالب
 بشب بستم این نقش و در بندِ آتم
 بقا بہرِ داور ز دادار خواہم
 گر از راہِ چاکِ گریبان فرستم
 ہم از جیبِ چاکِ بدامان فرستم
 ز خونِ نابہ موجے بمژگان فرستم
 فروزندہ شمعے بایوان فرستم
 تدروے بصحنِ گلستان فرستم
 بدیوانِ آن صدرِ گیہان فرستم
 کہ برگِ گیاہے بہ بستان فرستم
 شقایق بہ بنگاہِ نعمان فرستم
 گہرِ جانبِ ابرِ نیسان فرستم
 چراغے بہ مہرِ درخشان فرستم
 سلامے بسویِ سلیمان فرستم
 پیِ دعویِ خویش برہان فرستم
 کہ حرزِ دعا بامدادان فرستم
 بہ آمینِ خروش از سروشان فرستم^(۱)

(۳)

بحضورِ ہورِ ظہور ، حضرتِ نوابِ معلی القاب ، جاودانِ کامیاب ،
 ولیِ نعمت ، آیۂ رحمت ، دام اقبالہ .

سپاسِ بجایِ آورد ، و پوزشِ ہمی گسترده ، آن بارگاہِ سپہرِ کارگاہ را

(۱) میرزا صاحب کی اس قصیدہ کا لافافہ مثل میں موجود ہے . اصل قصیدہ کی متعلق میر منشی صاحب لکھتے
 ہیں : «قصیدہ (ہمانا اگر گوہر جان فرستم) بتاریخ ۱۹ شعبان سنہ ۱۲۷۶ھ بمواجه میرزا نوشہ صاحب بحضور
 پرنور گزرا نیدہ شدہ . اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب کی قیام رامپور کی زمانہ میں نواب صاحب
 کی قصیدہ دارالانشاء میں منکایا ، اور اپنی پاس رکھ لیا . چونکہ اوسکا شامل مثل ہونا متحقق تھا ، اسلی
 کلیات غالب فارسی (نولکشور ایڈیشن) کی صفحہ ۳۲۵ سے نقل کر کے یہاں قوسین میں اضافہ کر دیا گیا ہے .
 قصیدہ کی متعلق نواب صاحب کی رای عریضہ نمبر (۴) کی حاشیہ میں درج ہوگی . پتہ کی نیچے میرزا
 صاحب کی لکھا ہے : «از غالب بکرنک بکرنک از روی احتیاط بازدم فروری سنہ ۱۸۵۷ء . روانگی قصیدہ
 کی یہی تاریخ عریضہ نمبر (۳) میں بھی مذکور ہے .

قبلہ حاجات میداند، و بہنجاہ سرگزشت حکایتے بعرض میرساند۔ سہ شنبہ ۲۷ جنوری نامہ مولینا و بالفضل اولینا^(۱) بمن رسید۔ چہار شنبہ ۲۸ جنوری عرضداشت روان داشتم۔ چون دو ہفتہ گزشت، و سررشتہ ڈاک درین بندوبست جدید استوار نماندہ، گفتم «مگر نرسیدہ باشد»۔ دی، کہ چہار شنبہ یازدہم فروری سنہ ۱۸۵۷ بود، چاشتگاہ قصیدہ بقصد اظہار فرمان پزیری فرستادم۔ شامگاہ سرہنگِ یام^(۲) منشورِ عطوفت آورد۔ بر مردمک دیدہ سودم، و خرده جان تار کردم۔ تا نورد از ہم کشودم، دو ورق از فہرست گنجینہ اسرار، یعنی اوراقِ اشعارِ گہر بار، و سفتچہ دوصد و پنجاہ رویہ در آن نورد یاقم۔ دفترِ شعر سبجِ اعتبار من شد، و زرِ آن سفتچہ بمعرض وصول آمد۔ کرم در بندہ پروری بہانہ می جوید، ورنہ این افتتاح بشیرینی نیاز نداشت۔ کریمان بندہ را بہ نمکِ ہی پرورند، ولی نعمت را بندہ بشکر پروردن آئین است۔ شکرِ این شکر بعدہ جان شیرین فرو گزاشتم۔ و این نامہ بہرِ آن، کہ رسیدنِ عطیہ حالی گردد، بدین زودی نگاشتم۔ اشعار خود بہنگام خویش خواہد رسید، و این سررشتہ ہیچگاہ از ہم نخواہد گسست۔ زیادہ حدِ ادب۔ نیرِ دولت و اقبال سرچشمہ فروغِ بے زوال باد۔ غالب۔ پنجشنبہ ۱۲ فروری سنہ ۱۸۵۷۔

(۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

آداب بجا لاتا ہوں۔ غزلوں کے مسودات صاف کر کر حضور میں بھیجتا ہوں۔ مسودات اپنے پاس رھنے دئے ہین، اس نظر سے کہ اگر احياناً ڈاک میں لفافہ تلف ہو جائے، تو میں پھر اوسکو صاف کر کر بھیج دوں، ورنہ موقعِ حک و اصلاح مجھے کیا یاد رہیگا۔

میں نہیں چاہتا کہ آپ کا اسم سامی اور نامِ نامی تخلص رھے۔ ناظم،

(۱) مولانا فضل حق خیر آبادی مراد ہین۔

(۲) یام: ڈاک

عالی، انور، شوکت، نیسان، ان مین سے جو پسند آئے وہ رہنے دیجیے۔ مگر یہ نہیں کہ خواہی نخواہی آپ ایسا ہی کریں۔ اگر وہی تخلص منظور ہو تو بہت مبارک۔ زیادہ حد ادب۔

تم سلامت رہو قیامت تک

عنایت کا طالب غالب۔ روزِ یکشنبہ ۱۵ فروری ۱۸۵۷ء^(۱)۔



(میرزا صاحب نے ۸ مارچ ۱۸۵۷ء کو ایک عریضہ ارسال کیا تھا، جو ۱۱ ماہ مذکور کو رامپور پہنچا۔ اسکا لفافہ شاملِ مثل ہے، اور اوسکی پشت پر یہ نوٹ تحریر ہے: «عرضی حسبِ الحکم چاک نموده شد۔ ۱۶ رجب سنہ ۱۲۷۳ھ»^(۲)۔

- (۱) عرائض نمبر (۴۳) کے جواب میں نواب فردوس مکاتیب فی ۳ رجب سنہ ۱۲۷۳ھ مطابق یکم مارچ سنہ ۱۸۵۷ء کو تحریر فرمایا: «... دو قطعہ صحیفہ شریفہ، ایک شعر ترسیل قصیدہ بمضمون انتظار و ہم در جواب رقیۃ الوداد رسید اشعار و سفتجہ مرسلۃ اینجا، و ثانی مع اشعار مذکور بعد نظر اصلاح و تجویز چند الفاظ جہت تخلص تخلص باہمی پسند از آنجملہ، بمضامین برجستہ و عبارات دلپسند متواتر بسبیل ذاک گلگونہ آرای چہرہ وصول فرحت شمول گردیدہ... و مطالعہ قصیدۃ نادرۃ فصاحت تضمین، کہ اگر ہر شعر نغرش را گنجینہ معانی، و معدن لالی سخندان، خوانند بجا، و یا گلدستہ برجستہ چمنستان علوم و کمال نامند زیبا، غواص فکر در بحر زخار استعارات و نکات متبیش مستغرق گرداب نارسائی، و اوہام عقلا زمان بدریافت خوبی و بلاغت آن خزینہ اسرار معترف بہ کوتاہی، قصائد عرفی و خاقانی بمقابله منات و برجستگی مضامین نزہت آگیش هیچ، و معانی فیض قرین در الفاظ نادرش چون زلف مہر و بان پیچ در پیچ، ابواب افادہ و انشراح بی اندازہ بر روی دل صفا منزل کشود۔ رنگ کثافت طبعی از سنجبل خواطر مستفیضان زدود۔ و غزلیات کہ بنظر اصلاح و آہن کہ پیارس آشنا شد، فی الفور بصورت طلا شد، فائز گشتہ۔ العظمتہ للہ تغیر و تبدل الفاظ نادرہ در اشعار مذکور چون نقش بر نگین زینت تازہ گرفت، و طلای طبع خام بر عکس فیض عام جویہ بزیرفت... و منجملہ الفاظ تخلص لفظ (ناظم) مطبوع طبع نیاز گشت.»
- (۲) اس عریضہ کے جواب میں نواب صاحب فی ۲۵ رجب سنہ ۱۲۷۳ھ مطابق ۲۳ مارچ سنہ ۱۸۵۷ء کو تحریر فرمایا: «صحیفہ مسرت آگین... شعر رسید رقیۃ الوداد و اینکه صحائف شرائف عبارت اردو بعد ملاحظہ چاک شدہ باشند... وصول گردیدہ۔ مشفقاً! حسب الارقام سالی صحیفہ موصوفہ را بعد استفاضہ مضمونش چاک نموده شد۔ و آئندہ ہم دربارہ مجموعہ مکاتیب تعمیل ایجابی سالی ملحوظ خواہد ماند۔ اس سہ پہی نتیجہ نکالا جاسکتا ہی، کہ میرزا صاحب کی یہ خط و کتابت بصیغہ راز تھی۔ ورنہ ۱۵ فروری سنہ ۱۸۵۷ء کا خط بھی زبان اردو ہی میں تھا، اوسکی چاک کرنی کی ہدایت کیوں نہ کی۔ اور اگر کی تھی، تو یہاں تعمیل کیوں نہ ہوئی، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

(میرزا صاحب نے یکم اپریل سنہ ۱۸۵۷ ع کو ایک اور عریضہ ارسال کیا تھا، جو ۳ اپریل کو رامپور پہنچا۔ مثل میں اسکا بھی صرف لفافہ شامل ہے، اور اوسکی پشت پر نوٹ ہے: «عرضی از دست مبارک چاک شد، و بند غزلیاتِ مرسلہ در حضور ماند۔ ۹ شعبان سنہ ۱۲۷۳ هـ»۔)

(۵)

جنابِ عالی! کچھ کم مہینا ہوا، کہ میں نے حضور کی غزلوں کو دیکھکر خدمت میں روانہ کیا ہے، اور اوسکے پہنچنے سے اطلاع نہیں پائی۔ اب ڈاک میں خط تلف بھی ہو جایا کرتے ہیں۔ اس واسطے میں متردد ہوں، اور مدعا اس تحریر سے یہ ہے، کہ اگر وہ لفافہ نہ پہنچا ہو تو میں اوس مسودہ کو پھر صاف کرکر روانہ کروں۔ زیادہ حدِ ادب۔ از غالب۔ نگاشتہ صبح پنجشنبہ ۲۷ شعبان سنہ ۱۲۷۳ ہجری^(۱)۔

(۶)

جنابِ عالی! آداب بجا لاتا ہوں۔ اور عرض کرتا ہوں، کہ اجورہ دار پہنچا۔ مگر لٹا ہوا، اور بھیگا ہوا، اور بھاگتا ہوا۔ گوجروں نے اوسے لوٹ لیا۔ روپیہ کتل سب لے لیا۔ خط اوس داروگیر میں گر پڑا۔ بھیگ گیا۔ لفافہ مجھ تک نہونچھا^(۲)۔ خط مع ہندوی کے پہنچا۔ خط میں سے القاب بتکلف پڑھا۔ اور یہ جملہ «سفتجہ مبلغ دو صد و پنجاہ روپیہ» پڑھا گیا۔ اور باقی خیر و عافیت۔ «مکرر آنکہ» اسکے بعد جو کچھ لکھا تھا، اوس میں سے «مولوی» یہ لفظ، اور بعد ایک لفظ کے «خانصاحب» یہ پڑھا گیا۔ اور کچھ

(۱) نواب فردوس مکان فی اس عریضہ کہ جواب میں ۴ رمضان سنہ ۷۳ ہ مطابق ۹ مئی سنہ ۵۷ ع کو تحریر فرمایا: «... مشفقاً! ابن مرتبہ کہ توقف در تسطیر رقیمة الاخلاص بظہور آمدہ باعث آن عدم فرصتی تصور توان نمود۔ حالاکہ فرصت دست داد، بہ ترقیم ما فی الضمیر اتفاق افتاد»۔

(۲) یہ میرزا صاحب کا خود نوشتہ املا ہو۔ در اصل اونہیں سہو ہوا۔ ورنہ یہی لفظ اسی سطر میں اونہوں نے درست لکھا ہو۔

نہیں۔ مجھ کو غم یہ ہے کہ غزلہایِ اصلاحی اور دیوانِ اردو کی رسید میں نے نہ پائی^(۱)۔

ہندوی کا بعینہ وہ حال جو میرے خط کا تھا۔ کچھ پڑھا جائے، کچھ نہ پڑھا جائے۔ آپ کا نام اور ڈھائی سو روپیہ یہ پڑھا گیا۔ چونکہ مہاجن مجھ کو جانتا تھا، اوسنے اوس بھیگے ہوئے کاغذ کو اپنی چٹھی میں لپیٹ کر رامپور اوس مہاجن کے پاس بھیجا ہے۔ جب وہ صحیح کر کر بھیجیگا، تب وہ مجھ کو روپیہ دیگا۔ اوسکے صحیح کرنے میں کیا تامل ہے۔ میں نے صرف بطریقِ اطلاع لکھا ہے۔ اور غزلوں کی اور دیوان کی رسید اور جو اس

(۱) میرزا صاحب کی دیوانِ اردو کا یہ نسخہ کتب خانہ میں موجود ہے۔ سائز $11 \times 7 \frac{1}{2}$ ، اوراق ۷۳ اور فی صفحہ ۱۵ سطریں ہیں۔ خط صاف اور روشن نستعلیق اور ابتدائی دو صفحے طلاکار ہیں۔ ہر غزل کی خاتمہ پر رنگین بیل بوٹو ہیں اور تمام صفحات کی جدولیں رنگ آمیز ہیں۔ آخر میں نواب ضیاء الدین احمد خان ہادر تیر کی تقریظ ہے۔ اس نسخہ دیوان کی متعلق مرزا صاحب فی منشی شیونرائن کو لکھا ہے: ”اب تم سنو۔ دیوان ریختہ اتم و اکمل کہاں تھا۔ مگر ہاں میں نے غدردی پہل لکھوا کر نواب یوسف علی خان ہادر کو رامپور بھیج دیا تھا۔ اب جو میں دلی سے رامپور جانی لگا، تو بھائی ضیاء الدین خان صاحب نے مجھ کو تاکید کر دی تھی کہ تم نواب صاحب کی سرکار سے دیوان اردو لیکر کسی کاتب سے لکھوا کر مجھ کو بھیج دینا۔ میں نے رامپور میں کاتب سے لکھوا کر بسبیل ڈاک ضیاء الدین خان کو دلی بھیج دیا تھا۔ (اردوی معلیٰ، ص ۳۸۱)۔ بعد ازاں ۳ جولائی سنہ ۱۲۶۰ ع کو اس کے مکمل ہونے کی باری میں لکھا ہے: ”میان تمھاری باتوں پر ہنسی آتی ہے۔ یہ دیوان، جو میں نے تم کو بھیجا ہے، اتم و اکمل ہے۔ وہ اور کونسی دو چار غزلیں ہیں جو مرزا یوسف علی خان عزیز کے پاس ہیں، اور اس دیوان میں نہیں۔ اس طرف سے آپ اپنی خاطر جمع رکھیں۔ کہ کوئی مصرع میرا اس دیوان سے باہر نہیں ہے۔ معذراؤں میں بھی کہوں گا۔ اور وہ غزلیں اون سے منگا کر دیکھوں گا۔ (ایضاً، ص ۳۸۴)۔ اس نقل سے منشی شیونرائن نے اپنی مطبع واقع شہر آگرہ میں دیوان کی طباعت کا انتظام کیا تو اسکی متعلق میرزا صاحب نے نواب علاء الدین خان ہادر علانی کو لکھا: ”اردو کا دیوان رامپور سے لا یا ہوں، اور وہ آگرہ گیا ہے۔ وہاں مطبع ہوگا۔ ایک نسخہ تمھاری پاس بھی پہنچ جائیگا۔ (ایضاً، صفحہ ۳۶۴)۔ لیکن بعد ازاں آگرہ میں انتظام سے قبل ہی میرزا صاحب نے دہلی میں طبع کرا لیا۔ ان تمام خطوط سے معلوم ہوتا ہے، کہ اسوقت دیوان غالب کے جسقدر ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، وہ سب کے سب نسخہ رامپور کی نقل اور نقل در نقل ہیں۔ میرزا صاحب نے خود اپنا کلام کبھی جمع نکلیا (ایضاً، صفحہ ۳۷)۔ نواب ضیاء الدین خان نیر اور ناظر حسین مرزا کے کتب خانہ میں اس کی نسخی موجود تھی، لیکن اونکی ذخیرہ کتب کے ساتھ ہنگامہ غدرد میں لٹ گئی۔ (عود ہندی، صفحہ ۲۷ و ۲۹ و ۶۵، و اردوی معلیٰ، صفحہ ۲۰۳ و ۲۰۶ و ۲۵۹ و ۳۶۳)۔ اگر رامپور میں اصل نسخہ محفوظ نہوتا تو میرزا صاحب کے کلام کا موجودہ مجموعہ دستیاب ہونا تقریباً ناممکن تھا۔

خط میں «مکرر آنکہ»^(۱) بعد مطالب مندرج تھے، وہ پھر ایسے ہی باریک کاغذ پر لکھ کر اس ساھوکار کو دیجے گا، اور اوسکو تاکید کیجے گا، کہ اسکو بھیج دے۔ یہاں کے ساھوکار نے میری خاطر سے اس رقعہ کو اپنی چٹھی میں روانہ کیا ہے۔ غالب۔ پنجم ذی الحجہ^(۲)۔

(۷)

بوالا خدمت، رفعات درجت، جناب نواب صاحب والا مناقب عالیشان، قلم فیض ومحیط احسان، عز نصرہ و دام ملکہ۔

آدابِ نیاز بجا می آرد، و نیازمندانہ عرضہ می دارد۔ در زمانِ چیرہ دستی کور نمکانِ سپاہِ روسیہ سررشتہ یام از ہم گسست۔ ناچار بفرستادنِ نامہ بر رساندنِ نامہ و پیام صورت بست۔ درین روزگار، کہ فرمانِ داورانِ دادگروائی، و سلسلہ آمد شد نامہ رسائی یافت، نامہ در یام روان داشتہ شد۔ و نارسیدنِ پاسخِ آن را چنان پنداشتہ شد، کہ مگر آن نیاشنامہ نرسیدہ باشد۔ یا فرطِ احتیاط مانعِ تحریرِ جواب گردیدہ باشد۔ ہر آئینہ در دل چنان گزشت، کہ درین بارید انسان سخن سرای توان گشت، کہ سرگزشتِ من از ولیِ نعمت نہان، و حجابیے در میان نماند۔

حالیِ رایِ جہان آرای باد، کہ دیرینہ نمکخوارِ سرکارِ انگریزم۔ و از سر آغازِ سالِ یکہزار و ہشت صد و شش، کہ دران گاہ شمارِ سنینِ عمرِ من از دہ نگزشتہ بود، بعوضِ جاگیرِ عمِ حقیقیِ نسبیِ خود نصر اللہ بیگ خان بہادر^(۳)،

(۱) یہاں لفظ «و ک» ساقط معلوم ہوتا ہے۔

(۲) نواب صاحب کی محولہ فرمان کا مسودہ مثل میں منسلک ہے، لیکن اوس میں قابلِ نقل بات کوئی نہیں۔

(۳) نصر اللہ بیگ خان ابتداء مرہٹوں کیطرف سے آگرہ کو صوبیدار تھی۔ بعد فتح آگرہ اپنی برادر نسبی

نواب احمد بخش خان والی لوہارو و فیروزپور جھڑک (متوفی سنہ ۱۸۲۷ع؛ حالات کیلئے ص ۱۲، نوٹ ۲،

ملاحظہ ہو) کی سفارش سے انگریزی فوج میں رسالدار ہو گئی، اور مدد معاش کیلئے نواحی اکبر آباد

میں پرگنہ سونک سونسا مرحمت ہوا۔ انھوں نے سنہ ۱۸۰۶ع میں انتقال کیا۔

کہ با جمعیت رسالہ چار صد سوار بمعیت جرنیل لارڈ لیک بہادر^(۱) در فتح ہندوستان کوششہای نمایان کردہ، و برگنہ «سونک سونسا» بقید حین حیات جاگیر یافتہ، و ہم در آن عہد ہمرگ ناگاہ از جہان رفتہ بود، بفرمان جرنیل لارڈ لیک بہادر و منظوری گورنمنٹ مشتمل شامل جاگیر عم سببی من نواب احمد بخش خان بہادر^(۲) در وجہ معاش من منجملہ زر استمراری سرکاری، کہ بذمہ نواب احمد بخش خان بہر دوام واجب الادا بود، قرار یافت۔ چون جانشین احمد بخش خان^(۳) کیفر کردار یافت، و جاگیر بسرکار باز یافت شد، رسیدن آن وجہ مقرری از خزائن کلکتری دہلی صورت پذیرفت۔ چنانکہ تا انجام اپریل سنہ ۱۸۵۷ از کلکتری دہلی یافتہ ام۔ و از مئی خود آشکار است کہ حال چیست۔ پیوند تعلق با بہادر شاہ^(۴) جز آن نبود، کہ از ہفت ہشت سال بتحریر تاریخ سلاطین تیموریہ، و ازدو سہ سال بہ اصلاح اشعار شہریار

(۱) لارڈ لیک سنہ ۱۷۴۴ ع میں پیدا ہوئے۔ سنہ ۱۷۵۸ ع میں پیدل فوج میں نام لکھایا۔ اور مختلف عہدوں پر فائز رہ کر سنہ ۱۸۰۲ ع میں جنرل مقرر ہو گئے۔ سنہ ۱۸۰۱ ع سے سنہ ۱۸۰۵ ع تک ہندوستان کی افواج کے کانڈر انچیف اور کونسل کے ممبر رہے۔ انھوں نے مرہٹوں سے کامیاب جنگ کی۔ اور انگلستان واپس جا کر ۲۰ فروری سنہ ۱۸۰۸ ع کو فوت ہوئے۔ یہ بہت نامور اور ہر دل عزیز سپہ سالار مانتے جاتے تھے۔

(۲) نواب احمد بخش خان فیروزپور جہر کے کے رئیس اور لوہارو کے جاگیردار تھے۔ حکومت انگریزی میں انکی بڑی عزت اور منزلت تھی۔ نواب الہی بخش خان معروف، میرزا غالب کے خسر، انکی چھوٹی بھائی تھی۔ احمد بخش خان نے آخر عمر میں حکومت سے کنارہ کشی اختیار کر کے اپنی بڑی لڑکے نواب شمس الدین احمد خان کو فیروزپور جہر کے کی ریاست، اور نواب ضیاء الدین خان نیز و نواب امین الدین خان کو لوہارو کے جاگیر عطا کر دی تھی۔ میرزا غالب کی پنشن ریاست فیروزپور سے متعلق تھی۔

(۳) احمد بخش خان کے جانشین سے نواب شمس الدین احمد خان والی فیروزپور مراد ہیں۔ یہ مزاج کے درشت اور فساد پیشہ تھے۔ اسانی نواب ہو کر اہل خاندان سے تعلقات درست نہ رکھ سکے۔ میرزا غالب بھی ان سے ناراض تھے۔ خط میں انکا نام نہ لینے کی یہی وجہ ہے۔ مسٹر ولیم فریزر ریزنڈنٹ دہلی کے قتل کے الزام میں اکتوبر سنہ ۱۸۳۵ ع کو انھیں بھانسی دیدی گئی، اور ریاست فیروزپور ضبط ہو گئی۔

(۴) بہادر شاہ ہندوستان کے مغلیہ فرمانرواؤں کے آخری چشم و چراغ تھے، یہ سنہ ۱۸۳۷ ع میں تخت نشین ہوئے۔ غدر سنہ ۱۸۵۷ ع میں باغیوں نے انھیں اپنا مطلق العنان بادشاہ بنایا۔ بعد فتح دہلی الزام بغاوت میں رنگوں کی طرف جلاوطن کئے گئے، اور وہیں ۷ نومبر سنہ ۱۸۶۲ ع کو فوت ہوئے۔ میرزا صاحب نے ایک خط میں میر ہمدی کو لکھا ہے: ۷ نومبر، ۱۴ جمادی الاول سال حال جمعہ کے دن ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ قید فرنگ و قید جسم سے رہا ہوئے۔

می پرداختم. درین هنگامه خود را بکنار کشیدم. و بدین اندیشه کہ مبادا گر یک قلم ترکِ آمیزش کنم، خانه من بتاراج رود، و جان در معرض تلف افتد، بیاطن بیگانه و بظاہر آشنا ماندم. ہر گاہ شہر بردستِ سپاہِ انگریز فتح شد، ہمہ جا گیر داران و پسننداران از شہر بدر رفتند. چنانکہ تا امروز آوارہ دشت و کوه اند. من از جا نہ جنیدم. و ہم چنان گوشہ گیر ماندم. درین بندوبست کہ خاصہ از بہر سیاستِ مجرمان ست، و تحقیقاتِ جرم از رویِ دقتِ قلعہ و اظہارِ مخبران می کنند، ہیچ گونہ آلاشِ دامنِ من پدید نیامد. و داروگیر و باز پرس رونہ داد. بودنِ من در شہر از حکام نہان نیست. اما چون پرسشے در میان نیست، لاجرم محفوظ مانده ام. می بایست کہ خود سلسلہ جنیان گشتے، و با حکام پیوستے. درین بارہ سختِ آنست، کہ درین فرماندہان با ہیچ کس سابقہ معرفتے ندارم. و معہذا هنوز موقع و محلِ آن نمی نگرم، کہ نامہ نویسم، و خواہشِ ملاقاتِ بمیان آورم. راستی اینکہ درین فتنہ و آشوب خدمتے بجا نیاورده ام. لیکن مقامِ شکر است، کہ بہ تقدیمِ نرسیدنِ خدمت از راہِ بیدستگاہی است، و ذریعہٴ اخلاص و خلوص همان یگناہی است. حالِ خود را، اگرچہ پرسش از جانبِ آن والا مناقب نبود، گفت^(۱). و خون میخورم کہ صحت و عافیتِ ذاتِ ہمایون اقدس، کہ یارب! جاودان سلامت باد، چگونہ دریابم. ہمدین کنج، کہ مسکنِ من ست، شنیدہ ام کہ والا شان زین العابدین خان بہادر^(۲) بشہر آمدہ اند. نیازمندیِ من با مرحومی نواب عبد اللہ خان بہادر^(۳)، و مہرورزیِ من

(۱) مزید تفصیل کی لئی ملاحظہ ہو اردو معلی، صفحہ ۳۵.

(۲) زین العابدین خان بہادر کا تذکرہ مکتوب نمبر ۱۰۷ کی ذیل میں ملاحظہ ہو.

(۳) نواب سید عبد اللہ خان بہادر ابن نواب سید غلام محمد خان بہادر نواب فردوس مکان کی چچا تھی. شعر و سخن میں دلچسپی رکھتے تھے. زور آزمائی کا بھی شوق تھا. دہلی میں عرصہ تک مقیم رہے. میرزا صاحب اور ان میں بہت ارتباط و خلوص تھا. پنج آہنگ میں میرزا صاحب کا ایک خط ان کا نام بھی درج ہے (کلیاتِ نثر غالب، صفحہ ۲۱۸). یہ عرصہ تک میرٹھ کے صدر الصدور رہے تھے. اور وہیں ستر برس کی عمر میں بغرضہ تپ سنہ ۱۲۷۴ھ کو رحلت فرمائی، اور درگاہِ چشتی پهلوان میں مدفون ہوئے. ان کا ایک شعر امیر مینائی مرحوم نے تذکرہ انتخاب یادگار (صفحہ ۲۱۱) میں درج کیا ہے. فرمانی ہیں:

منحصرِ تیم پر شفاعت ہو، بہلا جائیں کہان * ای شفیعِ عاصیان! ہم تیرا دامن چھو کر

با اصغر علیخان مرحوم^(۱)، و محبت و خلت من با نواب عبد الرحمن خان بہادر مغفور^(۲) کجا دیدہ اند، و آن مدارج کی در نظر دارند، کہ ایشان را در ضمیر میگزشت، کہ گدای گوشہ نشین را باید دید۔ من خود پای، کہ رفتار داشتہ باشد، ندارم۔ واز زاویہ برون آمدن توانم۔ بہ نگاشتن این نامہ زحمت اوقات ملازمان از آن رو روا داشتہ ام، کہ اگر فرستادن نامہ محض از روی احتیاط است، ہویدا گردد، کہ در عنایت تفریط و در رعایت افراط است۔ چشم دارم کہ بمشاهدہ سوادِ نوازِ شنامہ فروغِ نظر اندوزم۔ شغل شعر و سخن ہر آئینہ یقین دارم کہ درین چنین فتنہ و آشوب دل بدان کار چگونہ گراید۔ دولت پایندہ و نصرت طرب فزاینده باد۔ از اسد اللہ غالب۔ نگاشتہ و روان داشتہ پنجمین ۱۴ جنوری سنہ ۱۸۵۸۔

لہ۔ دبیرانِ خاص بر عنوانِ نامہ ہای پیشین نشانِ کلبہٗ این درویش دلریش عقبِ مسجدِ جامع نبشتہ اند۔ و من از ہفت ہشت سال در محلہٗ بلی مار می مانم۔ سپس نشانِ این محلہ نگاشتہ شود^(۳)۔

(۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

منشورِ عطوفت کے دیکھنے سے زندگی کی صورت نظر آئی۔ خمس اور

(۱) سید اصغر علی خان مرحوم نواب سید عبد اللہ خان بہادر کی صاحبزادی اور نواب فردوس مکان کی چچا زاد بھائی تھی، امیر مینائی تذکرۃ مذکور (صفحہ ۲۵) میں لکھتی ہیں: «شاعر خوش مذاق ہیں۔ آفرینش مضامین عاشقانہ میں طاق ہیں۔ مومن خان صاحب دہلوی کی شاگرد رشید۔ کلام انکا لایق دید و قابل شنید۔ ۳۸ برس کی عمر پائی۔ بارہویں رجب کو سنہ ۱۲۷۳ ہجری تھی کہ عارضہ خناق میں مبتلا ہو کر میرٹھ میں رحلت فرمائی: وہاں سے جنازہ اونکا دہلی کو گیا۔ اور درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں دفن ہوئی۔» ان کا دیوان شائع ہو گیا ہی۔

(۲) نواب سید عبد الرحمن خان بہادر، نواب سید غلام محمد خان بہادر کی صاحبزادی اور نواب فردوس مکان کی چچا تھی۔

(۳) اگر میرزا صاحب کی تھمینہ کو صحیح مانا جائے، تو اوٹھین سنہ ۱۸۴۹ ع یا سنہ ۱۸۵۰ ع سے محلہ بلی مار میں مقیم ہونا چاہی۔ میر مہدی مجروح کی نام کی خط میں سنہ ۱۸۵۰ ع کی تصریح موجود ہے۔ اسلئے یہی سنہ درست معلوم ہوتا ہے۔ فرماتی ہیں: «..... یہ لکھ کہ اسد اللہ خان پنشن دار سنہ ۱۸۵۰ ع سے حکیم پٹیل والی کی بہائی کی حویلی میں رہتا ہے» (عود ہندی، صفحہ ۸۳، و اردوی معلی، صفحہ ۱۹۴)۔

غزلوں کے پہنچنے کی اطلاع پائی۔ یہ بھی ایک بخشش کا بہانہ پیدا کرنا ہے۔ ورنہ حضور کے کلام کو اصلاح کی احتیاج کیا ہے۔ میری کیا سختوری اور سخن سرائی ہے۔ آپ کی قدر دانی بلکہ قدر افزائی ہے۔ تکلف ہے اگر کہوں کہ تا قیامت رہو۔ بے تکلف دعا یہ ہے، کہ خدا کرے ایک سو بیس برس تک سلامت رہو۔

اس قرینے سے، کہ بسبب کم فرصتی کے اون کا ملاحظہ نہ کرنا مرقوم ہوا، ریختہ کے دیوان اور اس کتاب کا پہنچنا معلوم ہوا۔ دیوان کے دیکھنے ندیکھنے میں آپکو اختیار ہے۔ مگر یہ چار جزو کا رسالہ جو اب بھیجا ہے، اسکا دیکھنا ضرور درکار ہے۔ فارسی قدیم اور پھر حسنِ معنی اور صنعتِ الفاظ۔ با این ہمہ ہر امر کی احتیاط، اور ہر بات کا لحاظ^(۱)۔

جناب عالی! طرفہ معاملہ ہے۔ خدا کا شکر ہے، اور اپنی قسمت کا گلہ ہے۔ خدا کا شکر یہ کہ باوجود تعلقِ قلعہ کسی طرح کے جرم کا بہ نسبت میرے احتمال بھی نہیں۔ قسمت کا گلہ یہ کہ عطایِ پنسن^(۲) قدیم کا حکام کو خیال بھی نہیں۔ یہ نومبر سنہ ۱۸۵۸ انیسواں مہینا ہے۔ گویا بن کھائے جینا ہے۔ کہتے ہیں کہ جنوری شروع سال میں پنسنداروں کو رویہ ملے گا۔ دیہکے کیا نیا گل کھلے گا۔ پہلی نومبر کو یہاں اشتہارِ عام ہو گیا ہے، کہ اب قلمروِ ہندوستان میں عملِ ملکہ معظمہ عاقل مقام ہو گیا ہے۔ میں پہلے سے مداحوں میں اپنا نام لکھوا چکا ہوں۔ اور وزرائِ ملکہ دارا دربان کے دو سارقی فکٹ پا چکا ہوں۔ اگر اس اجمال کو بہ تفصیل معلوم کیا چاہئے، تو اسی کتاب موسوم بہ دستنبو میں دیکھا چاہئے۔ خوشنودی کا طالب غالب۔ نگاشتہ روز یکشنبہ ہفتم نومبر سنہ ۱۸۵۸ ع۔

(۱) اس چار جزو کا رسالہ می "دستنبو" مراد ہو۔ چنانچہ آخر عریضہ میں اسکو نام کی تصریح کرکے مرزا صاحب نے ابہام دور کر دیا ہو۔

(۲) میرزا صاحب نے اس لفظ کا املا "شین" کی بجائے "سین" می لکھا ہو۔ اسی طرح لفظ سارنیفکٹ میں پہلی "ٹ" کو "ت" تحریر کیا ہو۔

(۹)

خداوندِ نعمتِ سلامت .

جو آپ بن مانگے دین، اوسکے لینے میں مجھے انکار نہیں۔ اور جب مجکو حاجت آپڑے، تو آپسے مانگنے میں عار نہیں۔

بارِ گرانِ غم سے پست ہو گیا ہوں۔ آگے تنگدست تھا، اب تہی دست ہو گیا ہوں۔ جلد میری خبر لیجے۔ اور کچھ بھجوا دیجے۔ عنایت کا طالب غالب۔ چار شنبہ یازدہم ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۵ ہجری و ۱۷ نومبر سنہ ۱۸۵۸ ع^(۱)۔

(۱۰)

حضرت ولیِ نعمت آیہِ رحمتِ سلامت .

بعد آداب بجالانے کے عرض کرتا ہوں، کہ منشورِ رافت لکھا ہوا ۲۵ نومبر کا جمعہ کے دن تیسری دسمبر کو اس دعا گوئی دولت کے پاس پہنچا۔ ڈھائی سو روپیہ کی ہنڈوی معتمد کے حوالہ کی گئی۔ آج یا کل روپیہ آجایگا۔ خاطرِ عاطرِ اقدس جمع رہے۔

میرے حاضر ہونیکو جو ارشاد ہوتا ہے، میں وہاں نہ آؤنگا، تو اور کہاں جاؤنگا۔ پنسن کے وصول کا زمانہ قریب آیا ہے۔ اسکو ملتوی چھوڑ کر کیونکر چلا آؤں۔ سنا جاتا ہے، اور یقین بھی آتا ہے، کہ جنوری آغازِ سال

(۱) نواب فردوس مکان کی عریض مورخہ ۷ نومبر و ۱۷ نومبر کو جواب میں تحریر فرمایا: ... در قطعہ صحیفہ تلاف طراز، اولین حای حالات نہ ملتی زر پنشن آپکی، اور دوسرا مورخہ اٹھارویں ماہ نومبر سنہ حال مشعر نوید خیریت مزاج و ہاج کو، متواتر رنگ افروز چہرہ وصول نشاط شمول کا ہوا۔ اور مراتب مندرجہ می مطلع فرمایا۔ مشفقاً! جو کہ مخلص کو اشتیاق معانقہ اور مکالمہ آپ کا بدرجہ کمال ہو، اور اب تشریف آوری آپکی اس جگہ مناسب ہو، اسواسطی حوالہ خامۂ محبت نگار کی ہوتا ہو، کہ آپ دیدارِ فایض الانوار اپو سو مخلص کو مبرور فرمائیں۔ اور قطعہ ہنڈوی مبلغ دو سو پچاس روپیہ کا واسطی مصارف خدام آپ کی بلف رقیۃ الوداد ہذا کی مرسل ہو۔ قبول فرمائیں۔ ۱۸۰۰۰ ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۵ مطابق ۲۵ نومبر سنہ ۱۸۸۸ ع۔ عریضہ نمبر ۱۰ ہنڈوی کی رسید اور تازی کے عذر پر مشتمل ہو۔

۵۹ عیسوی میں یہ قصہ انجام پائے۔ جس کو روپیہ ملنا ہے اوسکو روپیہ، جس کو جواب ملنا ہے اوس کو جواب مل جائے۔

حضور نے یہ کیا تحریر فرمایا ہے، کہ ان بارہ غزلوں کی اصلاح میں کلام خوش مطلوب ہے۔ اگلی غزلوں کی طرح نہوں۔ مگر اگلی غزلوں کی اصلاح پسند نہ آئی، اور اون اشعار میں کلام خوش تھا۔ حضرت کا تو اون غزلوں میں بھی وہ کلام ہے، کہ شاید اوروں کے دیوان میں ویسا ایک شعر بھی نہ نکلیگا۔ میں بقدر اپنے فہم واستعداد کے کبھی اصلاح میں قصور نہیں کرتا۔ زیادہ حد ادب۔ عرضداشت غالب۔ معروضہ جمعہ ۲۶ ربیع الثانی سنہ ۷۵ و ۳ دسمبر ۵۸^(۱)۔

(۱۱)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

میں اس دولتِ ابد مدت کا از راہِ مودت خیر خواہ ہوں۔ امرِ ملال انگیزِ اندوہ آور میں آرائشِ گفتار گوارا نہیں کر سکتا۔ نواب مرزا^(۲) نے دلی آکر پہلے نویدِ بزمِ آرائی سنائی۔ چاہتا تھا، کہ اوسکی تہنیت لکھوں۔

(۱) نواب فردوس مکان کی مسودہ فرمان میں یہ مضمون تحریر نہیں۔ ممکن ہو کہ مبیضہ میں اپنی قلم سی اضافہ کر دیا ہو۔

(۲) نواب مرزا خان داغ تخلص خاف نواب شمس الدین خان دہلوی مراد ہیں۔ نواب فردوس مکان کے عہد میں انکی بھوپتی عمدہ خانم ریاست سی وظیفہ پاتی تھیں۔ یہ اونکو توسط سی ابتداء مورد انعام و عنایات رہی۔ بعد ازان تعلق خدمت بھی ہو گیا۔ چنانچہ نواب خلد آشیان کے عہد میں اصطبل اور فراش خانہ کے داروغہ تھی، سو روپیہ ماہوار تنخواہ پاتی تھی۔ نواب صاحب کے انتقال کے بعد بزمِ علم و ادب منتشر ہوئی، تو مرزا داغ حیدر آباد چلے گئے۔ اور وہاں حضور نظام مرحوم کے استاد مقرر ہوئے۔ اور وہیں سنہ ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۵ع) میں انتقال کیا۔ داغ صاحب شیخ ابراہیم ذوق دہلوی کی شاگرد تھی۔ اور رامپور میں شعراء دہلی کے کامیاب نمایندہ شمار ہوتے تھی۔ امیر مینائی مرحوم لکھنوی اسکول کے حامی تھی، اسلئے دربار خلد آشیان میں ان دونوں میں مسابقت کی سعی جاری رہتی تھی۔ بعض نقادوں کا خیال ہے کہ اس کشمکش میں امیر مینائی مرحوم نے داغ کا رنگ اختیار کر کے اعتراف شکست کیا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ دربار رامپور کے یہ تائبندہ گوہرائی علمی محبتوں میں ایک دوسری سی برابر استفادہ کرتے رہے ہیں۔ اور یہ فیصلہ دشوار ہے کہ ان میں سے کس نے دوسری پر فتح پائی۔ تاہم نواب خلد آشیان کے دربار میں امیر صاحب کا رنگ سب سے زیادہ جا۔ اسلئے قیام رامپور تک اونکو فتحیاب میدان سخن شمار کرنا بیجا نہیں ہے۔

کل اوسنے از روی خط آمدِ رامپور حضرت جنابعالیہ کے انتقال^(۱) کی خبر سنائی۔ کیا کہون، کیا غم و اندوہ کا ہجوم ہوا۔ حضرت کے غمگین ہونیکا تصور کر کر اور زیادہ مغموم ہوا۔ بیدرد نہیں ہون، کہ ایسے مقام میں بطریق انشا پردازی عبارت آرائی کروں۔ نادان نہیں ہون، کہ آپ جیسے دانا دل دیدہ ور کو تلقینِ صبر و شکیبائی کروں۔

از دست گدایِ بے نوا ناید ہیچ جز آن کہ بصدقِ دل دعائی بکند
حق تعالیٰ ذاتِ ستودہ صفات کو دایماً اور ابدآ جاہ و جلال و دولت
و اقبال کیساتھ سلامت با کرامت رکھے۔ عریضہ نگار اسد اللہ المتخلص
بہ غالب۔ مرقومہ یکشنبہ ۲۱ شعبان و ۲۸ مارچ سالِ حال۔

(۱۲)

حضرت ولیِ نعمت آیہ رحمت سلامت۔

ایک خط مشتمل اپنے حال پر اور ایک خط جناب بیگم صاحبہ و قبلہ
مغفورہ کی تعزیت میں روانا کر چکا ہوں۔ اب ایک قطعہ تاریخ بھیجتا
ہوں۔ اگرچہ ایک کا تعمیم ہے۔ لیکن تعمیم کتنا خوب اور بے تکلف ہے۔
عرضداشتِ اسد اللہ۔ معروضہ ۱۳ رمضان و ۱۷ اپریل سالِ حال۔

قطعہ

جنابعالیہ از بخششِ حق بفردوسِ برین چون کرد آرام
سخن پرداز غالب سالِ رحلت و خلودِ خلد گفت از رویِ الہام

(سنہ ۱۲۷۵ ہجری)

(۱۳)

حضرت ولیِ نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم کے عرض کرتا ہوں۔ آج دوشنبہ کا دن ۱۴ رمضان

(۱) جناب عالیہ نواب فردوس مکان کی والدہ محترمہ کا لقب تھا۔ انکا نام فتح النساء بیگم ہو۔ یہ محمد نور خان ولد محمد شاہ خان بڑیچ کی صاحبزادی، اور محمد نور خان نواب سید فیض اللہ خان بہادر کو مشیرزادہ تھی (گلشنِ قنوت قلمی، ذکر نواب فردوس مکان، و اخبار الصنادید، ج ۲، ص ۲۱)۔

المبارک کی اور ۱۸ ماہ اپریل کی صبح کے وقت ڈاک کا ہرکارہ آیا، اور منشورِ عطوفت لایا۔ مین نے سر پر رکھا۔ آنکھوں سے لگایا۔ تعجب ہے کہ میرے دو خطوں کی رسید اس عنایت نامہ میں مرقوم نہیں۔ آیا نہ پہنچے، یا پہنچے اور نہ پڑھے گئے، کچھ معلوم نہیں^(۱)۔

پہلے خط میں یہ عرض کیا ہے، کہ مجموعہ پسننداروں کی مثل مرتب ہے، اور ہنوز صدر کو روانا نہیں ہوئی۔ نواب گورنر جنرل لارڈ کیننگ بہادر^(۲) نے کلکتہ سے میری پنسن کے کواغذ طلب کئے، اور وہ کاغذ فہرست میں سے الگ ہو کر لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب کی خدمت میں ارسال ہوئے۔ وہاں سے کلکتہ کو بھیجے جائیں گے۔ پھر وہاں سے حکم منظوری پنجاب ہوتا ہوا یہاں آئیگا، اور یہاں بجکو روپیہ ملجائیگا۔ آج روپیہ ملا۔ کل میں نے آپ سے سواری اور بار برداری مانگی۔ آج سواری اور بار برداری پہنچی، اور کل میں نے رامپور کی راہ لی۔ بلکہ اسی نیاز نامہ میں کچھ حسنِ طلب بھی تھا۔ افسوس کہ ایسا خطِ ضروری نہ پہنچے۔

دوسرا خط جنابِ عالیہ مغفورہ کی تعزیت میں تھا۔ اوسکا بھی ذکر اس عنایت نامہ میں تھا۔ ناچار پہلے خط کا مضمون اس ورق میں مکرر لکھ دیا، اور دوسرے خط کے صرف ذکر پر اکتفا کیا۔ حق تعالیٰ آپکو

(۱) نواب فردوس مکان کا محولہ بالا خط حسب ذیل ہے : حال تشریف آوری آپکا اسطرف کر ابھی تک سامعہ نواز نہیں ہوا۔ اور دل صفا منزل مشتاق اور منتظر دریافت سرور ملاقات کا ہے۔ اسواسطیٰ حوالہ خامۃ اتحاد نگار کو ہوتا ہے، کہ آپ براہ عنایت کو نوید تشریف فرمائی اس سمت سے، کہ کب تک ممکن الوقوع ہے، مطلع اور مطمئن فرمائیے۔ ۹ رمضان سنہ ۱۲۷۵ھ ۱۳ اپریل سنہ ۱۸۵۹ء

(۲) لارڈ کیننگ بہادر سنہ ۱۸۱۲ء میں پیدا ہوئے۔ سنہ ۱۸۵۲ء میں ہندوستان کو گورنر جنرل اور سنہ ۱۸۵۸ء میں پہلی وائسرائے بنائے گئے۔ غدر انہی کے عہد حکومت میں رونما ہوا۔ اودہ حکومت کی مکمل ضبطی بھی اسی عہد کا واقعہ ہے۔ مارچ ۱۷۶۲ء میں انگلستان واپس گئے، اور ۱۷ جون سنہ ۱۸۶۲ء کو وہیں فوت ہوئے۔ اپنی عزم و استقلال، تدبیر، اور خوبی انتظام کی بدولت انہوں نے بڑی شہرت حاصل کی ہے۔

سلامت رکھے، اور صبر و ثبات و دولت و اقبال و عمر و جاہ و جلال بطریقِ دوام عنایت کرے۔

دو غزلین منجملہ بارہ غزلوں کے بعد اصلاح ارسال کر چکا ہوں۔ خدا کرے پہنچ گئی ہوں۔ پرسون ایک قطعہ جناب بیگم صاحب و قبلہ کی تاریخ وفات کا بھیجا ہے۔ یقین ہے کہ پہنچے گا۔ از راہ احتیاط وہ قطعہ اس ورق میں پھر لکھتا ہوں۔ اور نیز از راہ احتیاط یہ خط بیرنگ روانا کرتا ہوں۔ زیادہ حد ادب۔ عریضہ اسد اللہ خان۔ معروضہ دوشنبہ چہارم رمضان سنہ ۱۲۷۵، مطابق ہژدہم اپریل سنہ ۱۸۵۹^(۱)۔

قطعہ

جنابِ عالیہ از بخششِ حق بفردوسِ برین چون کرد آرام
سخن پردازِ غالب سالِ رحلت و خلودِ خلد گفت از رویِ الہام

(۱۲۷۵)

(۱۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

نوازشنامہ کے ورودِ مسعود کی اطلاع دیتا ہوں، اور ہنڈوی کے پہنچنے کا شکر بجا لاتا ہوں۔ ستمبر سنہ ۱۸۵۹ کے مہینے کے سو روپیہ پہنچے۔ خاطرِ اقدس جمع رہے۔

عزمِ ولایت کا حال معلوم ہوا۔ حق تعالیٰ آپ کو ہر جگہ مظفر و منصور و کامیاب رکھے^(۲)۔ خدمت گزار ہوں، اور دعا و ثنا میرا کام ہے۔

(۱) اس عریضہ کی جواب میں نواب فردوس مکان فی تحریر فرمایا: "سابق اس می دو قطعہ تعلق صحیفہ طابینت افزا آپ کی، اول مشعر مراتب تعزیت رحلت جناب والدہ صاحبہ معظمہ کی اس جہان فانی می، اور دوسرا بانتظار جواب اور قطعہ تاریخ رحلت جناب موصوفہ کی متواتر وصول ہوئی ... سبحان اللہ کیا تاریخ آپ کی تصنیف فرمائی ہو، کہ الفاظ جامع مختصر ہیں، اور تعمیہ بطرز نادر اور بی تکلف ہو۔"

(۲) نواب صاحب کو ۷ ستمبر سنہ ۱۸۵۹ ع مطابق ۲۹ صفر سنہ ۱۲۷۶ھ کی فرمان می معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب فی سفر انگلستان کی باری میں استفسار کیا تھا۔ جس کی جواب میں نواب صاحب کی مذکورہ بالا (باق)

بڑھاپے نے کھو دیا۔ جز نفسے چند مجھ میں کچھ باقی نہیں۔ زیادہ حدِ ادب۔ عرضداشتِ غالب۔ معروضہ یکم اکتوبر سنہ ۱۸۵۹ عیسوی۔

(۱۵)

حضرت ولیٰ نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعدِ تقدیمِ تسلیم گزارش کرتا ہوں۔ پرسون ایک نیازنامہ بھیجا ہے۔ یقین ہے کہ پہنچے گا، اور اوسکا جواب جلد عنایت ہوگا۔ کل نوازشنامہ، جس میں سو روپیہ^(۱) کی ہنڈوی بابت ماہِ اکتوبر سنہ ۱۸۵۹ تھی، شرفِ ورود لایا۔ زرِ مندرجہ ہنڈوی معرضِ وصول میں آیا۔ خاطرِ اقدس جمع رہے۔۔۔۔۔ (شنبہ ۵ نومبر سنہ ۱۸۵۹)^(۲)۔

(۱۶)

حضرت ولیٰ نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعد بجا لانے آدابِ نیاز کے عرض کرتا ہوں۔ یہ میرا دردِ دل ہے۔ نامہٴ تہنیت میں اسکا اندراج مناسب نہیں جانا۔ میں انگریزی سرکار میں علاقہ ریاستِ دودمانی کا رکھتا ہوں۔ معاش اگرچہ قلیل ہے، مگر عزت زیادہ پاتا ہوں۔ گورمنٹ کے دربار میں داہنی صف میں دسوانِ لمبر

(بقیہ) تاریخ کو لکھا: «مشفقاً! جو آپ کو نسبت عزیمت مخلص کو بسمت انگلستان استفسار فرمایا ہے۔ حال یہ ہے کہ فی الحقیقت ارادہ مخلص کا جانی انگلستان کو مصمم ہے۔ لیکن ابھی تک کوئی زمانہ جانی کا مقرر نہیں ہوا ہے۔ اسواسطی حوالہ خامۃ اتحاد نگار کو ہوتا ہے کہ جس وقت زمانہ جانی ولایت کا قرار پاویگا، آپکو پیشتر ہی اس خصوص میں اطلاع دی عمل میں آویگی۔» میرزا صاحب کا عریضہ (نمبر ۱۴) اس فرمان کا جواب ہے۔ بہانہ یہ واضح کر دینا مناسب ہے کہ نواب صاحب کا یہ سفر ملکہ معظمہ وکٹوریہ کے دست مبارک سے صلۃ خدمات غدر پانی کے سلسلہ میں ہونیوالا تھا۔ لیکن بعد ازان کسی وجہ سے سفر ملتوی ہو گیا۔ اور گورنر جنرل کے دربار فتح گڑھ میں خلعت وغیرہ عطا ہوا۔ دربار کی تفصیل عریضہ نمبر ۱۷ کے حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔

(۱) میرزا صاحب نے الفاظ کے اوپر حساسی رقم بھی لکھی ہے۔

(۲) میرزا صاحب کے اس عریضہ کا آخری حصہ پھنگیا ہے۔ اسلئے نام اور تاریخ متن میں موجود نہیں۔

فوسین میں جو تاریخ درج ہے وہ لفافہ سے نقل کر دی گئی ہے۔

اور سات پارچے اور جیفہ، سرپیچ، مالائے مروارید، خلعت مقرر ہے۔
لاڈ^(۱) ہارڈنگ صاحب^(۲) کے عہد تک پایا۔ لاڈ دلبوسی^(۳) یہاں آئے نہیں۔
اب یہ نوابِ معلی القاب آتے ہیں^(۴)۔ زمانے کا رنگ اور۔ کوئی حاکم کوئی
سکرت میرا آشنا نہیں۔ بڑے میرے مربی قدردان جناب اڈمنسٹن صاحب^(۵)۔
وہ بھی چیف سکرتئر نہ رہے۔ لفٹنٹ گورنر ہو گئے۔ وہ سکرتئر رہتے تو
مجھے کچھ غم تھا۔ ابتک میں اپنے کو یہ بھی نہیں سمجھا کہ یگانہ ہوں
یا گناہگار۔ مقبول ہوں یا مردود۔ مانا کہ کوئی خیر خواہی نہیں کی،
جو نئے انعام کا مستحق ہوں۔ لیکن کوئی بیوفائی بھی سرزد نہیں ہوئی،

(۱) یہ میرزا صاحب کا املا ہو۔ صحیح لفظ لاڈ ہو۔

(۲) لاڈ ہارڈنگ صاحب ہندوستان کے گورنر جنرل تھے۔ سنہ ۱۷۸۵ ع میں پیدا ہوئے۔ جولائی سنہ
۱۸۴۴ ع میں جنوری سنہ ۱۸۴۸ ع تک گورنر جنرل رہے۔ سکھ و ارمین بہت نمایاں خدمات انجام دیں۔
انتظامِ مملکت میں بھی مفید اصلاحات نافذ کیں۔ جگہ جگہ اسکول قائم کئے۔ ریلوی اور آبپاشی کے
محکموں میں اضافہ کیا۔ اور اتوار کی عام تعطیل مقرر کی۔ آخر میں سنہ ۱۸۵۲ ع میں سنہ ۱۸۵۶ ع
تک کانڈر انچیف رہے، اور اسی سال ماہ ستمبر میں انتقال کیا۔

(۳) لاڈ ڈلبوسی سنہ ۱۸۱۲ ع میں پیدا ہوئے۔ سنہ ۱۸۴۷ ع میں ہندوستان کے گورنر جنرل مقرر کئے
گئے۔ اور ۱۲ جنوری سنہ ۱۸۴۸ ع کو آفس کا چارج لیا۔ انھوں نے سکھوں کو زیر کر کے
۱۸۴۹ ع میں پنجاب کا الحاق کیا۔ انکا اندرونی انتظام مملکت بہت عمدہ اور مضبوط مانا جاتا ہے۔
محکمہ ریلوی میں نئی ضابطی نافذ کئے۔ اور صوبوں کے درمیان ٹیلیگراف سسٹم قائم کیا۔ شاہی
ڈاکخانہ کا نظم بھی انہی کا رہا۔ پبلک ورکس ڈپارٹمنٹ، جیل، جنگلات، سروی اور
محکمہ تعلیمات قائم کیا۔ ایجسٹنٹ گورنر کا از سر نو انتظام کر کے اوسے وسعت دی۔ برما پر
حملہ کیا، اور خان قلات اور امیر افغانستان سے معاہدے مرتب کئے۔ صوبہ برار فوجی مصارف
کے لئے حاصل کیا۔ ان کے ہاتھوں بہت سی دیسی ریاستوں کا خاتمہ ہوا۔ حادثہ غدر کی تمام
تر ذمہ داری بھی انہی کے کاندھوں پر رکھی جاتی ہے۔ یہ بڑی جفاکش کارکن تھے۔ چنانچہ ان کے
سوانح کا خلاصہ فتح، استحکام، اور ترقی ہے۔ انھوں نے لندن واپس جا کر سنہ ۱۸۶۰ ع میں انتقال کیا۔
(۴) لاڈ کینگ بھادر وائسرائے مراد ہیں۔

(۵) ایڈمنسٹن صاحب سنہ ۱۸۱۳ ع میں پیدا ہوئے۔ سنہ ۱۸۳۱ ع میں اضلاع شمال و غرب میں تقرر ہوا۔
ستلج کی فتح کے بعد وہاں کی ریاستوں کے کشتہ بنداؤ گئے۔ سنہ ۱۸۵۳ ع میں پنجاب کے کشتہ مالیات
ہوئے۔ سنہ ۱۸۵۵ ع میں سنہ ۱۸۵۷ ع تک گورنمنٹ آف انڈیا کے فارن سیکریٹری رہے۔ بعد ازاں
جنوری سنہ ۱۸۵۹ ع میں پنجاب کے گورنر ہو گئے۔ اور فروری سنہ ۱۸۶۳ ع تک اس عہدہ پر فائز رہے۔
انھوں نے ۲۴ ستمبر سنہ ۱۸۶۴ ع کو انتقال کیا۔

جو دستورِ قدیم کو برہم مارے^(۱)۔ بہر حال اس تشویش میں ہوں۔ راہِ چارہ مسدود، اور دکھ موجود۔ عرفی خوب کہتا ہے:

مرا زمانہ طناز دست بستہ و تیغ زند بفرقم و گوید کہ ہاں سرے میخار
مرقومہ صبح یکشنبہ ۷ نومبر سنہ ۱۸۵۹ء^(۲)۔

(۱۷)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعد بجا لانے آدابِ نیاز کے عرض کرتا ہوں۔ منشورِ عطا و عفو پہنچا۔
نواب عالی جناب کی ملازمت کا حال بسبیلِ اجمال مندرج تھا۔ میں از رویِ اخبار بہ تفصیل دریافت کر چکا ہوں۔ ہندستان میں کسی رئیس کی واسطے یہ بات کاہے کو ہوئی ہے۔ مسند تکیہ کسی کو کب ملا ہے۔ یہ کمالِ عز و شان اور استحکامِ بنایِ ریاست کا نشان ہے۔ لطف یہ ہے کہ اب صاحبانِ کورٹ آف ڈرکٹر حائل نہیں رہے۔ نواب گورنر جنرل بہادر نائبِ سلطنت ہیں۔ اس صورت میں جو کچھ انہوں نے دیا ہے، وہ عطیہ حضرتِ فلکِ رفعتِ ملکہ معظمہ کا ہے۔ ایسے شاہنشاہ کی سرکار سے وسادہ سروری کا عطا ہونا بہت بڑی نوازش اور سزاوارِ صد گونہ نازش ہے۔ یہ چار بالشِ امارت اور «کاشی پور» کا ضمیمہ ملکِ موروٹی ہونا پہلے آپ کو اور پھر ولیعہد بہادر کو اور پھر آپ کی اولاد و اخوان و انصار کو اور سب کے بعد غالبِ دعا گوئی۔ گوشہ نشین کو مبارک ہو۔ زیادہ حدِ ادب۔ مرقومہ صبح یکشنبہ ۲۷ نومبر ۱۸۵۹ء ع^(۳)۔

(۱) یہ فارسی کا محاورہ «برہم زند» کا ترجمہ ہے۔

(۲) نواب فردوس مکان نے جواباً تحریر فرمایا: «شفقا! ہنگام ملاقات کی اکثر صاحبانِ ذیشان سے تذکارِ محامد اوصاف ذاتی اور صفاتی آپ کا عمل میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور قدردانی سرکارِ دولتمدار سے یقینِ وثاق ہے کہ جو مدارجِ شریف آپ کو قدیم سے ہیں، پیشگاہِ گورنمنٹ سے بھی اومی مطابق ظہور میں آویگا۔ کسواسطی کہ اہالی سرکار ابد قرارِ قدردان و قدرشناس ہیں»۔

(۳) میرزا صاحب نے اس عریضہ میں جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ اخبار الصنادید (ج ۲، ص ۹۷-۱۱۰) کی بیان کو مطابق حسبِ ذیل ہے: (لارڈ کیننگ صاحب بہادر گورنر جنرل نے ۱۵ نومبر سنہ (باقی)

(۱۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

آداب نیاز بجا لا کر عرض کرتا ہوں ، کہ سو روپیہ کی ہنڈوی بابت

(بقیہ) ۱۸۵۹ ع مطابق ۲۳ ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۶ھ کو مقام فتحگڑھ میں ایک عالیشان دربار منعقد فرمایا . . . اس دربار میں بہت سی دیسی روسا اور بہت سی یورپین معزز حکام خصوصاً کانڈر انچیف صاحب شریک تھے . . . اس دربار عام میں گورنر جنرل نے نواب سید یوسف علیخان بہادر سی مخاطب ہو کر کہا : **»جکو بڑی خوشی اس بات کی ہے ، کہ ان خدمات کی عوض جو آپ نے ملکہ معظمہ کی کین ، آج آپ کا شکریہ ادا کر نیکا موقع ملا . آپ اپنی ذات خاص سے زمانہ غدر میں نہایت مستعد اور صادق رہے . اور آپ نے ، باوجود خوف جان و ریاست کی ، گرد و نواح میں نہایت مشقت اور مستعدی سے حکومت برقرار رکھی . اور ملکہ معظمہ کی افسروں کی مدد بقدر امکان بخوشی کی . سب سے بڑھ کر یہ ہے ، کہ آپ نے ایک مجمع کثیر مقوم ملکہ معظمہ کی جانیں بچائیں . ان کو سب آفتوں سے محفوظ رکھا . اور انکو ہر طرح کی آسائش دی . حالانکہ وہ زمانہ چاروں طرف خوف سے گھرا ہوا تھا . میں بڑی خوشی سے روبرو سپہ سالار افواج ہند ملکہ معظمہ اور بہت سی معزز افسر اور حاکمان ملکی کے ، جو گرد و نواح اور دیگر مقامات ہندوستان میں عہدہ ہای جلیلہ پر منصوب ہیں ، آپ کی حسن خدمات کا اقرار کرتا ہوں . جکو یقین ہے کہ آپ کی کارگزاریوں کو یہ لوگ ہرگز نہ بھولیں گے .** اس دربار میں گورنر جنرل نے نواب سید یوسف علیخان بہادر کو خلعت قیمتی بیس ہزار روپیہ کا عطا کیا . اور سلامی کے فریاد گیارہ کے بجای تیرہ مقرر ہوئی . علاوہ اسکو **»فرزند دلیر»** کا خطاب عنایت ہوا . القاب و آداب ان الفاظ کے ساتھ قرار پایا : **»نوابصاحب مشفق بسیار مہربان کرمفرمای مخلصان سلامت»** .

بعد ازان ۲۵ نومبر سنہ ۱۸۵۹ ع کو گورنر جنرل بہادر کی سکریٹری نے گورنمنٹ ممالک مغربی و شمالی کی سکریٹری کے نام حسب ارشاد گورنر جنرل بہادر ایک خط لکھا . اس خط کی دفعہ ۵ میں تحریر تھا : **(گورنر جنرل نے . . . نواب صاحب کو مطلع کیا کہ انکی مستحکم وفاداری اور اعلیٰ درجہ کی امداد کے سبب سے ، جو انھوں نے گورنمنٹ کو دی ہے ، انکو پرگنہ کاشی پور ضلع مراد آباد جسکی جمع ایک لاکھ چار ہزار چار سو روپیہ سالانہ ہے ، معافی میں بخشا ہے . جسکو وہ اور انکو وارث اپنی جاگیر کے ایک ٹکڑی کے طور پر اپنی قبضہ میں رکھیں .)**

اس عطیہ شاہی کی تہنیت میں میرزا صاحب نے یہ قطعہ فارسی نظم کیا :

ای آنکہ خود بھر می پروری مرا	از غیب مزد کار تو اجر عظیم باد
رای تو در زمانہ بامضای کارها	با اہتمام سہم سعادت سہم باد
در صبح دولت تو ز گلبہای رنگرنگ	دائم مشام دہر رہین شمیم باد
آن دم ، کہ مردہ را باثر زندہ ساختی ،	در باغ طالع تو بجای شمیم باد
پاشند آب گر برہت بہر دفع گرد	ہر قطرہ زان نمونہ در یتیم باد
ہر صیفہ ، کہ وضع وی از بہر امر تست ،	فارغ ز ننگ زحمت تقدیم مہم باد
گر بہر خویش نیز دعای کنم چہ باک	این نعمہ ہم گزیدہ طبع سلیم باد
آزادہ ام خلوص وفا شیوہ من ست	راہم و رای مسلک امید و بیم باد (باقی)

مصارفِ ماہِ نومبر ۱۸۵۹ پہنچی . اور روپیہ وصول میں آیا . اور صرف ہو گیا . اور میں بدستور بھوکا اور ننگا رہا . تم سے نکھون تو کس سے کہوں . اس مشاہرۃ مقررہ سے علاوہ دو سو روپیہ اگر مجھ کو اور بھیج دیجیگا تو جلا لیجیگا . لیکن اس شرط سے کہ اس عطیۃ مقررہ میں محسوب نہو اور بہت جلد مرحمت ہو . زیادہ حد ادب . عرضداشتِ غالب . معروضۃ صبح پنجشنبہ ہشتم دسمبر سنہ ۱۸۵۹ بمجرّد ورودِ عنایت نامۃ مرقومۃ ماہِ حال^(۱) .

(بقیہ)	چون رهروی که بر نبط جاده ره رود	پیوستہ سیر من ببط مستقیم باد
	مانند فکر من رخ بخت تو دلفروز	مانند کلک من دل دشمن دونم باد
	یابستہ زمان و مکان نیست دردمند	گر خود رود بکعبہ برین در مقیم باد
	شادم بکنج امن و نگویم کہ بندہ را	خشتی ززر خالص و خشتی ز سیم باد
	مقصود از لباس همان پوشش تنست	پوشش گر از حریر نباشد گلیم باد
	بالجملہ این سہ بیت کہ سر جوش فکر تست	در خورد لطف خاص و عطای عیم باد
	ونواب مہر مہر منوچہر چہر را	حاصل جمال یوسف و قرب کلیم باد
	چون غنچۃ کہ پہلوی گل بشگفت بیاع	ملک جدید شامل ملک قدیم باد
	ہر دم ترا بخلوت راز و بیزم انس	روح الامین مصاحب و غالب ندیم باد
		(کلیات غالب فارسی ، ص ۲۶)

اس قطعہ کی متعلق یہ بتانا ، کہ کس تاریخ لکھا گیا ، اور کب رامپور پہنچا ، سخت دشوار ہو . اسلئے کہ مثل میں ایسا کوئی خط شامل نہیں ، جس میں اسکا ذکر ہو . لیکن ۲۷ نومبر کی مکوب میں اسکا مذکور نہونی کی باعث ، قیاس یہ ہو ، کہ اس تاریخ کی بعد لکھا گیا ہوگا . اور اسی مہینہ کی کسی آخری تاریخ میں یا ماہ دسمبر کی شروع میں نواب فردوس مکان کی خدمت میں ارسال ہوا ہوگا . نوابصاحب کی تاریخ روانگی و آمد صاحب اخبار الصنادید فی ذکر نہیں کی . لیکن خود نوابصاحب فی میرزا غالب کو ۱۱ ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۶ مطابق ۸ نومبر سنہ ۱۲۵۹ ع کو لکھا ہو : و مخلص بتاريخ ۱۲ اس مہینہ کی طرف فرخ آباد کی روانہ ہوگا اور بتاريخ ۱۸ اس مہینہ کی معاودت کر کے رامپور پہونچی گا

(۱) میرزا صاحب کی اس عریضہ کی جواب میں نواب فردوس مکان فی القاب و تسلیات کی بعد تحریر فرمایا : « مشفقاً پیاس ارقام سای کی ، کہ مخلص کو آپ کی ذات ستودہ صفات سی محبت اور موافقت قلبی ہو ، ہندوی مبلغ دو سو روپیہ کی سواؤ مشاہرۃ معینہ معطوف رقمۃ الوداد ہذا کی مرسل ہو . اور چشمداشت آپ کی لطف فرمائی سی یہ ہو ، کہ رسید ہندوی مذکور سی مطلع اور مطمئن فرمائیں . اور سابق میں چند مرتبہ در باب تشریف فرمائی یہاں کی متکلف ہوا ہوں . لیکن اب تک آپ فی سرور ملاقات بہجت آیات سی مبرور نہیں فرمایا . اب لازم اشتاق کا یہ ہو کہ آپ تشریف شریف بامرع ازمہ ارزانی فرماوین اور مخلص کو مشکور الطاف کا کریں .

اس ارشاد کی تعمیل میں میرزا صاحب صبح پنجشنبہ ۱۹ جنوری سنہ ۱۲۶۰ ع کو دلی سی روانا ہوکر شام کو مرادنگر ، اور جمعہ ۲۴ جنوری کو میرٹھ پہنچی . وہاں ۲۱ کو قیام کر کے دوسری دن شامیانپور ، گڑھ مکئیر ، اور مراد آباد ہوئے ہوئے ، جمعہ کی دن ۲۷ جنوری کو وارد رامپور (باقی)

(۱۹)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

آدابِ نیاز بجالاتا ہوں . اور مزاجِ اقدس کی خبر پوچھتا ہوں . اور بکالِ ناچاری بصدِ گونہ شرمساری عرض کرتا ہوں کہ آج سہ شنبہ ۷ فروری کی ہے . جو لوگ کہ میرے ساتھ ہین گوش بر آواز ہین . اور جو وظیفہ خوار دلی مین ہین وہ چشم براہ ہونگے . زیادہ حدِ ادب . خوشنودی کا طالب غالب . صبح سہ شنبہ ۷ فروری سنہ ۱۸۶۰^(۱) .

(۲۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

تقدیمِ مراسمِ تسلیمِ مقدمہ اس گزارش کا ہے ، کہ عالمِ دوہین . ایک عالمِ شہادت ، ایک عالمِ غیب . جس طرح عالمِ شہادت مین آپ میری دستگیری کر رہے ہین ، عالمِ غیب مین آپ کا اقبال مجکو مدد پہنچا رہا ہے . تفصیل اس اجمال کی یہ کہ وہ نقشا پنسن دارون کا جو یہاں سے صدر کو گیا تھا ، وہ اب صدر سے بعدِ صدورِ حکم آ گیا . حکم بہ نسبت ہر واحد کے مختلف ہے .

(بقیہ) ہوی . یہاں منجانبِ ریاست مہانداری کا انتظام کیا گیا . اور محلۂ راجدوارہ مین ایک مکان قیام کیلئے عطا ہوا . نواب فردوس مکان فی تعظیم و توقیر مین کوئی دقیقہ فروگراشت نہیں کیا . اور چند دن کے بعد زرِ دعوت کے نام سے سو روپیہ ماہوار مقرر فرما دیا . رامپور کی آب و ہوا میرزا صاحب کے مزاج کے موافق تھی . اسلئے وہ چاہتے تھے کہ یہاں زیادہ عرصہ رہیں . لیکن باقر علیخان اور حسین علیخان ساتھ آئے تھے . انہوں نے دلی واپس چلئے کیلئے ضد کی . چونکہ یہ دونوں کم عمر تھے اسلئے انکا تنہا دلی بھیجنا مناسب نہ تھا . مجبوراً میرزا صاحب نے رخصت مراجعت کی درخواست کی . نواب فردوس مکان فی قیام پر اصرار کیا . لیکن آخر کار اجازت عطا فرما دی اور میرزا صاحب رامپور سے ۱۷ مارچ سنہ ۶۰ ع کو روانا ہو کر ۲۴ ماہ مذکور کو دلی جاجا پہنچی . سفر کی تفصیلات کیلئے دیباچہ ملاحظہ ہو .

(۱) اس عریضہ کے لفافہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ میرزا صاحب کے قیام رامپور کے زمانہ مین نواب فردوس مکان کو لکھا گیا ، اور فتح محمد خان صاحب کے توسط سے کیمپ مین پیش ہوا . مقام کا نام لفافہ پر درج نہیں . لیکن جوابی فرمان کے مسودہ مین "از مقام کھریاہ" تحریر ہے . جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اوسوقت مرکاز بسلسلۂ دورۂ ریاست موضع کھریاہ تحصیل سوار مین فروکش تھے .

تقلیل بہت ہے۔ سو روپیہ مہینے والے کو پچھتر^(۱) بھی ہین، اور پچیس^(۱) بھی ہین، اور دس^(۱) بھی ہین۔ اب فرمائیے میرے واسطے کیا احتمال گزرتا ہے۔ یاس کلی ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہوا ہے، کہ سب سے پہلے میرا نام اور پوری پنسن کی واگراشت کا حکم۔ طرفہ یہ کہ میرے نام کے ساتھ ایک انگریزی تحریر ہے، کہ جسکے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ گورنمنٹ کا حکم منظوری اس تحریر پر متفرع ہے۔ حکام کے عملہ میں اور وکلا اور اہل شہر میں یہ مشہور ہے، کہ وہ تحریر ولایت سے آئی ہے۔ بہر حال دو امر ہنوز مبہم ہین۔ ایک اس انگریزی تحریر کا حال، اور دوسرے میرے بھائی کی پنسن کی حقیقت۔ سو یہ دونوں امر چند روز میں معلوم ہو جائینگے۔ اور جو معلوم ہوگا، وہ عرض کیا جایگا۔ غالب۔ ۲۲ اپریل سنہ ۱۸۶۰^(۲)۔

(۲۱)

حضرت ولی نعمت آیۃ رحمت سلامت۔

شکر بندہ پروری بجا لا کر عرض کرتا ہوں، کہ کل ۱۲ جولائی کو نواز شنامہ مع سو روپیہ کی ہنڈوی کے پہنچا، اور روپیہ معروض وصول میں آیا۔ متوقع ہوں، کہ یہ عطیہ چوتھی پانچویں انگریزی کو، جیسا کہ ہمیشہ

(۱) ان مقامات پر میرزا صاحب نے حسابی رقوم بھی لکھی ہین۔

(۲) اس عریضہ کے جواب میں ۲۸ رمضان سنہ ۱۲۷۶ھ مطابق ۲۰ اپریل سنہ ۱۸۶۰ع کو نواب صاحب نے تحریر فرمایا: ہمشفا! جب کوئی مسرت پیش آنیوالی ہوتی ہو، تو آغاز ہی میں مقدمات سرور پیدا ہوتے ہین۔ ایسی سامان افکار آتی ہین کہ بے اختیار دلکو انبساط، طبیعت کو نشاط ہو۔ حسن اتفاق دیکھو، کہ ۱۹ تاریخ اپریل سال حال پہلے تو ایک لاکھ بیس ہزار کی جاگیر پر دخلدہائی کا خریشہ آیا۔ میں اوسے پڑھ رہا تھا، کہ آپکا نامہ سرور افزا پہنچا۔ اوس میں آپکی پنسن کی بحالی کا مزہ پایا۔ نشہ سرور دوبالا ہو گیا۔ اور اسقدر بالیدگی اور خوشی حاصل ہوئی کہ زینہار بیان اوسکا مجال زبان و قلم نہیں۔ بار خدایا مبارک ہو۔ سپاس منعم حقیق ادا نہیں ہو سکتا۔ اسوقت میں بلا نقصان پنسن کا جاری ہونا محض شان قدرت باری ہی۔ شکر اوسکو احسانات کا کراتک ادا کیجئے۔ عجب قدرت نمانی فرمائی ہو۔ دلکو طرفہ مسرت ہاتھ آئی ہے۔ میرزا نقتہ کی نام کو ۶ مئی سنہ ۱۸۶۰ع کو خط میں معلوم ہوتا ہے کہ ۴ مئی سنہ ۱۸۶۰ع کو زرنپنشن وصول کیا گیا تھا (اردو میں، صفحہ ۹۰)۔ وصول شدہ رقم، دو ہزار دوسو پچاس روپیہ کے خرچ کی پوری تفصیل کیلئے اردو میں، صفحہ ۱۸۲، خط بنام میر مہدی ملاحظہ ہو۔ آخر میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ میرزا صاحب کے عریضہ کی تاریخ ۲۲ اپریل سہو قلم معلوم ہوتا ہے۔

پہنچتا تھا، پہنچا کرے۔ دسویں بارہویں نہوا کرے۔

تم سلامت رہو قیامت تک

خوشنودی کا طالب غالب۔ صبح جمعہ ۲۳ ذی الحجہ سنہ ۱۲۷۶ مطابق ۱۳ جولائی سنہ ۱۸۶۰۔

(۲۲)

ولّٰی نعمت آیہ رحمت سلامت^(۱)۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ کے ورود سے مین نے عزت پائی۔ سو رویہ کی ہندوی بابت مصارف مارچ سنہ ۱۸۶۱ کے پہنچی۔ زر مندرجہ معرض وصول مین آیا۔ خاطر اقدس قرین جمعیت رہے۔ کلیات فارسی کے پہنچنے سے اور اس نذر کے مقبول ہونے سے مجھ کو بہت خوشی حاصل ہوئی^(۲)۔

تم سلامت رہو قیامت تک

عنایت کا طالب غالب۔ صبح یکشنبہ ۷ اپریل سنہ ۱۸۶۱ ع۔

(۲۳)

ولّٰی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم تورہ اور خلعت کے عطیہ کا آداب بجا لاتا ہوں۔ خدا آپ کو سلامت رکھے۔ اور اپنی اولاد کی اولاد کی شادیاں کرنی اور اون

(۱) عریضہ نمبر ۲۲ تا ۲۵ مین خلاف معمول لفظ "حضرت" ساقط ہو۔

(۲) میرزا صاحب کا یہ نسخہ کلیات فارسی حسب تصریح فرمان مورخہ ۳۰ مارچ سنہ ۶۱ ع ڈاک کی ذریعہ حضور مین پیش ہوا۔ نواب صاحب نے اسکو واثقہ جہان نما بل غزن نکات مسرت افزا، تحریر کیا ہو۔ یہ نسخہ کتب خانہ سرکاری مین محفوظ ہو۔ خط نہایت صاف، کاغذ نیلگون اور جابجا مرزا صاحب کی قلمی تحریر سی مزین ہو۔ اسکی کاتب کی باری مین مرزا صاحب نواب ضیاء الدین خان بہادر کو لکھتے ہیں: "آپ کو دیوان کی دینی مین تامل کیوں ہو۔ روز آپ کے مطالعہ مین نہیں رہتا۔ بغیر اوسکی دیکھی آپ کو کھانا نہ ہضم ہوتا ہو، یہ بھی نہیں۔ پھر آپ کیوں نہیں دیتے: رہا کتاب کے تلف ہونیکا اندیشہ، یہ خفقان ہو۔ کتاب کیوں تلف ہوگی۔ احياناً اگر ایسا ہوا، اور دل لکھنو کے عرض راہ مین ڈاک لنگی، تو مین فوراً بسیل ڈاک رامپور جاؤں گا، اور نواب غفر الدین خان مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیوان تمکو لادونگا، (اردو می، صفحہ ۲۸۹)۔

شادیوں میں تورہ و خلعت کی تقسیم نصیب ہو ۔
 یہ تحریر نہیں ۔ مکالمہ ہے ۔ گستاخی معاف کروا کے اور آپ سے اجازت
 لیکے بطریق انبساط عرض کرتا ہوں ، کہ یہ سوا سو روپیئے ، جو تورہ
 و خلعت کے نام سے مرحمت ہوئے ہیں ، میں کال کا مارا اگر یہ سب روپیہ
 کھا جاؤنگا ، اور اس میں لباس نہ بناؤنگا ، تو میرا خلعت حضور پر باقی
 رہیگا یا نہیں ؟

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
 داد کا طالب غالب ۔ دوشنبہ ۔ بحساب تعزیرہ داران پانچوین ، اور از روی
 دوج ۶ محرم الحرام سنہ ۱۲۷۸ (۱)۔

(۱) اس عریضہ میں نواب فردوس مکان کے منجھلی صاحبزادی سید حیدر علیخان بہادر کی شادی
 کا حوالہ ہے ۔ یہ شادی نواب سید احمد علی خان بہادر ابن نواب سید محمد علیخان بہادر
 ابن نواب سید فیض اللہ خان بہادر کی نواسی کیساتھ ۱۷ ذی الحجہ سنہ ۱۲۷۷ھ مطابق ۲۷ جولائی
 سنہ ۱۸۶۱ع کو قرار پائی تھی ۔ مہیون قبل سے تیاریاں ہوئی تھیں ۔ ملازمان ریاست کو خلعت
 اور عام باشندگان شہر کو کھانا تقسیم ہوا تھا ۔ اور ساری شہر میں جانجا رقص و سرود کی
 محفلیں آراستہ کی گئی تھیں ۔ ریاست کی بیرونی متوسلین اور احباب کے نام دعوت نامی جاری ہوئی
 تھی ۔ اس سلسلہ میں میرزا صاحب کو بھی دعوت شرکت دی گئی تھی ۔ لیکن وہ ضنف طبع کے
 سبب سے ناسکی تھی ۔ چنانچہ نواب علاء الدین خان علانی کو ۲۵ ستمبر سنہ ۱۸۶۱ع کو لکھا ہے :
 والی رامپور نے بھی تو مرشد زادہ کی شادی میں بلایا تھا ۔ یہی لکھا گیا ، کہ میں معدوم محض
 ہو گیا ہوں ۔ تمہارا اقبال تمہاری کلام کو اصلاح دیتا ہے ۔ اس سے بڑھکر مجھو خدمت نہ
 چاہو ، (اردو معلی ، صفحہ ۳۰۴ و ۳۰۵)۔

میرزا صاحب نے تورہ و خلعت کا عطیہ پا کر ایک تہنیت نامہ اور دو قطعات مبارکباد
 نواب صاحب کی خدمت میں روانہ کر دی تھی ۔ قطعات مثل میں شامل نہیں ۔ لیکن حسن اتفاق سے کلیات
 فارسی (مطبوعہ لکھنؤ ، ص ۳۱) میں شایع ہو چکی ہیں ۔ مقام کی مناسبت چاہتی ہے کہ انہیں بیان
 نقل کیا جائے ۔ فرماتے ہیں :

(۱)

دید و یوسف علیخان کو فروغ : رای او	مہر تابان برد قسط فیض ومن ہم یافتہ
از ولیمہدش سخن رانم کہ چون ماہ منیر	طلعتش را دیدہ روشن ساز عالم یافتہ
وان دگر فرزانه فرزند فرہمندش کہ هست	کوکی کش در دل افروزی مسلم یافتہ
خواست تا سازد بآئین ہینش کدخدا	شاد گشتہ چون خبر زین جشن اعظم یافتہ
بہرہ بردم در تصور زان ہمایون انجمن	بسکہ در خود طلاق رنج سفر کم یافتہ
بزم طوی فرح حیدر علیخان را بدہر	خوشتر و خرم تر از بزم کی و جم یافتہ (باقی)

(۲۴)

وَلِي نِعْمَتِ آيَةِ رَحْمَتِ سَلَامَتِ .

بعدِ تسلیمِ معروض ہے . آٹھ سات برس سے مصدرِ خدمت اور

(بقیہ) سال این دولت فزا شادی باممان نظر مشتری، با زہرہ، در طالع، فراہم یافتہ
اس قطعہ میں مصرع آخر کی الفاظ (زہرہ، مشتری، اور طالع) سی سال جشن ۱۲۷۷ھ نکلتی ہیں۔

(۲)

بہار ہند کہ نامند بر شگال آترا
بیاع و کشت و بیابان و کوہ سر تاسر
گزشت عہد سموم و وزید باد خنک
اگرچہ رحمت عامست لیک بالخصیص
زبرگ برگ نیستان کہ گرد آن شہر است
ز انبساط پراست آنچنان کہ از رگ ابر
سپس بداد گر آیم کہ اہل دانش را
خود ابر و باد بگیتی ز دیر باز نبود
معاف باشم اگر خود ز خویشتن پرسم
چو رامپور بود وجہ تازہ رونی دہر
ز فیض ہمت فرمانروای آن شہرست
ظہور مہمنت کدخدائی فرزند
کہ میہمان حق ست آن و ما طفلی او
بجیب و دامن مردم ز بخشش نواب
کشایش در گنجینہ و آنکہ از در گنج
بظالبان زر و سیم سیم و زر فرخ
بن کہ تشہل بادہای پرزورم
مگو ز شادی اہل زمین، کہ می گویند
بدین ترانہ کہ ہاں ای امیر شاہ نشان
بشہریار و ولیمہد و شاہزادہ عہد
ازان جہت کہ ستایش نگار نوابی

پس از دو سال بر اہل جہان مبارکباد
سحاب و سبزہ و آب روان مبارکباد
ز جان بہ تن، دگر از تن بجان مبارکباد
برامپور کرات تا کران مبارکباد
رسد بگوش چنان کہ زبان مبارکباد
بجای قطرہ تراود همان مبارکباد
شود ہر آنہ خاطر نشان مبارکباد
عطیہ ایست کہ بر مہنگان مبارکباد
برامپور خصوصاً چسان مبارکباد
ز ہر چہ این ہمہ گل کرد آن مبارکباد
کہ ورد خلق بود ہر زمان مبارکباد
بر آن رئیس سپہر آستان مبارکباد
نزول مائدہ بر میہمان مبارکباد
متاع خاصہ دریا و کان مبارکباد
بدر شتافتن پاسبان مبارکباد
بسائلاں تہی کاسہ نان مبارکباد
ازان میان دو سہ رطل گران مبارکباد
فرشتگان بلند آسمان مبارکباد
نوید فرخی جاودان مبارکباد
خوشی و خوبی و امن و امان مبارکباد
ترا ہم ای اسد اللہ خان مبارکباد

نواب فردوس مکان فی ۱۱ جولائی سنہ ۱۸۶۱ ع مطابق غرۃ محرم الحرام سنہ ۱۲۷۸ھ کو ان قطعات
کے متعلق تحریر فرمایا : قطعات مبارکباد اور تہنیت نامہ شادی کت خدائی برخوردار
کامگار محمد حیدر علی خان بہادر ایام فرحت التیام میں مرور افزای خاطر نیاز ہوئی۔ اور سرمایہ
ہزاران مسرت اور شادمانی کا ارزانی کیا۔ سبحان اللہ ہر یک شعر قطعون اور تہنیت نامہ کا مضامین
مہمنت آگین اور معانی لطافت تضمین سی ایسا ملو تھا، کہ وصول اسکا احاطہ تحریر و تقریر سی
متزاید ہی۔ اللہ تعالیٰ آپکو ابد الدہر سلامت با جمعیت رکھے۔ (باقی)

شریکِ دولت ہوں۔ لازم کر لیا ہے، کہ بیہودہ گزارش نکروں۔ اور کبھی کسی کی سپارش نکروں۔

بھائی حسن علیخان کے بیٹوں کے باب میں جو علی بخش خانصاحب^(۱) کو لکھا، اس کو میں سپارش نہ سمجھا تھا۔ مخبر بنا، اور آپ کے اہل کاروں کو اوس بات کی خبر دی، کہ جس کا تدارک صاحبانِ ملک و حاکمانِ عہد پر لازم ہے۔ سو بمقتضایِ نصفت و عدالت وہ مقدمہ فیصل ہو گیا۔ میر سرفراز حسین اور میر نصاحب کو^(۲) واللہ باللہ اگر میں نے بھیجا ہو۔ نوکری کی

(بقیہ) اب صرف تہنیت نامہ باقی رہ جاتا ہے۔ بظاہر عریضہ نمبر ۲۳ تہنیت نامہ معلوم ہوتا ہے، لیکن اس کو مذکورہ فرمان تہنیت نامہ قرار نہیں دے سکتے۔ اس لٹو کہ فرمان می مترشح ہے، کہ تہنیت نامہ بھی منظوم تھا۔ اور یہ عریضہ منشور ہے۔ علاوہ برین اس کو تہنیت نامہ قرار دینا اساتذہ بھی نا ممکن ہے، کہ یہ لفافہ کی انگریزی تاریخ کے مطابق ۱۵ جولائی کو لکھا گیا تھا۔ اور تہنیت نامہ کا ذکر نواب صاحب کے ۱۱ جولائی کے فرمان میں آچکا ہے۔

- (۱) علی بخش خانصاحب شیخ محبوب بخش بن شیخ امان اللہ کے لڑکے تھے۔ یہ ۱۴ شوال سنہ ۱۲۲۸ھ (۱۸۱۳ع) کو نجیب آباد میں پیدا ہوئے۔ انکے دادا اور نانا اس ریاست کے قدیمی نوکر اور خدمت گزار تھے۔ انھوں نے ایامِ غدر میں بڑی جانفشانی اور خیر خواہی میں کام کیا۔ اور اسکی صلہ میں گورنمنٹ سے پانچ ہزار روپے کا خلعت، تلوار، طلائی گھڑی اور تین ہزار چودہ روپے سالانہ کی جاگیر ضلع مراد آباد میں انعام پائی۔ نواب خالد آشیان نے تخت نشینی کے ایک سال بعد انھیں چالیس ہزار روپے نقد یکشت عطا کیے۔ اور جب یہ بیمار ہوئے، تو دو بار بنفس نفیس انکی عیادت کو تشریف لیگئے۔ انھوں نے ۲ محرم سنہ ۱۲۸۴ھ مطابق سنہ ۱۸۶۷ع کو رامپور میں انتقال کیا اور مولانا جمال الدین رح کے مزار میں دفن ہوئے۔ انکی اولاد میں مولانا محمد علی مرحوم بین الاسلامی شہرت کے قومی رہنما ہوئے ہیں (اخبار الصنادید، ج ۲، ص ۱۴۱، و تذکرہ کاملان رامپور، ص ۴۶۶)۔
- (۲) میر سرفراز حسین میر مہدی مجروح کے بھائی اور میر افضل علی عرف میرن صاحب انکی دوست تھے۔ میرزا صاحب سے بھی ان دونوں کے خوردانہ تعلقات تھے۔ اردوی معنی اور عود ہندی میں انکی نام متعدد خطوط درج ہیں۔ میرزا صاحب نے انکی اہتری معاش کا حال دیکھ کر خاسامان صاحب کے نام تعارفی خط دیکر رامپور بھیجا تھا۔ لیکن شوی بخت سے اوس وقت یہاں ملازمت نہ مل سکی، اور یہ دونوں سو روپیہ کے زرباری کے بعد واپس چلی گئے۔ اس سلسلہ میں میرزا صاحب نے میر مہدی کو لکھا ہے: "مید صاحب کل پر دن رہی، تمہارا خط پہنچا۔ یقین ہو کہ اوسی وقت یا شام کو میر سرفراز حسین تمہاری پاس پہنچ گئے ہوں۔ حال سفر کا، جو کچھ ہے، اونکی زبانی سن لو گے۔ میں کیا لکھوں۔ میں نے بھی جو کچھ سنا ہے اونہیں سے سنا ہے۔ اونکا اسطرح ناکام بھرنا میری تمنا اور میری مقصود کے خلاف ہے۔ لیکن میری عقیدہ (باقی)

جستجو کو نکلے تھے۔ میر سرفراز حسین نوکری پیشہ، اور میرن مرثیہ خوان اور یہان کے مرثیہ خوانوں میں ممتاز۔ خانسامان صاحب کو جو میں نے یہ لکھا، کہ یہ ایسے ہیں اور ایسے ہیں۔ غرض اس سے یہ تھی، کہ محرم میں جہان دس پانچ مرثیہ خوان اور مقرر ہوتے ہیں، میرن بھی مقرر ہو جائیں۔ آخر جا بجا تھانہ دار، کوتوال، تحصیلدار نوکر ہیں۔ میر سرفراز حسین ہوشیار اور کار گزار آدمی ہیں۔ کسی علاقہ پر یہ بھی مقرر ہو جائیں۔ یہ دونو امر یا ان دونوں میں سے ایک ہو جاتا بہتر تھا۔ نہوا بہتر۔ درحقیقت سپارش تھی۔ صرف معرف ہونا تھا۔ سپارش کرتا تو کیا میں آپ کو نہ لکھ سکتا تھا۔ میری طرف سے خاطرِ خاطر جمع رہے۔

ز سینه تا بلم سالها نیابد راه ہر آن نفس کہ رضای تو اندر آن نبود
داد کا طالب غالب۔ دوشنبہ ۲۲ جولائی سنہ ۱۸۶۱ء۔

(۲۵)

ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم کے عرض کرتا ہوں۔ اور طلوع ستارہ اقبال کی مبارکباد دیتا ہوں۔ یقین ہے کہ اس سفرِ فیض اثر میں »ریل گاڑی« کی سواری کی بھی سیر دیکھ لی ہوگی۔ یہ اوس میمنت و شکوہ و شوکت سے علاوہ ایک تماشا

(بقیہ) اور میری تصور کے مطابق ہو۔ میں جانتا ہوں کہ وہاں کچھ نہوگا۔ سو رویہ کی ناحق زیرباری ہوئی۔ چونکہ یہ زیرباری میری بھروسہ پر ہوئی، تو مجھے شرمساری ہوئی۔ لیکن میں نے اس چھپاٹے برس میں اس طرح کی شرمساریاں اور روسیایاں بہت اونٹھائی ہیں۔ جہان ہزار داع ہیں ایک ہزار ایک مہی۔ میر سرفراز حسین کی زیر باری میں دل کڑھتا ہے، (اردو میں، ص ۱۸۵)۔ بعد ازان ۱۸ اگست سنہ ۱۸۶۱ء کو پھر لکھتے ہیں: »بھائی تم سچ کہتے ہو۔ بر سر فرزند آدم ہرچہ آید بگزد۔ لیکن مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ یہ زیرباری میری تحریر کی بھروسہ پر ہوئی اور خلاف میری مرضی کی ہوئی۔ جس طرح سی یہ آئے ہیں، اگرچہ میری طبیعت اور میری خواہش کے منافی ہے لیکن واقعہ میری عقیدہ اور تصور اور قیاس کے مطابق ہے۔ یعنی میں یہی سمجھا تھا کہ البتہ بڑھتی ہوگا (ایضاً، ص ۱۵۴)۔

نیا دیکھا۔ حق تعالیٰ حضرت کو سلامت باکرامت رکھے^(۱)

دعا گو ایک مہینا بھر سے بیمار ہے۔ ابتدا وہی قولنج دورے۔ بسبب استعمال ادویہ حارہ، کہ اس مرض میں اوس سے گزیر نہیں، تپ نے آگھیرا۔ کئی باریاں بھگتیں۔ اب دوباریاں ٹلگئی ہیں۔ لیکن طاقت بالکل^(۲) سلب ہو گئی ہے۔ اور ضعف دماغ نے قریب بہ ہلاکت پہنچا دیا ہے۔ بالفعل^(۳) آب سلب کا استعمال ہے۔

(۱) نواب صاحب کی مذکورہ سفر کی تفصیل یہ ہے، کہ جناب ملکہ معظمہ وکٹوریہ آنجہانی کا ایک فرمان ۲۰ جولائی سنہ ۱۸۶۱ ع کو صادر ہوا: جسکا خلاصہ یہ تھا۔ کہ [مابدولت نے اپنی مرضی خاص اور علم کامل اور عزم مبارک سے ایک رتبہ جدید بہادری جو آج سے دوام کیلئے خطاب 'موسٹ اگرائڈ آرڈر آف دی اسٹار آف انڈیا' سے موسوم ہو کر مشہور ہوگا، تجویز اور ایجاد کیا ہے۔ اور مابدولت کا ارشاد ہوتا ہے، کہ رتبہ مذکور میں ایک شخص 'ساورن' (سردار اعلیٰ) ایک 'گرائڈ ماسٹر' (سردار) اور پچیس 'نائٹ' (بہادر) شریک رہیں۔ اور والیان ہند اور سرداران ہندوستانی اور ہماری رعایا میں سے وہ اشخاص جو اس قسم کی ایاقیت رکھتے ہوں، اس رتبہ عالی سے محروم نہ کئے جائیں۔ مابدولت کی تجویز اقدس سے مابدولت کے عزیز مشیر اکبر چارلس جانٹ اول کینگ گورنر جنرل ہندوستان اس رتبہ کی اول سردار مقرر ہوئے۔ اور یہ مقتضای دانشمندی اور مصلحت ہے، کہ رتبہ مذکور کا سردار ایسی اشخاص کو، جو وقتاً فوقتاً مابدولت کی تجویز اقدس سے نامزد ہو کر اس رتبہ کی بہادر مقرر کئے جائیں، عہدہ موسومہ 'نائٹ بیچار' عطا کرینکا مجاز ہو....]۔ اسکام کیواسطی لارڈ کینگ صاحب نے ایک دربار الہ آباد میں مقرر کرینکی تجویز کی۔ اور نواب سید یوسف علیخان بہادر کو بھی بلایا۔ نوابصاحب مع خدم و حشم الہ آباد گئے: یکم نومبر سنہ ۱۸۶۱ ع کو ایک شاہانہ دربار منعقد ہوا.... جب تمام اہالی جلسہ اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے، تو نوابصاحب بہادر تخت شاہی کی محاذی تشریف لیگئے۔ اور گورنر جنرل نے اپنی ہاتھ سے اس رتبہ کی تمغہ عطا فرمائی۔ اور کھڑی ہو کر بیان کیا: '..... چونکہ یہ رتبہ سب سے پہلی آپ صاحبوں کو عطا ہوا ہے، امید ہے کہ آپ ہند کی باشندوں میں ایسا طریقہ اختیار کرینگی کہ آپ کا طرز عمل دیکھنے سے ہند کی سرداروں یا باجگزاروں کو ملکہ معظمہ کیساتھ محبت دلی اور اتحاد قلبی پیدا ہو'۔ بعد اس تقریر کے دربار برخاست ہوا۔ اور نوابصاحب گورنر جنرل سے رخصت ہو کر اپنی دارالریاست کو واپس تشریف لائے (اخبار الصادید، ج ۲، ص ۱۱۳-۱۱۶)۔ نوابصاحب کے فرمان بنام غالب مورخہ ۸ اکتوبر سنہ ۶۱ ع مطابق ۲ ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۶ھ میں معلوم ہوتا ہے، کہ حضور ۱۳ اکتوبر سنہ ۶۱ ع کو الہ آباد روانہ ہوئے۔ تقریباً ایک ماہ رامپور سے باہر رہنے کا خیال تھا۔ لیکن جیسا کہ میرزا صاحب کی خط سے معلوم ہوتا ہے نومبر کے پہلے ہفتہ میں واپس تشریف لی آئے۔

(۲) ان دونوں لفظوں میں میرزا صاحب نے ایک الف زائد لکھ دیا ہے۔ صحیح بالفعل، اور بالکل، ہے۔

طریقہ دعا گوئی و ثنا خوانی کی رعایت سے نویت بسیل مثنوی ، کہ جس میں حصولِ عطیہ سلطانی کی ہجری و عیسوی تاریخ ہے ، بہر حال لکھ لی ہیں . کل ورودِ عنایت نامہ سے معزز ہو کر آج وہ اشعار نذر کرتا ہوں^(۱) . زیادہ حدِ ادب . تم سلامت رہو قیامت تک . شفقت کا طالب غالب . دو شنبہ ۱۱ نومبر سنہ ۱۸۶۱ .

(۲۶)

حضرت ولیِ نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . کل ایک شعر ظہوری مغفور کا اور ایک شعر غالب مرحوم کا ایک ورق پر لکھ کر صبح کو ڈاک میں بھجوا دیا . شام کو توقعِ وقیع ہرکارہ ڈاک نے لادیا . اگست سنہ ۱۸۶۲ کی پرورش کی ہندوی پہنچی ، اور سو روپیہ وصول ہو گئے .

فقیر کا شیوہ صدق و سداد کا ہے . چند روز سے تفقد و التفاتِ قدیم میں ، خدا نخواستہ باشد ، کچھ کمی پاتا ہوں . اگر غلط ہے میرا گہان ، تو بشرفِ اطلاع مشرف فرمائیے . اور اگر میرا دلِ دیوانہ سچ سمجھا ہے ، تو متوقع ہوں کہ عتاب کے سبب سے آگہی پاؤں . زیادہ حدِ ادب . تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کیے ہوں دن پچاس ہزار

معروضہ صبحِ دو شنبہ ۱۵ ستمبر سنہ ۱۸۶۲ ع . [مہرِ غالب سنہ ۱۲۷۸ ھ] . یہ عرضداشت جدا ہے ، البتہ اس کے جواب کا امیدوار ہوں ، اور رسیدِ معمولی جدا ہے^(۲) .

(۲۷)

حضرت ولیِ نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . نوازشنامہ مع سو روپیہ کی ہندوی کے پہنچا .

(۱) اس مثنوی کے متعلق لفافہ کی پشت پر نوٹ ہے : تاریخِ نزد منشی سیلچند ماند . سرکار فی اسکی تعریف میں ۱۷ نومبر کو تحریر فرمایا : سبحان اللہ ! ہر تاریخ بے بدل اور بطورِ نادر اور تحفہ بے مثل ہو .

(۲) یہ عبارت عریضہ کی آخر میں مہر کے بعد تحریر ہوئی .

اگست سنہ ۱۸۶۲ کے مہینے کی پرورش کا روپیہ وصول ہوا۔
تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
[مہرِ غالب سنہ ۱۲۷۸ ھ]۔ دو شنبہ ۱۵ ستمبر سنہ ۱۸۶۲۔

(۲۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔
بعد تسلیم معروض ہے۔ نواز شنامہ مع ہندوی سو روپیہ کے شرفِ
ورود لایا۔ سو روپیہ مصارفِ ستمبر سنہ ۱۸۶۲ کا معرضِ وصول میں آیا۔
تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
معروضہ دم^(۱) اکتوبر سنہ ۱۸۶۲۔ خوشنودی مزاج کا طالبِ غالب۔

(۲۹)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔
بعد تسلیم معروض ہے۔ نواز شنامہ ربویت طراز، مورخہ ۱۱ مارچ
سنہ ۱۸۶۳، ۱۴ ماہِ مذکور کو میں نے پایا۔ دوسو روپیہ کی ہندوی کا شکر بجا
لایا۔ کہانتک شکر بجا لاؤنگا۔ کس کس عنایت کا سپاس ادا کرونگا۔ »شکرِ
نعمتہای تو چندانکہ نعمتہای تو«۔
اب سنیئے اپنے دعاگو کی داستان۔ منگل ۳ مارچ کو جناب لفٹنٹ
گورنر بہادر نے^(۲) خلعت عطا کیا۔ اور فرمایا کہ ہم تمہیں مؤدہ دیتے ہیں،

(۱) لفافہ پر یوم جمعہ ۱۰ اکتوبر سنہ ۱۸۶۲ لکھا ہے۔

(۲) سر رابرٹ منٹگمری صاحب مراد ہیں۔ یہ فروری سنہ ۱۸۵۹ ع سے جنوری سنہ ۱۸۶۵ ع تک پنجاب کی لفٹنٹ گورنر رہی تھی۔ قدر بلگرامی کے نام کے مکتوب سے معلوم ہوتا ہے، کہ مرزا صاحب انکو دربار میں شریک نہیں ہوی تھی۔ دربار کے بعد منٹگمری صاحب نے بلاکر اپنی طرف سے خلعت عطا کیا، اور وہیں دربار انبالہ کے متعلق گفتگو ہوئی۔ فرماتے ہیں: رابرٹ منٹگمری صاحب لفٹنٹ بہادر قلمرو پنجاب بہان (دلی) آئے۔ دربار کیا۔ میں لگیا۔ دربار کے بعد ایک دن بارہ بھی چپراسی آکر مجھکو بلا لیا گیا۔ بہت عنایت فرمائی۔ اور اپنی طرف سے خلعت عطا کیا، (اردو معلیٰ، ص ۴۰۶، لاہور ایڈیشن سنہ ۱۹۲۶ ع)۔ منشی شیونرائن کے نام کے خط میں واقعہ کی مزید تفصیلات تحریر کی ہیں۔ فرماتے ہیں: بڑی لاڈ صاحب کی ورود کے زمانے میں نواب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب بھی دلی میں آئے۔ دربار کیا۔ خیر کرو۔ مجھ کو کیا۔ ناگاہ دربار کی تیسری دن بارہ بھی چپراسی آیا، اور کہا کہ (باقی)

کہ نواب گورنر جنرل بہادر نے^(۱) اپنے دفتر میں تمہارے دربار اور خلعت کے بدستور بحال رہنے کا حکم لکھوا دیا۔ میں نے عرض کیا کہ میں انبالے جاؤں؟ فرمایا البتہ انبالے جانا ہوگا۔

بعد جناب نواب صاحب کے جانے کے شہر میں شہرت ہوئی، کہ دلی کے لوگ انبالے جانے سے ممنوع ہیں۔ گھبرایا اور صاحب کشن کے پاس گیا۔ آپ خط اپنا دے آیا۔ زبانی پرسش کا جواب زبانی پایا۔ پھر خط کے جواب میں خط محررہ ۷ مارچ آیا۔ چنانچہ لفافہ بلحاظِ گرانی وزن رہنے دیتا ہوں۔ اور خط بحسنہ حضرت کو بھیجتا ہوں۔

کل سے ایک اور خبر اوڑی ہے، کہ نصیبِ اعدا لاژد صاحب کی طبیعت ناساز ہو گئی ہے۔ انبالے میں دربار نکرینگے۔ اور شملہ کو چلے جائینگے۔ اب میں دو وجہ سے بین السفر و السکون متردد ہوں۔ پہلی وجہ خاص۔ دوسری وجہ عام۔ دو سو مین سے سو لیکر ساز و سامان درست کیا ہے، اور سو مہاجن کے ہاں ڈاک اور خرچِ راہ کی واسطے رہنے دئے ہیں۔ تار برقی میں جناب نواب صاحب سے حکم منگو اؤنگا۔ جو حکم آئیگا آپ سے عرض کر کے اوسکی تعمیل کرونگا۔

(بقیہ) نواب لفٹنٹ گورنر زباد کیا ہے۔ بھائی یہ آخر فروری ہو۔ اور میرا حال یہ ہے کہ علاوہ اوس ذاتیں ہات کو زخم کو سیدیہ ران میں اور بائیں ہات میں ایک ایک پھوڑا جدا ہے۔ حاجی میں پیشاب کرتا ہوں۔ اونٹنا دشوار ہے۔ بہر حال سوار ہو گیا۔ پہلی صاحب سکرتر بہادر سے ملا۔ پھر نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تصور میں کیا بلکہ تمنا میں بھی جو بات نہ تھی وہ حاصل ہوئی۔ یعنی عنایت سی عنایت، اخلاق سی اخلاق۔ وقت رخصت خلعت دیا۔ اور فرمایا کہ یہ تم تجھ کو اپنی طرف سے ازراہ محبت دیتی ہیں۔ اور مژدہ دیتی ہیں، کہ لاژد صاحب کو دربار میں بھی تیرا امیر اور خلعت کھل گیا۔ انبالے جا۔ دربار میں شریک ہو۔ خلعت پہن۔ حال عرض کیا گیا۔ فرمایا: 'خیر اور کبھی کو دربار میں شریک ہونا'۔ اس پھوڑی کا برا ہو انبالے نہاسکا، (اردو معنی، ص ۳۸۳ و ۳۸۴)۔

(۱) لاژد الگن بہادر مراد ہیں۔ یہ لاژد کینگ کو بعد ہندوستان کو وائسرائے ہوئے۔ جنوری سنہ ۱۸۶۲ ع میں چارج لیا اور ۲۰ نومبر سنہ ۱۸۶۳ ع کو فوت ہو گئے۔ میرزا صاحب ایک مکتوب کو آخر میں لکھتے ہیں: '۲۱ جمادی الثانی سال 'غفر' مطابق ۳ دسمبر سال 'کیا غضب ہو ہے' یہ گویا نارنج وفات جناب نواب گورنر جنرل لاژد الگن صاحب بہادر کی ہے، (اردو معنی، ص ۴۰۵)۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
معروضہ ۱۶ مارچ سنہ ۱۸۶۳ء (مہرِ غالب سنہ ۱۲۷۸ھ) (۱)
(میرزا صاحب نے ایک عریضہ ۲۸ جولائی سنہ ۱۸۶۳ء کو لکھا تھا۔
مثل میں اوسکا لفافہ موجود ہے۔ میر منشی صاحب دارالانشا نے اوسپر تحریر
کیا ہے: «عرضی در حضور ماند»۔)

(۳۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ جب انبالے میرا جانا ہوا، تو میں نے قصیدہ

(۱) میرزا صاحب نے ۱۳ رمضان مطابق ۴ فروری (سنہ ۱۲۶۳ع) کو میرزا مفتی کے نام حسب ذیل خط لکھا
ہی: «... ہمیشہ نواب گورنر جنرل کی برکار میں دربار میں مجھ کو ۷ پارچی اور تین رقم جواہر خلعت
ملتا تھا۔ لارڈ کینگ صاحب میرا دربار اور خلعت بند کر گئے ہیں۔ ناامید ہو کر بیٹھ رہا۔ اور مدت
العمر کو مایوس ہو رہا۔ اب جو یہاں لفٹنٹ گورنر پنجاب آئے۔ میں جانتا تھا، کہ یہ بھی مجھے نہ
ملینگے۔ کل انہوں نے مجھ کو بلا بھیجا۔ بہت سی عنایت فرمائی۔ اور فرمایا کہ لارڈ صاحب دلی میں
دربار نکریں گے۔ میرٹ ہوئے ہوں اور میرٹ میں اون اضلاع کے علاقہ داروں اور مالگزاروں کا
دربار کرتے ہوئے انبالے جائینگے۔ دلی کے لوگوں کا دربار وہاں ہوگا۔ تم بھی انبالے جاؤ۔ شریک دربار
ہو کر خلعت معمولی لے آؤ۔ بھائی کیا کہیں کہ کیا میری دل پر گزری۔ گویا مردہ جی اٹھا۔ مگر ساتھ
اس مسرت کے یہ بھی سناتا گزرا، کہ سامان سفر انبالہ و مصارف پر اتنا کہان سی لاؤں۔ اور طرہ
یہ کہ نذر معمولی میری قصیدہ ہے۔ ادھر قصیدہ کی فکر۔ ادھر روپیہ کی تدبیر۔ حواس ٹھکانے
نہیں۔ شعر کام دل و دماغ کا ہے۔ وہ روپیہ کی فکر میں پریشان۔ میرا خدا یہ مشکل بھی آسان
کرے گا۔ لیکن آندون میں نہ دن کو چین ہے۔ نہ رات کو نیند ہے۔ یہ کئی سطرین تمہیں، اور ایسی
ہی کئی سطرین جناب نواب صاحب کو، لکھ کر بھیج دی ہیں۔ جیتا رہا تو انبالے سے آکر خط لکھو لگا،
(اردو میں، ص ۱۱۱)۔

اس خط سے معلوم ہوتا ہے، کہ میرزا صاحب نے محوۃ بالا «سطرین» چار فروری کو یا اس سے
ایک دو دن قبل نواب صاحب کی خدمت میں ارسال کی تھیں۔ سوء اتفاق سے ان سطور والا عریضہ مثل
میں موجود نہیں۔ البتہ نواب صاحب کا جواب شامل ہے۔ القاب و آداب کے بعد ارشاد فرمایا ہے: «...
مشفق! ہندوی مبلغ دو صد روپیہ برای مصارف تشریف فرمائی ساری برای ملازمت جناب مستطاب معظم
الہم معظوف رقیۃ الوداد هذا مرسل خدمت شریف است»۔ یہ فرمان ۱۱ مارچ سنہ ۱۲۶۳ع کو تحریر کیا
گیا تھا۔ میرزا صاحب کے عریضہ میں اسکا حوالہ ہے۔ اصل عریضہ کے جواب میں نواب فردوس
مکان نے ۱۹ مارچ کو تحریر فرمایا: «... جو کہ خط نواب صاحب کشن بہادر سے عدم حصول شرف
ملازمت جناب مستطاب معلی القاب نواب گورنر جنرل بہادر دام اقبالہم کا مقام انبالے مستطاب ہے،
اسواسطی تشریف لیجانا آپ کا انبالے کو بلا استجازات ضرور نہیں معلوم ہوتا۔ آئندہ جو رای زرین
آپ کی اس خصوص میں مقتضی ہو۔ اور خط مسطور بحسنہ واپس بھیجا جاتا ہے...»۔

مدح، جو دربار کی نذر کیواسطے لکھا تھا، بطریق ڈاک جناب چیف سکرتہر بہادر کو اس مراد سے بھیجا، کہ آپ اسکو جناب نواب علی القاب کی نظر سے گزرانیں^(۱)۔ اور یہ دستور قدیم تھا، کہ جب مین قصیدہ مدحیہ بھیجتا، تو صاحب سکرتہر بہادر کا خط بیواسطہ حکام ماتحت مجکو آجاتا۔ اب جو مین نے موافق معمول قصیدہ بھیجا، یقین ہے کہ مارچ یا اپریل کے مہینے مین وہ لفافہ یہاں سے لشکر کو گیا، صدائی برنخاست۔ ناامید ہو کر بیٹھ رہا۔ بلکہ یہ خیال گزرا کہ جب رسم تحریر خطوط نہ رہی، تو دربار اور خلعت کھان۔ ناگاہ کل شام کو صاحب سکرتہر بہادر کا خط ڈاک مین آیا۔ وہی افشانی کاغذ۔ وہی القاب۔ جی چاہتا تھا کہ اصل خط مع سرنامہ بھیجدون، تاکہ حضور ملاحظہ فرمائیں۔ مگر برسات کا اندیشہ مانع آیا۔ نقل سرنامہ اور خط کی بھیجتا ہوں۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
حضور کی خوشنودی کا طالب غالب۔ صبح سہ شنبہ ۴ ماہ اگست سنہ
۱۸۶۳ء^(۲)۔

- (۱) قصیدہ مذکور کئی مثنوی ابرگہر بار (ص ۳۵، مطبوعہ اکل المطابع، دہلی، سنہ ۱۳۸۰ھ) ملاحظہ ہو۔
(۲) صاحب سکرتہر بہادر کی محولہ بالا خط کی نقل حسب ذیل ہو:

نقل خط جناب صاحب سکرتہر بہادر

سر نامہ۔

در شہر دہلی۔

خانصاحب بسیار مہربان دوستان، مرزا اسد اللہ خان غالب سلمہ اللہ تعالیٰ۔
خط بر کاغذ افشان۔

خانصاحب بسیار مہربان دوستان سلامت۔

قصیدہ با آب و تاب در مدحت نواب مستطاب علی القاب و سرای و گورنر جنرل بہادر دام اقبالہ وصول گردیدہ، بر رخ ارادت آن مہربان آو، و بر جبین عقیدت ایشان تابی افزود۔ و از گرانمایہ گوہرهای بحر فکر یکتا بخور معنی پرور، کہ گنج بر گنج نہادہ بود، از نظر قبلی ہندگان نوابصاحب مدوح گزشتہ، طرب پیرای خاطر ہمایون ایشان گشت۔ زیادہ چہ نگاشتہ آید۔ (دستخط انگریزی)
مرفوم ۳۰ جولائی سنہ ۱۸۶۳ع۔

یہاں یہ امر قابل اظہار ہے کہ میرزا صاحب کو اس روحانی سرور کو حصول مین اونکو ابک جسمانی عارضہ نے خلل اندازی کی۔ چنانچہ جمعہ ۲۷ مارچ سنہ ۱۸۶۳ع کو میر سرفراز حسین کو (باقی)

(۳۱)

حضرت ولیٰ نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم کے معروض ہے . نوازشنامہ اور اوسکے ساتھ دو بھنگیان دو سو آمون کی پہنچین . «شکرِ نعمتہایِ تو چندانکہ نعمتہایِ تو» . زیادہ حدِ ادب .

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون نجات کا طالب غالب . سہ شنبہ پنجم جولائی سنہ ۶۴ .

(۳۲)

حضرت ولیٰ نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . منشورِ عطوفت مع قطعہ ہندوی شرف ورود لایا . سو روپیہ بابت تنخواہ جولائی سنہ ۱۸۶۴ کے معرض وصول میں آیا .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار ترحم کا طالب غالب . ۱۱ اگست سنہ ۱۸۶۴ .

(۳۳)

حضرت ولیٰ نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . نوازشنامہ مع ہندوی عز ورود لایا . سو روپیہ بابت تنخواہ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۴ معرض وصول میں آیا . زیادہ

(بقیہ) لکھتے ہیں : «رجب کے مہینے میں سیدی ہاتھ پر ایک بھنی ہوئی ، بھنی بھڑا ہوگئی . بھڑا بھونکر زخم بنا . زخم بگڑ کر غار ہوگیا . اب بقدر یک کھ دست وہ گوشت مردار ہوگیا . انبال کی بجائی کی بھی یہی وجہ ہوئی (اردو میں ، صفحہ ۱۵۲) . بعد ازاں ۳ مئی کومنتی شیونر این کولکھا ہو : ... اس بھڑی کا برا ہو انبال نجاسکا ، (ایضاً ، صفحہ ۳۸۴) . میرزا فتح کو ایک غیر مورخہ خط میں اطلاع دی ہو : «لو صاحب ! ہم نے لفٹنٹ گورنر کی ملازمت اور خلعت پر قناعت کر کے انبال کا جانا موقوف کیا . اور بڑی گورنر کا دوبار اور خلعت اور وقت پر موقوف رکھا . بیمار ہوں . ہات پر ایک زخم ، زخم کیا ایک غار ، ہوگیا ہو . دیکھتی انجام کار کیا ہوتا ہو ، (ایضاً ، صفحہ ۳۶۸ ، لاہور ایڈیشن سنہ ۱۹۲۶ ع) .

حدِ ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
نجات کا طالب غالب . جمعہ نہم ستمبر سنہ ۱۸۶۴ .

(۳۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . صدورِ والا نامہ سے میں نے عزت پائی .
بذریعہ ہندوی سو روپیہ بابت تنخواہ ستمبر سنہ ۱۸۶۴ وصول ہوئے . زیادہ
حدِ ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
ترحم کا مستحق اور تفقّد کا طالب غالب . دو شنبہ دہم اکتوبر سنہ
۱۸۶۴ عیسوی .

(۳۵)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم و نیاز معروض ہے . جب سے حضرت کی ناسازی مزاج
مبارک کا حال خارج سے مسموع ہوا ہے ، عالم الغیب گواہ ہے کہ مجھ پر اور
میری بی بی پر اور میرے فرزند حسین علی خان^(۱) پر کیا گزر رہی ہے . ایک دن
رات میرے گھر میں روٹی نہیں پکی . ہم سب نے فاقہ کیا . بارے وہ خبر
وحشت اثر غلط نکلی . حواس ٹھکانے ہوئے . بالکل^(۲) اطمینان جب ہوگا
کہ آپ کے غسلِ صحت کی نوید سنونگا ، اور قطعہ تاریخِ غسلِ صحت لکھکر

(۱) حسین علی خان ، مرزا صاحب کو متنبی زین العابدین خان عارف کو لڑک تھی . باپ کو انتقال کے بعد مرزا
صاحب نے انہیں پوتوں کی طرح بالا تھا . نواب خلد آشیان کو عہدہ میں ریاست سے وظیفہ پائی
لگی تھی . یہ نہایت خوشگو شاعر تھی . اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتی تھی . فارسی
میں خیالی اور اردو میں شادان تخلص تھا . اپنی والد کی طرح انہوں نے بھی نوجوانی کے عالم میں
سنہ ۱۲۹۶ھ (۱۸۸۰ع) میں انتقال کیا . شادان فرخ نہاد ، مادہ تاریخ ہی (انتخاب یادگار ، صفحہ ۲۷
و ۱۷۶ ، و تاریخ لطیف قلبی ، ص ۱۵۲ ، مصنفہ مولوی مہدیعلیخان مرحوم سابق تحویلدار کتب خانہ) .
(۲) میرزا صاحب نے اس لفظ کا املا دو القون کو ساتھ لکھا ہی . صحیح بالکل ، بیك الف ہی .

بھی چونگا۔ فی الحال اتنا چاہتا ہوں کہ اس خط کا جواب پاؤں اور حقیقتِ مرض سے آگہی حاصل ہو^(۱)۔ زیادہ حدِ ادب۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار تمہاری سلامتی کا طالب غالب۔ ۸ نومبر سنہ ۱۸۶۴ء۔

(۳۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ ابتدائی یکم نومبر سے ۱۱ تک عرض نہیں کر سکتا کہ لیل و نہار مجھ پر کیسے گزرے ہیں۔ راہ دور، مین رنجور، معہذا بیمقدور۔ اگر دلی سے رامپور تک شکرم کی ڈاک جاتی ہوتی، تو مین یہاں ایک دم نہ ٹھرتا اور خدمت مین حاضر ہوتا۔ تار برقی بھی نہیں جو صحت و عافیت کی خبر جلد حاصل ہو۔ ناچار از راہِ اضطراب ۸ ماہِ حال یعنی نومبر کو عریضہ روانا کیا۔ خدا کی عنایت اور مرشدِ کامل یعنی حضرت کی ہدایت نے اوس خط کے جواب آنے کی مدت سے پہلے مجھے گردابِ اضطراب سے نکالا۔ کل ۱۲ نومبر کو نوازشنامہ آگیا۔ گویا میری جان بچ گئی۔ بلکہ ایک اور نئی جان میرے بدن مین آگئی۔ اب استدعا یہ ہے کہ حالِ ناسازیِ مزاجِ اقدس مفصل معلوم ہو۔ زیادہ حدِ ادب^(۲)۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار عافیت کا طالب غالب۔ یکشنبہ ۱۳ نومبر سنہ ۱۸۶۴ء۔

(۱) نواب فردوس مکان اس سال عارضۂ سرطان مین مبتلا ہو کر مسلسل ۶ ماہ تک علیل رہی۔ میرزا صاحب سی اونکی تعلقات شاگردانہ اور کریمانہ تھی۔ اسلئے جب علالت کی اطلاع ملی تو یہ بہت متردد ہوئی، اور بذریعہ عریضہ ہذا حقیقتِ مرض سی آگاہ کرنیکی درخواست کی۔ لیکن مثل مین اس کا جواب موجود نہیں۔ اس سی خیال ہوتا ہے کہ غالباً شدتِ مرض کی سبب جواب مین تاخیر ہوئی۔ اور جب اس عرصہ مین میرزا صاحب کا آئندہ خط بھی موصول ہو گیا تو دونوں کے جواب مین مرض کی حقیقت سی اونہیں اطلاع دی گئی۔

(۲) اس عریضہ کے جواب مین ۱۹ نومبر کو نواب صاحب نے تحریر فرمایا: «شفقا! اب فضل الہی سی پہرۂ لاحقہ مین بہت تخفیف اور قریب الاندمال کلی ہو۔» عریضہ نمبر ۳۸ سی معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرمان مرزا صاحب کو ۲۶ نومبر کو موصول ہوا۔

(۳۷)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . عنایت نامہ مع ہندوی شرف ورود لایا .
سو روپیہ بابت اکتوبر سنہ ۱۸۶۴ معرض وصول میں آیا . زیادہ حد ادب .
تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
عافیت کا طالب غالب . ۱۳ نومبر سنہ ۱۸۶۴ .

(۳۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . کس زبان سے کہوں ، اور کس قلم سے لکھوں ،
کہ یہ ہفتہ عشرہ کس تردد و تشویش سے بسر ہوا ہے . ہر روز شام تک
جانب در نگران رہتا ، کہ ڈاک کا ہرکارہ آئے ، اور حضرت کا نوازشنامہ
لائے . بارے خدا کی مہربانی ہوئی . از سر نو میری زندگانی ہوئی ، کہ کل
چار گھنٹی رات گئے ڈاک کے ہرکارے نے وہ عطوفت نامہ عالی دیا ، جس
کو پڑھ کر روح تازہ رگ و پیے میں دوڑ گئی . نیند کس کی . سونا کس
کا . روشنی کے سامنے بیٹھا اور اشعار تہنیت لکھنے لگا . سات شعر مع
مادہ حصول صحت جب لکھ لئے تب سویا . اب اس وقت وہ مسودہ صاف
کر کے ارسال کرتا ہوں^(۱) .

(۱) اشعار مذکور کی متعلق عریضہ کی لفافہ پر نوٹ ہے : "حسب الحکم تاریخ نزد مولوی امیر احمد صاحب
فرستادہ شد . یکم دسمبر سنہ ۱۸۶۴ ع . امیر صاحب نے تذکرہ انتخاب یادگار (ص ۲۵۰) میں ،
قطعة تاریخ غسل صحت کی نام سے یہ ۶ شعر درج کئے ہیں :

دائم شنیدہ کہ در اقصای مغربست	سر چشمہ کہ خضر شد از وی بقا بریز
جوی بریدہ اند و روان کردہ اند آب	حمام را بحوض ازان فرخ آب گیر
ہنگام شب کہ زیر زمین باشد آفتاب	از تاب مہر گرم شد آن آب نا گیر
حمام حوض بگر و گل جامش آسمان	و آن را سفید کردہ فروغ مہ منیر
آمد برای غسل بگرما بہ اندرون	مانند معنی کہ نہد روی در ضمیر
اینک (فراغ) و (اخترنیک) و (خجستہ روز)	پیداست زین سہ لفظ سہ تاریخ دلپذیر

(باقی)

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
خیر و عافیت کا طالب غالب . ۲۷ نومبر سنہ ۱۸۶۴

(۳۹)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . نوازشنامہ عز و رود لایا . از روی ہندوی
سو روپیہ بابت تنخواہ ماہ نومبر سنہ ۱۸۶۴ معرض وصول میں آیا . زیادہ
حد ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
تمہاری سلامتی کا طالب غالب . ۱۳ رجب و دسمبر سنہ ۱۸۶۴ .

(۴۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . حضرت کے قدموں کی قسم چوب چینی کے
ارسال کا حکم ڈاک سے میں نے نہیں پایا . ۲۲ دسمبر کو ہرکارہ آیا . نوازشنامہ
شرف افزا لایا . دلی اب شہر نہیں ، چھاؤنی ہے ، کنپ ہے . نہ قلعہ ، نہ شہر
کے امرا ، نہ اطراف شہر کے روسا . بہر حال تین چار دن میں ہر یک جگہ
سے منگوا کر رنگین و سنگین و بے گرہ یا کم گرہ خود چنکر پانچ سیر قطعات

(بقیہ) اس میں چوتھی شعر کو بعد ایک شعر ساقط معلوم ہوتا ہے . نواب صاحب نے اس قطعہ کی
تعریف میں حسب ذیل گرامی نامہ ۲۴ شعبان سنہ ۱۲۸۱ھ مطابق ۲۵ جنوری سنہ ۱۸۶۵ع کو تحریر فرمایا :
ہماری صحت کی تہنیت میں قطعہ مبارک باد کا ، جو آپ نے بھیجا ہے ، وہ پونہجا . اوسکی آتی سی سرور
صحت دوبالا ہو گیا . ایسی نظم ایسی تاریخین دوسریں کب ہوسکتی ہیں . حقا کہ اللہ تعالیٰ نے آپکو
بر مثل اور عدیم النظیر پیدا کیا ہے . جس کمال کو دیکھو اوس میں آپکی ذات فرد کامل ہے . فی
الحقیقت ہم نے اس مرض میں بڑی تکلیف اٹھائی . بہت ایذا پائی . اللہ نے بڑا فضل فرمایا . دوستوں کی
دعا کو قبول کیا . شفا حاصل ہو گئی ہے . اندک زخم اندمال ہوئیکو باقی ہے . غالب ہے کہ دس
بارہ دن میں مرہم لگانا موقوف ہو جائے . آپ کا ہدیہ مرسلہ اکثر نقل محفل رہتا ہے . جو
سنتا ہے جو دیکھتا ہے وارفہ ہوجاتا ہے . سچ ہے ایسی لوگ کہاں پیدا ہوتے ہیں . ہزاروں
برس فلک چرخ لگاتا ہے تب کہیں ایک شخص اس کمال کا پیدا ہوتا ہے . اہم بصحت و عافیت
طول عمر عطا کری . اور تا دیرگاہ اہل جہان آپ کی ذات سے مستفید ہوا کریں . باقی خیریت .

چوب چینی ایک ٹھلیا مین رکھ کر آئے سے منہ بند کیا۔ پھر کپڑا لیٹا۔ ڈورے سے خوب مضبوط باندھ کر دو جگہ اپنی مہر کی اور وہ ٹھلیا کھار کو سونپی۔ تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون روزِ دو شنبہ ۲۶ دسمبر سنہ ۱۸۶۴۔ وقتِ صبح حوالہ کھارِ سرکار۔ (مہرِ غالب)۔

(۴۱)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت ۔

بعدِ تسلیم معروض ہے ۔ نوازشنامہ کے ورود سے عزت اور ادراکِ صحت و عافیت مزاج اقدس سے مسرت حاصل ہوئی۔ پرچہ ہندوی اوس تویع مین ملفوف پایا۔ سو روپیہ بابت تنخواہ دسمبر سنہ ۱۸۶۴ معرضِ وصول مین آیا۔ زیادہ حدِ ادب ۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون حضور کی سلامتی کا طالب غالب ۔ ۱۴ جنوری سنہ ۱۸۶۵ عیسوی ۔

(۴۲)

بحضرتِ فلک رفعت ۔ نوابِ علی القاب۔ انجم گروہ، آفتاب شکوہ، بہ بخشش و بخشایش بینوایان را تونگر کن، و ناتوان را توانا ساز، در عز و جاہ با تاجدارانِ همسر، و در ملک و سپاہ با شہریارانِ انباز، کہ بفرزانیِ حلقہ در گوش افگندہ دانش گستران، و بمردانگی غاشیہ بردوش نهندہ دلاوران۔ ہرچہ از نیایش و ستایش بتقدیم ہمیرسد، حرزِ بازویِ ہمت است، تا بدان نیرو در سخن دلیری تواند کرد۔ ہمانا از رازِ سپہر و ستارہ سخن ہمیرود۔ و خجستگی و فرخندگی چند گفتمی شود۔

این نافِ ہفتہ کہ راستان در باستان این را «بہرام روز» می گفتند، و اکنون سہ شنبہ نام دارد، روزیست فیروز و وژہ، درین سالِ فرخ فال، کہ دو یمین روز است از فروردین، و روزِ بست و یکم از مارچ، و روز بست

و دوم از شوال. بارے نخست بر آن سروِ شاه نشان، که امروز بشتنِ اندام
آبروی گرمابه افزود، مبارک. و سپس بر غالبِ سخندان، که عافیت جوی
و دعاگویِ این درگاه ست، همایون.

همانا درین روزگار خسروِ ستارگان، که مهرِ منیرش دانی، در بره.
و از سویِ فرازِ نخستینِ سیارگان، که زحاشِ خوانی، در ترازو. سعدِ اکبر
به قوس. و سعدِ اصغر به ثور. آن دو نیز به بیت الشرف خوشنود و شاد.
و این دو اختر بکاشانه‌هایِ خویشتنِ آباد. گمان ندارم که از خسروانِ پارس
و سلاطینِ عرب هیچکس را چنین طالعی بهرِ جلوسِ اتفاق افتاده باشد، که
حضرت ولیِ نعمت را برایِ غسلِ صحت دست بهم داده است. خرد تا گفتارِ
مرا شنود، چشمک زد، و به پیغامه سرود که: «ای در درخشانیِ انجم
و آفتاب چون کودکان در بال افشانیِ کرمکهایِ شب تاب نگران، از حلقهٔ اختر
شماران بدر آی. و بدبستان حکمایِ روحانی رمزی از حکمتِ ایمائی بشنو.
تا بدانی که بدین امیرِ مسند سریرِ سلطانِ نظیرِ عمرِ جاودانی و دوامِ لذتهایِ
روحانی بخشیده اند.» گفتم: «تا برهان نباشد کالبدِ سخن را جان نباشد.
مرا ییخبر مپندار. و اگر حجتی داری ییار.» گفتم: «برهانے ازین ارجمند
تر، و حجتی ازین خرد پسند تر، چه خواهد بود. که چون آفریدگان را در
آن جهان عمر دو باره دهند، دیگر بیمِ مرگ برخیزد. و به بانگِ صور از
خوابِ فنا جستگان در آن گیتی جاوید پایند. مگر صحتِ خداوند ازین رنجوریِ
هولناک بدان نماند، که پنداری عمر دوباره یافت؟ پس اقتضایِ دوباره زیستن
تغیر چرا پزیرد. و چون هستی یافتگانِ آن جهان در آن جهان جاودان زنده
مانند، آنکه درین گیتی حیاتِ ثانی پزیرفته باشد، هم درین گیتی همیشه زندگانی
چون نکنند. این عمرِ عزیز که بخدایگان داده اند، عمرِ خضر و الیاس
نباشد، که یکے را بشمردنِ ریگِ صحرا، و دگرے را به پیمودنِ آبِ دریا

گزرده انشاء اللہ العظیم جنابعالی، تاجہانست، پروین بزم، تہمتن رزم، دشمن گداز، دوست نواز، بلب در سخن اخترفشان، و بکف در کرم گوہرفشان خواہند زیست».

قطعۃ تاریخ غسلِ صحت، و قصیدۃ تہنیت کہ پیش ازین فرستادہ ام^(۱)، نظمے است شاعرانہ. و این نگارش تہریست عارفانہ. قانونِ حکمت و شریعت

(۱) قطعۃ تاریخ غسل عریضہ نمبر (۳۸) کی حاشیہ میں درج کیا جاچکا ہے۔ قصیدۃ تہنیت مثل میں شامل نہیں۔ لیکن اردو دیوان غالب مع شرح نظامی (مطبوعۃ نظامی پریس بدایون سنہ ۱۹۲۲ع) کی صفحات ۲۴۴-۲۴۷ پر ایک قصیدہ پایا جاتا ہے، جو نواب سعید الدین احمد خان طالب مرحوم جاگیردار ریاست لوہاروی رسالۃ کال دہلی کو حاصل ہوا، اور اوسکی اشاعت جنوری سنہ ۱۹۱۰ع سی مولانا نظامی نے نقل کیا۔ مولانا کی خیال میں یہ قصیدہ نواب سید کلب علیخان بہادر خلد آشیان کی غسل صحت کی تہنیت میں لکھا گیا تھا۔ لیکن میری نزدیک یہ مرزا غالب کا محوۃ بالا قصیدہ ہے۔ اسلو کہ اسمین جشن کی موقع پر عید، نوروز، اور ہولی کا جمع ہونا تحریر کیا گیا ہے۔ اور منشی امیر احمد امیر مینائی کی قطعۃ تاریخ (انتخاب یادگار، ص ۵۰) سی معلوم ہوتا ہے، کہ تیوہارون کا یہ اجتماع نواب فردوس مکان کی غسل صحت کی وقت ہوا تھا۔ ان کی قطعہ کا آخری مصرع ہے: «مہینا عید کا نوروز کا دن غسل صحت ہے»۔ مرزا صاحب کا قصیدہ حسب ذیل ہے:

مرحبا سال فرخی آئین !	عید شوال، و ماہ فروردین
شب و روز، افتخار لیل و نہار	مہ وسال، اشرف شہور و سنین
گرچہ ہی بعد عید کی نوروز	لیک بیش از سہ ہفتہ بعد نہیں
سو اس اکیس دن میں ہولی کی	جا بجا مجلسین ہوئیں رنگین
شہر میں کو بکو عیر و گلال	باغ میں سو بسو گل و نہرین
شہر گویا نمونۂ گلزار	باغ گویا نگارخانۂ چین
تین تیوہار، اور ایسی خوب	جمع ہرگز ہوی نہونگی کہین
بہر ہونی ہی اسی مہینے میں	منعقد محفل نشاط قرین
محفل غسل صحت نواب	رونق افزای مسند تمکین
بزمگہ میں، امیر شاہ نشان	رزمگہ میں، حریف شیر کین
پیشگاہ حضور، شوکت و جاہ	خیر خواہ جناب، دولت و دین
جن کی مسند کا آسمان گوشہ	جن کی خاتم کا آفتاب نگین
جن کی دیوار قصر کی نیچی	آسمان ہی گدای سایہ نشین
دھر میں اس طرح کی بزم سرور	نہ ہونی ہو کبھی بروی زمین
انجم چرخ، گوہر آگین فرش	نور بی ماہ، ساغر سیمین
راجہ اندر کا جو اکھاڑا ہے	ہی وہ بالای سطح چرخ برین
وہ نظرگاہ اہل وہم و خیال	یہ ضیابخش چشم اہل یقین
وان کہان یہ عطا و بذل و کرم	کہ جہان گدیہ گر کا نام نہیں

(باقی)

را جامع . ہم از رویِ نقلِ حق ، و ہم از رویِ عقلِ راست . بقایِ خداوند
بعمیرِ تازہ جاودانی ، و نشاطِ بی اندازہ پیشکارِ این حیاتِ ثانی باد ! چارِ شنبہ
۲۳ شوال سنہ ۱۲۸۱ ، و ۲۲ مارچ سنہ ۱۸۶۵ (مہرِ غالب) (۱) .

یہ زوالہ آسا بچھی مین در ٹمین جلوہ لولیان ماہ جیین بان وہ دیکھا بہ چشمِ صورتِ مین بہ کمالِ تجمل و تزئین اور بالِ پری مین دامنِ زمین ہنگیا دشتِ دامنِ گلِ چین رہ روون کی مشامِ عطرِ آگین فوج کا ہر پیادہ مین فرزین جس طرح مین سپہر پر پروین ران پر داغِ تازہ دیکھ و مین خاص بہرام کا مین زیبِ سرین مدعا عرضِ فرسِ شعرِ نہیں گر کہون بھی تو آئی کسکو یقین ہو گیا ہون نزار و زار و حزین دستِ خالی و خاطرِ غمگین مین قلم کو جو بچدہ ریزِ زمین غالب عاجزِ نیازِ آگین تم رہو زندہ جاودان ، آمین !	(بقیہ) یان زمین ہر نظرِ جہانک جاؤ نغمہِ مطربانِ زہرہ نوا اوس اکھاڑی مین جوکہ مین مظلون سرورِ مہرِ فرِ ہوا جو سوار سب فی جانا کہ مین پری توسن نقشِ سمِ سمندِ سی یکِ سر فوج کی گردِ راہِ مشکِ فشان بس کہ بخشی مین فوج کو عزت موکبِ خاصِ یونِ زمین پر تھا چھوڑ دیتا تھا گور کو بہرام اور داغِ آپ کی غلامی کا بندہ پرورا ئسا طرازی سی آپ کی مدح اور میرا منہ اور پھر اب کہ ضعفِ پیری سی پیری و نیستی ، خدا کی پناہ ! صرفِ اظہارِ مین ارادت کا مدح گستر نہیں ، دعا گو مین مین دعا بھی مین کہ دنیا مین

(۱) اس نثر کی رسید مین ۵ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۱ ھ مطابق ۳ اپریل سنہ ۱۸۶۵ ع کو نواب صاحب فی تحریر فرمایا : " نثر نثرہ نثار آپ کی آئی . جشنِ صحت کی مسرت بڑھائی . زبانِ خامہ کو بحالِ صفت نہیں . خامہٴ زبان کو یارِ مدحت نہیں . سچ یہ مین ، کہ آپ کی ذات ہر کمال مین فرد کمال مین . ہر فقرہ مین قوتِ سبحانی حاصل مین . انصاف کی تو یہ بات مین ، کہ یہ تحریر نہیں کرامات مین . اس جشنِ مین اگرچہ بظاہر آپ شریک نہیں ہوی ، مگر میری نزدیک شریکِ غالب رہی . اللہ تعالیٰ صحت اور قوت عطا فرماؤ . مشتاقون کو لطفِ مجالستِ ہاتھ آئی . دستِ دعا بلند مین . نویدِ صحت کی طبیعتِ آرزومند مین . حال اپنا اکثر لکھتی رہی . زیادہ شوق مین . اخبارِ الصنادید (ج ۲ ، ص ۱۲۳) سی معلوم ہوتا مین کہ حسبِ تجویز صاحبزادہ سید کاظم علیخان بہادر عرف چھوٹی صاحبِ باغِ بختیاری مین یہ جشن منایا گیا تھا .



محضور نواب صاحب والا مناقب عالیشان، قلم فیض و عمان احسان، امیر المسلمین نواب کلب علیخان بہادر دام اقبالہ مقبول باد^(۱)

(نواب سید محمد کلب علیخان بہادر خلد آشیان نواب فردوس مکان کی فرزند اکبر تھی۔ آپ جناب عالیہ فیروز النساء بیگم صاحبہ ملقب بہ نواب بہو بیگم دختر سید عبد العلی خان بہادر، خلف نواب سید غلام محمد خان بہادر کی بطن سے ۲۰ ذی الحجہ سنہ ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۹ اپریل سنہ ۱۸۳۵ع کو اتوار کی دن صبح کیوقت متولد ہوئی۔ سنہ ۱۸۶۴ع میں گورنر جنرل کی منظوری سے ولیعہد ریاست اور ۲۱ اپریل سنہ ۱۸۶۵ع مطابق ۲۴ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۱ھ کو جمعہ کی دن ۳۰ سال کی عمر میں مسند نشین ہوئی۔ ۱۵ محرم سنہ ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۰ جون سنہ ۱۸۶۵ع کو مسٹر جان انگلس ایجنٹ ریاست وکشنر روہیلکھنڈ فی رامپور آکر باضابطہ رسم مسند نشینی ادا کرائی۔ ماہ رجب سنہ ۸۲ھ مطابق دسمبر سنہ ۶۵ع میں ملکہ معظمہ کیجانب سے خلعت آیا۔ اور اسی مہینے میں جشن جلوس منایا گیا۔ آپ بڑی حاتم دل، پابند شرع، بامروت، اور خلیق تھی۔ باقاعدہ زکوٰۃ ادا کرتی، اور غیر شرعی آمدنی سے خزانہ کی دولت کو پاک رکھتی تھی۔ خود صاحب علم تھی۔ فارسی خلیفہ غیاث الدین عزت صاحب غیاث اللغات سے حاصل کی، اور علوم حکمیہ مولوی فضل حق خیر آبادی اور مولوی عبد الحق خیر آبادی سے پڑھی۔ انکا دربار اہل فضل و کمال سے بھرا رہتا تھا۔ مشرقی علوم و صنائع کا شاید ہی کوئی ایسا ماہر ہو، جو انکی خوان جود و کرم کی زلہ ربائی نہ کرتا ہو۔ ان میں علما، شعرا، ادبا، خطاط، صحاف، طبایح، اور دیگر تمام ہنروں کے ماہرین شامل تھی۔ علمی مباحثوں کا بہت شوق تھا۔ روزانہ دربار میں کسی نہ کسی علمی یا ادبی مسئلہ پر اہل دربار طبع آزمائی کیا کرتے تھے۔ آپ خود برابر کا حصہ لیتی، اور اسطرح اپنی معلومات کے دائرہ کو وسیع سے وسیع تر بناتے رہتے تھی۔ کتابیں جمع کرتی اور اونہیں پڑھنے کا بھی بیحد شوق تھا۔ اوس عہد میں جسقدر نایاب اور نادر کتابیں مہیا کیگئی ہیں، وہ اپنی اہمیت اور قیمت کے لحاظ سے مستقل کتابخانہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ چونکہ فارسی ادبیات سے زیادہ تعلق خاطر تھا، اسلئے جب کوئی نئی فارسی کتاب داخل کتابخانہ ہوتی اوس کے سرورق پر اپنی قلم سے تاریخ آمد وغیرہ لکھتی، اور خود مطالعہ کر لینی کے بعد کتابخانہ کی زینت بننے کی اجازت دیتی تھی۔ اردو، فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے، اور نواب تخلص فرماتے تھے۔ فارسی کلام مرزا محمد تقی خان سپہر ملقب بلسان الملک مستوفی اول دیوان ہمایون اعلیٰ سلطنت ایران مولف ناسخ التواریخ کی نظر سے گزرا تھا۔ اردو کلام منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی لکھنوی دیکھا کرتے تھے۔ ایک فارسی نثر مرزا غالب کو بھی اصلاح کیواسطی پہنچی تھی۔ مرزا انکی طرز نگارش کے بیحد مداح تھے۔ تصنیفات میں چار اردو کے دیوان، دیوان فارسی، تاریخ شاہان سلف، انتخاب بوستان خیال اور متعدد نثریں ہیں۔ نوابصاحب کو اخبار بینی کا بھی شوق تھا۔ اخبار دہدہ سکندری، جو رامپور کا پہلا اخبار ہے، انہی

(۱) یہ عبارت میرزا صاحب عرائض کے ملفون پر لکھا کرتے تھے۔ میں نے عنوان میں تبرکاً نقل کردی ہے۔

کی ایما می ۱۲ جمادی الآخرہ سنہ ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۵ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ ع سی ہفتہ وار شائع ہونا شروع ہوا۔ تعمیر کا بھی شوق تھا، اور سابق جامع مسجد اور متعدد محلات اون کی اس شوق کی رہین منت تھی۔ آپ کی بائیس سال سات ماہ کی حکومت کی بعد ۵۳ سال ۶ ماہ ۷ روز کی عمر میں بدھ کو دن ۳ بجو سہ پہر ۲۷ جمادی الآخرہ سنہ ۱۳۰۴ ہجری مطابق ۲۳ مارچ سنہ ۱۸۸۷ ع کو انتقال کیا۔ امیر مینائی کی خواہگاہ حامی اسلام امیر المومنین، سی تاریخ وفات نکالی ہوئی۔

(۴۳)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم معروض باد۔ نوازشنامہ مع ہنڈوی صد روپیہ عز وروود لایا۔ اپریل سنہ ۱۸۶۵ کی تنخواہ کا روپیہ معرض وصول میں آیا۔ زیادہ حد ادب۔ تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار عنایت کا طالب غالب۔ ۶ مئی سنہ ۱۸۶۵ عیسوی^(۱)۔

سر تا سر دھر عشرتستان تو باد صد رنگ گل طرب بدامان تو باد عید است، و بہار خرمی ہا دارد جان من و صد چون من بقریان تو باد عنایت کا طالب غالب۔ شنبہ صبح روز عید ذی الحجہ سنہ ۱۲۸۱ ہجری نبوی^(۲)۔

(۱) ۲۴ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۱ ہجری مطابق ۲۱ اپریل سنہ ۱۸۶۵ ع کو جمعہ کی دن نصف النہار کی وقت نواب فردوس مکان کی انتقال کیا۔ یہ خبر وحشت اثر دلی پہنچی، تو میرزا صاحب کی نواب سید کلب علیخان بہادر خلد آشیان کی نام ۲۷ ماہ اپریل کو ایک عریضہ لکھا۔ اصل تحریر مثل میں موجود نہیں۔ میرزا نقتہ کی نام کی مکتوب می، جو ۱۴ مئی سنہ ۱۸۶۵ ع کو لکھا گیا تھا، معلوم ہوتا ہے کہ وہ عریضہ تعزیت وفات اور تہنیت جلوس پر مشتمل تھا۔ فرماؤ ہیں: رامپور سی اپریل کی مہینہ کا روپیہ، اور تعزیت و تہنیت کی خط کا جواب آگیا۔ آئندہ جو خدا چاہے، (اردو می لاهور ایڈیشن، سنہ ۱۹۲۶ ع، صفحہ ۳۵۹)۔ نواب خلد آشیان کی یکم مئی کو اس عریضہ کی جواب میں تحریر فرمایا: حیفہ شریفہ مورخہ ۲۷ ماہ گذشتہ اسمی مخلص وصول الطاف آوردہ بما فیہا مطلع نمود۔ مشفقاً! آنچه مشاہدہ آن کر مفرما از عہد نواب صاحب وقبلہ فردوس مکان مقرر است انشاء اللہ تعالیٰ بدستور جاری ماندہ، حسب ضابطہ بسای خدمت رسیدہ خواہد ماندہ۔ اسکی بعد مہرکار کی ماہ اپریل کی تنخواہ کی ہنڈوی کا ذکر کیا ہو۔ میرزا صاحب کا عریضہ اسی فرمان کی رسید ہو۔

(۲) یہ رباعی ایک علحدہ ورق پر لکھی ہوئی مکتوب نمبر ۴۳ کیساتھ منسلک ہو۔ لیکن ازروی تاریخ اسکو دو تین دن بعد دلی سی روانہ ہونا چاہیے۔ اسلئے کہ ۶ مئی کو ذی الحجہ کی ۸ تاریخ ہوگی اور یہ ۱۰ ذی الحجہ کی صبح کو لکھی گئی ہو، جو ۸ مئی کی مطابق ہوگی، بنا بریں ۶ تاریخ کی خط کیساتھ روانہ نہیں ہو سکتی۔

(۴۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . تہنیت نامہ ارسال کر چکا ہوں . جواب
 پا چکا ہوں . قصیدہ کا لفافہ ارسال کیا ہے . یقین ہے کہ پہنچ گیا ہوگا^(۱) .
 حضرت فردوس مکان سپہر آستان کا معمول تھا کہ محرم سے دو تین

(۱) قصیدہ تہنیت مثل میں موجود نہیں . لیکن میرزا صاحب نے اسکی ایک نقل خواجہ غلام غوث خان
 بیخبر کو بھیج دی تھی ، جو عود ہندی (صفحہ ۱۷۱) میں ، خواجہ صاحب کے نام کے مکتوب
 کیساتھ درج ہے . فرماتے ہیں : والی رامپور کو خدا سلامت رکھی . اپریل میں ان
 دونوں مہینوں کا روپیہ موافق دستور قدیم آیا . جون ماہ گذشتہ کا روپیہ خدا چاہی تو
 آجائے . آج جمعہ ۷ جولائی ہے . معمول یہ ہے کہ دسویں بارہویں کو رئیس کا خط مع ہڈوی
 آیا کرتا ہے . میں نے قصیدہ تہنیت جلوس بھیجا . اوسکا جواب آگیا . اب میں نظام و نثر کا
 مسودہ نہیں رکھتا . دل اس فن سے نفور ہے . دو ایک دوستوں کے پاس اوسکی نقل ہے . اونکو
 اسوقت کہلا بھیجا ہے . اگر آج وہ آگیا کل ، اور اگر کل آیا پرسوں بھیج دوں گا . اسکی بعد
 قصیدہ شروع ہوتا ہے . چونکہ اسکی ساتھ کوئی نیا خط نہیں ہے اسلئے قیاس چاہتا ہے کہ
 خط کی روانگی کے قبل ہی قصیدہ کی نقل موصول ہوگئی ہوگی . اور خط اور قصیدہ دونوں
 ساتھ بھیجے گئے ہونگے . قصیدہ یہ ہے :

بہ شکل کلب علی خان دگر نمود ظهور
 کہ رشک برکدہاش دارد افسر فغفور
 نگاہ قہر وی از روی مہ رباید نور
 چو خیل مور دود بر ورق حروف سطور
 بساط بزمگشہ کارگاہ سور و سرور
 بہ بزم عشق مہین ہم پیالہ منصور
 بحسب ضابطہ جاہ آفتاب ظهور
 ز راہ قاعدہ ، شرع امرست او مامور
 بود ہمیشہ بہ حنجان وی شراب طہور
 تو شاہ کشور حسن و خرد ترا دستور
 ثواب کرۂ چرخ ہشتمی مزدور
 قفا خور تو ارسطو بدرسگاہ شعور
 نہ پیہ گاؤ بکار آورند و نہ کانور
 بجای موم بر آید ز خانۂ زنبور
 ز بہر فاتحہ آئی اگر تو سوی قبور
 کہ از ورود تو ہر مردہ رقص اندر گور
 کہ ای برحم و کریم در جہانپان مشہور ! (باقی)

نحلی کہ ز موسی ربود ہوش بطور
 خجستہ سرور سلطان شکوہ را نازم
 ہوائ لطف وی از جان خور برد سوزش
 دم نگارش وصف کلام شیرینش
 فسای رزمگشہ شاہراہ قہر و غضب
 بخوان شرع بہین ہمنوالۂ شلی
 ز روی رابطہ حسن ماہتاب جلال
 بحکم مرتبہ ، او حاکم و فلک محکوم
 چو آب سیل روانی کہ ایستد بمفاک
 زہی وزیر و خیر شہریار دانادل
 بنای منظر جاہ ترا زحل معمار
 ثنا گر تو سکندر بہ بارجای جلال
 برای بزم نشاط تو شمع چون ریزند ق
 ز فیض نسبت بخلق تو عذیر سارا
 بدین خرام و بدین قامت و بدین رفتار ق
 جہان جانی وجان جہان ، عجب نبود
 بہ پیشگاہ تو زانوی می زند انصاف

مہینے پہلے سلام پانچ ساتھ^(۱) لکھتے تھے، اور فرداً فرداً میرے پاس بھیجا کرتے تھے۔ جب وہ فراہم ہو چکے، تو محرم سے دو چار دن پہلے میں اصلاح دیکر بھیج دیا کرتا تھا۔ ابکی برس ایک ہی سلام بھیجنے پائے۔ بس آج وہ سلام اس مراد سے حضور میں بھیجتا ہوں کہ حضور کے حکم سے حضرت کے دیوان میں شامل ہو جائے۔ زیادہ حد ادب۔

بقیہ) در انتقام کشی شیوہ کرم مگرار توئی بفضل فزائندہ عروج علوم صریر خامہ من بین کہ میرباید دل سواد صفحہ من بین و تابش معنی امیر زندہ دل، آن والی ولایت نظم غروب مهر و طلوع مہ دو ہفتہ بود چو او بزیر زمین رفت و آن ولایت یافت به انجمن نرسیدیم ز ناتوانائی بھاک پای تو گر دستگاه داشتی من آن کم کہ از افراط ورزش اخلاص توئی رحیم دل و من سقیم، دوری به نظر بخشگی و پیری و تہیدستی شعار غالب آزادہ جز دعا نبود به دھر تا بود آئین کہ در نوا آرند به بزم عیش تو ناهید باد زمزمہ سنج عجب ز لطف تو بالندہ چون نوا از ساز	بر آر کام دل بدسگال از ساطور توئی بعلم کشائندہ عقود صدور چنانکہ از لب داؤد استماع زبور عیان چو شمع فروزندہ در شب دیجور به گنج خانہ گنجہ نظامیش گنجور رسیدن تو بدین اوج بعد آن مغفور تو باش والی روی زمین قرون و دھور ولی بعرض ثنا و دعا نیم معذور نبودی بغم دوری در تو صبور بغیبت است مرا دعوی دوام حضور مباد رنجہ شوی از نظارہ رنجور قبول کردن تسلیم من خوش است از دور کہ باد سعی دعاگوی در دعا مشکور رباب و بریط و قانون و تو بمحفل سور نسیم عطر فروش از نسیم طرہ حور عدو ز بیم تو نالندہ چون خر طنبور

نواب خلد آشیان فی ۱۶ محرم الحرام سنہ ۱۲۸۲ ہجری مطابق ۱۱ جون سنہ ۱۸۶۵ ع کو اس قصیدہ کی متعلق تحریر فرمایا: دو قطعہ ساری محیفہ لطف آگین، اول مع قصیدہ تہنیت مسند نشینی راقم بر ریاست موروثی ملک رامپور، وثانی مع سلام من تصانیف جناب مغفرت مآب نواب صاحب وقیلہ فردوس مکان، در اسعد ازمینہ یاسمین ریز دامن وصول فرحت شمول گشتہ جذبا قصیدہ کہ لالی مدحت مضامین برجستہ و معانی دل نشستہ اش را برشتہ ترقیم کشیدن آب دریا بکیل پیمودن است۔ و شمعہ از توصیف فصاحت و بلاغت آن بحیفہ تحریر در آوردن ثواب و سیارہ را بہ پنج انگشت شمردن۔ درینولا زبانی نواب مرزا عزم ساری باین طرف مسموع گشتہ، موجب کمال مسرت است۔ چرا کہ راقم نیز متنی ملاقات شریف است۔ او تعالیٰ شب بلدای فراق را بزودی ہرچہ تمامتر بایام وصال مبدل گرداند۔ یہ خط میرزا صاحب کو ۱۷ جون کو موصول ہوا۔ ۱۸ جون کو اونھوں نے اسکا جواب

تحریر کیا۔ یہ جواب نمبر (۴۷) پر درج ہوگا۔

(۱) یہ مرزا صاحب کی املا کی مطابق ہے۔ صحیح رسم خط ہست، ہی۔

تم سلامت رہو ہزار برس دولت و عز و جاہ روز افزون
عنایت کا طالب غالب۔ شنبہ یکم محرم الحرام سنہ ۱۲۸۲^(۱)۔

(۴۵)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ حق تعالیٰ جلّ جلالہ و عمّ نوالہ جس گروہ
پر مہربان ہوتا ہے، وہاں حاکم عادل رحیم بھیجتا ہے، کہ بقوتِ عادلہ کفر
و بدعت کی جڑ اوکھاڑ ڈالے، اور بصفۃِ رحم رعایا کو پالے۔ مصداق اسکا
ذاتِ قدسی صفاتِ جنابِ عالی ہے۔ کہ قمار خانے کی بنا مٹا ڈالی ہے۔ زہے
قانونِ سیاست! غلہ کا محصول معاف کر دیا ہے۔ روپیہ رعیت پر نثار کیا ہے۔
زہے آئینِ ریاست! رباعی

نواب کہ شد ز شوکتِ اقبالش بخشیدنِ باجِ غلہ از اقبالش
فارغ شد ہر کسّی و روداد^(۲) فراغ ہم فارغ و ہم فراغ باشد سالش^(۳)
۱۲۸۱ء

پیر و مرشد! حضرت فردوس مکان کا دستور تھا، کہ جب مین
قصیدہ بھیجتا، اوسکی رسید مین خط تحسین و آفرین کا، شرم آتی ہے کہتے

(۱) لفافہ پر ۲۷ مئی سنہ ۱۸۶۵ درج ہو۔

(۲) اصل خط مین (رواد) بخذف دال ہو۔

(۳) میرزا صاحب نے نواب خلد آشیان کی جود و کرم کی تذکرہ مین اس واقعہ کو متعدد مقامات پر نقل
کیا ہے۔ حکیم غلام رضا خان کو لکھتے ہیں: "..... نواب صاحب حال بمقتضای "الولد سر
لایہ، حسن اخلاق مین نواب فردوس آرامگاہ کی برابر، بلکہ بعض شیوہ و روش مین اون سے بہتر
ہین۔ بجزد مسند نشینی کے غلہ کا محصول یک قلم معاف کیا۔ علی بخش خان خاندان کو ۳۰ ہزار
روپیہ بابت مطالبہ سرکاری بخش دیا۔ (اردو معلی، ص ۵۲)۔ میرزا تفتہ کے نام کی خط مین
قدری تفصیل کی ہے۔ فرماتے ہیں: "..... نواب صاحب از روی صورت روح مجسم اور باعتبار
اخلاق آیت رحمت ہین۔ خزائنہ فیض کی تحویلدار ہین۔ جو شخص دفتر ازل می جو کچھ لکھوا
لایا ہے، اوسکی پٹنی مین دیر نہیں لگتی۔ ایک لاکھ کئی ہزار روپیہ سال غلہ کا محصول معاف
کر دیا۔ ایک اہل کار پر ساٹھ ہزار کا محاسبہ معاف کیا اور بیس ہزار روپیہ نقد دیا۔ منشی نولکشور
صاحب کی عرضی پیش ہوئی۔ خلاصہ عرضی کا سن لیا۔ واسطی منشی صاحب کے کچھ عطیہ
بقریب شادی صبیہ تجویز ہو رہا ہے۔ مقدار بچہ نہیں کھلی، (ایضاً، ص ۹۸-۹۹)۔ تخریب
قارخانہ اور بخشش محصول غلہ کا ذکر اخبار الصنادید (ج ۲، ص ۱۷۹) مین بھی کیا گیا ہے۔

ہوے مگر کہے بغیر بتی نہیں، دو سو پچاس^(۱) کی ہنڈوی اوس خط مین ملفوف عطا ہوا کرتی تھی۔ دو قصیدہ مدحیہ میرے دیوانِ فارسی مین مرقوم، اور وہ دیوان حضرت کے کتابخانے مین موجود ہے۔ خطوں کی تصدیق از روی دفتر ہوسکتی ہے۔ یہ رسم بری نہیں ہے۔ اگر جاری رہے تو بہتر ہے۔ زیادہ حدِ ادب۔ التفات کا طالب غالب۔ پنجشنبہ ۱۹ محرم سنہ ۱۲۸۲۔

(۴۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ نوازشنامہ مع سو روپیہ کی ہنڈوی کے عزِ ورود لایا۔ مئی سنہ ۱۸۶۵ کا مشاہرہ معرضِ وصول مین آیا۔ زیادہ حدِ ادب۔ تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار التفات کا طالب غالب۔ ۱۵ جون سنہ ۱۸۶۵ عیسوی۔

(۴۷)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ روز پنجشنبہ ۱۵ جون کو ایک عرضداشت روانہ کرچکا ہوں۔ یقین ہے کہ وہ آج پہنچے گی۔ کل ۱۷ جون کو فرح بخش و روح افزا نوازشنامہ پہنچا^(۲)۔ قصیدہ کا پہنچنا اور اوسکا مقبول و منظور ہونا دریافت کر کے، اپنے بخت و قسمت پر مین نازان ہوا^(۳)۔ اب عرض یہ ہے کہ حسبِ الحکم حضور کے یہ قصیدہ میرے دیوانِ فارسی مین، جو کتابخانے مین موجود ہے، درج کیا جائے۔ اور سلام حضرت فردوس مکان کا اونکے دیوانِ اردو مین لکھدیا جائے^(۴)۔

(۱) یہاں میرزا صاحب نے صرف حسابی رقم لکھی مین۔

(۲) محولہ بالا فرمان کا اقتباس عریضہ نمبر (۴۴) کے حاشیہ مین دیا جا چکا ہو۔

(۳) یہ قصیدہ خط نمبر (۴۴) کے حاشیہ مین درج ہوچکا ہے۔

(۴) میرزا صاحب کی مذکورہ خواہش نقشہ تکمیل رہی۔ اگر خواجہ غلام غوث خان بیخبر اسکی ایک نقل نہ منگا لیتو تو دیگر گم شدہ قصائد و قطعات کی طرح اسکا بھی صرف ذکر باقی ہوتا۔

حضرت کی خدمت میں نہ آؤنگا تو اور کہان جاؤنگا۔ وہ آگ برس رہی ہے، کہ طیور کے پر جل رہے ہیں۔ بعد آگ کے پانی برسے گا۔ سفر خصوصاً بوڑھے رنجور آدمی کو دونوں صورت میں متعذر۔ آفتاب میزان میں آیا، اور ہنگامہ آتش و آب رفع ہوا، اور میں نے احرام بیت المعمور رامپور باندھا۔ انشاء اللہ العلیٰ العظیم^(۱)۔

پیر و مرشد! از رام خیر خواہی ایک امر عرض کرتا ہوں۔ محمد علیخان ابن وزیر محمد خان^(۲) رئیس ٹونک نے بعد مسند نشینی گورمنٹ کو «یمین الدولہ» اور «دو جزو ملک اور جنگ» لکھ کر دیئے، اور وہاں سے وہ اونکو عطا ہوئے۔ حضور کے اجدادِ امجاد نے سلاطینِ بابرہ کا خطاب نہ قبول کیا۔ مگر حضرت کے جدِ امجد کو احمد شامِ درانی^(۳) نے مخاطب بہ «مخلص الدولہ» فرمایا^(۴)۔ حضرت اگر مناسب جانیں، تو اوس خطاب کو مع دو جزو «شمس الملک و بہرام جنگ» جنابِ ملکہ معظمہ سے بذریعہ گورمنٹ

(۱) سفر کی تفصیل کیلئے دیاچہ ملاحظہ ہو۔ بیان اسقدر لکھ دینا کافی ہوگا، کہ میرزا صاحب ۷ اکتوبر سنہ ۱۸۶۵ع کو دلی سے عازم رامپور ہوئے۔ اور ۸ جنوری سنہ ۱۸۶۶ع کو واپس دلی پہنچے (اردو معلیٰ، ص ۲۴۳، مکتوب بنام حکیم سید احمد حسن مودودی، مورخہ ۱۷ جنوری ۱۸۶۶ع)۔

(۲) نواب محمد علی خان ریاست ٹونک کی نواب تھو۔ سنہ ۱۸۳۴ع میں گدی پر بیٹھو۔ سنہ ۱۸۶۷ع میں لاوا میں قتل عام کرانی کے الزام میں حکومت ہند نے انہیں معزول کر دیا۔ سنہ ۷۰ع میں ریاست پولینکل ڈپارٹمنٹ کی زیر انتظام آگئی۔ اور اونکو صاحبزادہ نواب میر حافظ ابراہیم علی خان بہادر نواب بنا دی گئی۔

(۳) احمد شاہ درانی ضلع ہرات کا باشندہ اور ابدال نامی قبیلہ کا ایک فرد تھا۔ ابھی یہ بچہ ہی تھا کہ نادر شاہ اسکو ایران بکڑ لگیا، اور اپنی خدمت گرز برداری پر مقرر کیا۔ لیکن اس نے رفتہ رفتہ فوج کی بڑی عہدہ تک ترقی کر لی۔ نادر شاہ نے ۱۲ مئی سنہ ۱۷۴۷ع کو وفات پائی تو اس نے بغاوت کر دی، اور تھوڑے عرصہ میں افغانستان، سندھ اور لاہور کا بادشاہ بن بیٹھا۔ اسی ہندوستان پر متعدد حملے کئے ہیں۔ لیکن اسکی شاندار ترین جنگ سنہ ۱۷۶۱ع میں پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کے عظیم الشان لشکر سے واقع ہوئی، جس میں یہ کامیاب ہوا، اور بعد فتح شاہ عالم کو تخت و تاج ہند سوئے کر افغانستان چلا گیا۔ احمد شاہ نے ۲۶ سال حکومت کر کے سنہ ۱۱۸۲ھ مطابق سنہ ۱۷۷۲ع کو ۵۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔

(۴) احمد شاہ کے عطا کردہ خطابات کے سلسلہ میں اخبار الصنادید، ج ۱، صفحہ ۶۶۷ ملاحظہ ہو۔

اپنے واسطے این^(۱)۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
ترقی دولت کا طالب غالب۔ یکشنبہ ۱۸ جون سنہ ۱۸۶۵ ع۔

(۴۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ منشورِ عطوفت کے ورود نے معزز فرمایا۔
جون سنہ ۱۸۶۵ کی تنخواہ کا سو روپیہ از روی ہندوی معرض وصول
میں آیا۔ زیادہ حد ادب۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
عنایت کا طالب غالب۔ معروضہ دہم جولائی سنہ ۱۸۶۵۔

(۴۹)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ میری عرضداشت کا جواب آچکا ہے۔
بندہ ہندوی کی رسید بھجوا چکا ہے۔ یہاں خلق کو مینہ درکار ہے، اور ہوا
شرارہ بار ہے۔ دھوپ کی تیزی سے آدمی کے تیور، اور پہاڑ کے پتھر جلے
جاتے ہیں۔ پانی جگر گداز۔ ہوا جانستان۔ امراض مختلفہ کا ہجوم جہاں
تہاں۔ جز اعضای انسان، کہ وہ پسینے میں تر رہیں، طراوت و رطوبت کا
کہن پتا نہیں۔ یا لو چلتی ہے، یا مطلق ہوا نہیں۔ ان سطور کی تحریر سے مدعا
یہ ہے، کہ مجھے ہر وقت یہی خیال رہتا ہے، کہ حضرت کا مزاج کیسا ہے۔
اس خط کا جواب جس قدر جلد عطا ہوگا، دعا گو پر احسان آپ کا ہوگا۔
زیادہ حد ادب۔

(۱) میرزا صاحب کو اس خیر خواہانہ عریضہ کے جواب میں نواب صاحب نے تحریر فرمایا: استحصال
الفاظ خطاب دستور این ریاست نبوده است۔ وحسب اترقیم قضیدہ وسلام مذکور در دیوانہا
مندرج کنانیدہ خواهد شد۔ ۲۰ صفر سنہ ۱۲۸۲ ہجری مطابق ۱۵ جولائی سنہ ۱۸۶۵ ع۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
آپ کی سلامت ذات اور اپنی نجات کا طالب غالب . ۲۳ جولائی سنہ ۱۸۶۵ .

(۵۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض آنکہ منشور عطف عز و رود لایا . تنخواہ
جولائی سنہ ۱۸۶۵ حال کاروپہ ازروی ہندوی ملفوفہ معرض وصول میں آیا .
اگرچہ یہاں مینہ اسقدر برسا ہے کہ جس کے پانی سے زمیندار حاصل
فصل ربیع سے ہاتھ دھو لین . مگر چونکہ بفرمان ازلی میرے رزق کی برات
آپ پر ہے ، اور آپ کے ملک میں بارش خوب ہوئی ہے ، ابر رحمت کے
شکریہ میں ایک قطعہ ملفوف اس عرضی کے بھیجتا ہوں . بنظر اصلاح نظم
و اصلاح حال ملاحظہ ہو . زیادہ حد ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
نجات کا طالب غالب . جمعہ ۱۱ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۵ (۱) .

(قطعہ)

- * مقام شکر ہے اے ساکنانِ خطۂ خاک !
- * رہا ہے زور سے ، ابر ستارہ بار ، برس
- * کہاں ہے ساقیِ مہوش ؟ کہاں ہے ابرِ مطیر ؟
- * بیار ، لامی گلنار گون ، بیار ، برس

(۱) اس عریضہ کے جواب میں نواب خلد آشیان نو ۱۶ اگست سنہ ۱۸۶۵ ع مطابق ۲۳ ربیع الاول سنہ ۱۲۸۲ ہ کو تحریر فرمایا : صحیفۃ لطف آگین بخلاصہ کی بارش باران رحمت دران نواح واستدراک خیریت مزاج راقم مع قطعہ دعائیہ غازہ آرای چہرہ وصول نشاط شمول گردیدہ بما فیہا مطلع نمود . و ترسیل قطعہ مذکور از مزید الطاف فرمائیا متصور شد . مشفقاً ! سابق ازیں فی الحقیقہ طبیعت راقم بعارضہ تبخیر ... کسلمند شدہ بود . لیکن حالا بغایت الہی مزاج مخلص خوش و خرم است . ہندوی مبلغ دو صد روپیہ برای آن مشفق ، کہ بتقریب صحت از عارضہ لاحقہ بدیگر صاحبان مستحقین نیز ازیں سرکار عنایت شدہ بودند ، معطوف رقیمۃ الوداد ہذا بطریق عنایات سمت تبلیغ یافتہ میرزا صاحب کا یہ قطعہ دعائیہ ہنوز شائع نہیں ہوا ہو .

- ✽ خدا نے تجھ کو عطا کی ہے گوہر افشانی ✽
 ✽ درِ حضور پر، اے ابرا! بار بار برس ✽
 ✽ ہر ایک قطرہ کے ساتھ آئے جو ملک وہ کہے ✽
 ✽ امیرِ کلبِ علی خان جئین ہزار برس ✽
 ✽ فقط ہزار برس پر کچھ انحصار نہین ✽
 ✽ کئی ہزار برس بلکہ بیشمار برس ✽
 ✽ جنابِ قبلہ حاجات اس بلاکش نے ✽
 ✽ بڑے عذاب سے کاٹے ہین پانچ چار برس ✽
 ✽ شفا ہو آپ کو غالب کو بندِ غم سے نجات ✽
 ✽ خدا کرے کہ یہ ایسا ہو سازگار برس ✽

(۵۱)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . کل برخوردار نواب مرزا خان داغ کی تحریر سے معلوم ہوا کہ حضرت کا مزاجِ اقدس ناساز ہو گیا تھا . اب خدا کے فضل و کرم سے افاقہ ہے . نواب مرزا نے مجھ پر ستم کیا ، کہ پہلے سے یہ حال نہ رقم کیا . جو دعا جب کرتا اب بھی وردِ شب و روز ہے . مگر یہ خیال ، کہ حضور کو یہ خیال گزریگا کہ غالب رسمِ عیادت بجانہ لایا ، سخت جگر سوز ہے . اب اس خط کے جواب میں نویدِ عافیت کا امیدوار ، اور یہ سونچکر کہ آج کے آٹھویں دن جواب آئیگا ، بیقرار ہوں .

ایک عبارت کا ایک جزو بطریقِ خط ایک انصاف دشمن کو لکھکر چھپوا دیا ہے . پارسل اوسکا نواب مرزا کو ارسال کیا ہے . پانچ رسالے وہ میری طرف سے نذر گزرائیں گے . حضرت قبولِ نذر کو میرا عز و شرف

جائیں گے^(۱)۔

تم سلامت رہو ہزار برس دولت و عز و جاہ روز افزون
دعا گو غالب . ۱۳ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۵ .

(۵۲)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے۔ داستانِ حمزہ قصہ موضوعی ہے۔ شاہ عباس
ثانی^(۲) کے عہد میں ایران کے صاحب طبعوں نے اسکو تالیف کیا ہے۔ ہندستان
میں «امیر حمزہ کی داستان» اسکو کہتے ہیں۔ اور ایران میں «رُموزِ حمزہ»
اسکا نام ہے۔ دو سو کئی برس اسکی تالیف کو ہوئے۔ اب تک مشہور ہے،
اور ہمیشہ مشہور رہیگا۔

آپ کے اس نکیہ دارِ روزینہ خوار فقیر نے آپ کی مدح میں ایک
قصیدہ لکھا ہے۔ مشتمل اس الزام پر کہ تشبیب کے ایات اور مدح کے اشعار

(۱) اس سے «نامۂ غالب» مراد ہے۔ میرزا صاحب فی برہان قاطع کی بعض اغلاط پر ایک رسالہ مسمیٰ بقاطع
برہان سنہ ۱۸۶۰ ع میں تصنیف کیا تھا، جو نواب فردوس مکان کی امداد سے طبع ہو کر شائع ہوا۔
تقلید آبا کی حامیوں نے اسکی تردید میں متعدد کتابیں لکھیں۔ ان میں سے ایک کا نام ساطع برہان تھا۔ اس
کے مصنف کو متعلق مرزا صاحب سیاح کو لکھتے ہیں: «وہ جو ایک اور کتاب کا نسخہ ذکر لکھا ہے،
وہ ایک لڑکے پڑھانیوالے ملاؤ مکب دار کا خط ہے... رحیم بیگ اس کا نام، میرٹ کا رہنے والا۔
کئی برس سے اندھا ہو گیا ہے۔ باوجود نابینائی کے احقر بھی ہے» (اردو معلیٰ، صفحہ ۲۷ و ۳۱)۔
مولوی عبد الرزاق شا کر کو لکھا ہے: «رحیم بیگ نامی میرٹھ کا رہنے والا ہے۔ دس برس سے اندھا
ہو گیا ہے۔ کتاب پڑھا نہیں سکتا۔ سن لیتا ہے۔ عبارت لکھ نہیں سکتا۔ لکھوا دیتا ہے۔ بلکہ اس
کو موطن ایسا کہتے ہیں کہ وہ قوت علی بھی نہیں رکھتا۔ اوروں سے مدد لیتا ہے۔ اہل دہلی کہتے ہیں
کہ مولوی امام بخش صہبائی سے اوسکو تلمذ نہیں ہے۔ اپنا اعتبار بڑھاؤ کو اپنے کو اون کا شاگرد بتاتا
ہے۔ میں کہتا ہوں کہ واؤ اوس ہیچ بوج پر جسکو صہبائی کا تلمذ موجب عز و وقار ہو، (عود ہندی،
صفحہ ۱۶۱): اس کتاب کے جواب میں مرزا صاحب فی نامۂ غالب لکھا، اور اسکو ۱۳ اگست سنہ ۱۸۶۵ ع
سے قبل طبع کرا کے نواب خلد آشیان کی خدمت میں بطریق ارمغان پیش کیا۔ یہ رسالہ عود ہندی، صفحہ
۱۴۱ تا صفحہ ۱۵۵ میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

(۲) شاہ عباس ثانی صفوی خاندان کا آٹھواں بادشاہ تھا۔ اسنے سنہ ۱۰۵۲ھ (۱۶۴۲ ع) سے سنہ ۱۰۷۷ھ
(۱۶۶۶ ع) تک ایران پر حکومت کی۔

مین حمزہ و اولادِ حمزہ وزمردشاه وغیرہ یا انکے معاملات و حالات کا ذکر درمیان آئے۔ سو وہ قصیدہ آج اس خط کے ساتھ ارسال کرتا ہوں۔ امید ہے کہ حضرت اسکو پڑھکر محظوظ ہوں۔ خدا آپکو قیامت تک سلامت رکھے۔ مگر جب تک امیر حمزہ کا قصہ مشہور رہیگا، یہ قصیدہ بھی شہرت پزیر رہیگا^(۱)۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برسکے ہوں دن پچاس ہزار نجات کا طالب غالب۔ ۲۱ ماہِ اگست سنہ ۱۸۶۵۔

یا وہاب

زہے دو چشمِ تو در معرضِ سیہ کاری	چو بختیارک و بختک بمردم آزاری
زہے بزورِ بدیع الزمانِ کشتی گیر	کہ کوهسار چون نارنجِ تریفشاری
زہے خیالِ تو آدمِ ربا چو تندکِ دیو	دماغِ اہل نظر قافِ اوست پنداری
ز غمزہ تو چگویم کہ آن بود ز عمَرَ ^(۲)	دلیر و چست و ہنرمند تر بیاری
اگر تو نیستی از ساحرانِ اتریا	چرا بلہو ہمی آتش از ہوا باری
بدین جمال کہ داری عجب مدار اگر	کند چکیدہ قدرت ترا پرستاری
بمہرِ رویِ تو گردیدم آفتابِ پرست	نہ ایرجم کہ عبث تن دہم بدین خواری
سپس بمذہبِ تورج کہ بودہ ماہِ پرست	ترا پرستم ازین رو کہ ماہِ رخساری
توئی بمعنیِ اصلی، و بود نورالدہر	ہمین بنام، کہ معنیِ نہداشت، پنداری
چکد ز زلفِ تو خونِ دلم بدانگونہ	کہ ریزد از لبِ زنگی در آدمی خواری
فغان ز بارِ غمِ دہر، کان بسنجیدن	عمودِ خسروِ ہند است در گرانباری
بہ پیشِ چرخِ مشعبدِ چہ ہوشیار و چہ مست	کہ این بعربدہ همچون عمَرَ ز طراری
ز روی، ریش تراشد ہمی بہ بیہوشی	ز فرق، تاج رباید ہمی بہشیاری
خصوصتے بمن افتادہ زالِ دنیا را	کہ «دُم خیشہ» بود در فتونِ مکاری

(۱) اس قصیدہ کو صرف چند اشعار تذکرۃ انتخاب یادگار مین بذیل ذکر غالب شائع ہوی مین۔

(۲) میرزا صاحب نے اس نام کا املا اور تلفظ دونوں غلط لکھے مین۔ یہ نام «عمرو» بسکون میم و زیادہ

واو بعد را می۔

بجیش عشق من سر برهنه تپشی
 نهیب فتنه به الجوب شش گری ماند
 شدست لاغری من گایم غیبی من
 منم که فکر من اندر زمین شعر و سخن ق
 چه افتاده که یارب کنون چو ارنائیس
 چنان بخوردن غم عادی که چون عادی
 نهاده همنفسان نام من ملک قاسم
 رسیده بخل بفکر من از عمر میراث ق
 دروغ گفته ام آن فکر نیز زنیل است
 چو حمزه را بجهان بعد مرگ مهر نگار
 نماند در نظر دزد کهنه اسلوبی
 دل است حمزه و اب در فسونگری عمر است
 شد آن که بود کلام طلسم گوهر بار
 چو حمزه، کیش بعقابین در کشید فلک،
 بقاست قرض و منم حمزه و زهر منند
 چو ساحران همه را شغل آتش افشانی
 ز زهر مهره نشد زهر حمزه به، آن به
 مگر بفضل وی آیم برون ز بند بلا
 امیر کلب علیخان بهادر آن که بود
 درش نوازش طبل سکندری دارد
 بود پلارک افراسیا بیش در کف

که موی سر بر سرم کرده است دستاری
 که بود هر لکدش را جراحت کاری
 که باشم، و توام از حاضران نه انگاری
 همیگزشت ز اشقر به تیز رفتاری
 بخاک و خون تپدم تن همی به ناچاری
 نبوده هیچگه سیریم ز پُر خواری
 ز خون دیده بود بسکه جامه گناری
 که هیچگه ندهد در سخن مرا یاری ق
 که گم شود ز عمر در دم گرفتاری
 ز تیغ و تاج و نگین روی داد بیزاری
 جز آن که باز کشاید دکان عطاری
 بدا^(۱) لبی که زدل نبودش مددکاری!
 هماره^(۲) نهر ز آب گهر دران جاری
 به دام و ام، نفس میکشم بدشواری
 چهل خلیفه تقاضائیان بازاری
 چو ازدها همه را ذوق آدم اوباری^(۳)
 که نوشداروی نوشیروان بچنگ آری
 چنانکه حمزه به نیروی پیر فرخاری
 عدیل حمزه در اسببندی و سالاری
 خه بلندی آوازه جهانداري!
 که هیچگه نشود چون هلال زنگاری

(۱) بدا مثل خوشا، بسیار بد. منه

(۲) هماره مخفف همواره. منه

(۳) آدم اوباری، اوباریدن بمعنی ناخائیده فرو بردن. اوبار صیغه امر و در آخر تختانی، مردم آزاری مثله. منه

چگویم از نمط لشکرِ ظفر پیکر
همه مقابلِ مقبل به ناوک اندازی
بیا به بین که در اردوی این امیر کبیر
چو قدر آن که جلودارِ حمزه بود اینک
سزد که نخر بر اقبالِ خود کند لندور
مپرس بر درش از هستیِ زمرد شاه
شنیده که خداوندِ باختر چون بود
گزشت آن که «چه تقدیر کرده ام» می گفت
کنون بعجز «چه تقصیر کرده ام» گوید
رموزِ حمزه فروهل^(۱) خمشنشین غالب
ز تست رونقِ گیتی به دانش آرائی
قصیده تو و لے کاسه گدائی تست
غمین مباش که از گنج خانه نواب
بوقتِ گدیه گدار ادعاست دست آویز
چراغِ دوده سرور علی محمد خان
ز رویِ کلبِ علی خان همیشه روشن باد

که در شمار نیاید همی ز بسیاری
همه مساهم خسرو به طاقت اظهاری
سپرده اند علشاه را علبرداری
رسیده است بخاقانِ چین جلوداری
ازین که یافته توقیعِ گرز برداری
مگر یکے بود از کافرانِ زنهاری
کنون به بندگیِ خواجه گشت اقراری
بمقتضای غلط فہمی و غلط کاری
زندگانِ خدا چون بوی رسد خواری
چرا مرا بسخنهایِ هرزه آزاری
ز تست زینتِ معنی به نعر گفتاری
ستوه آمده باشی ز رنجِ ناداری
خود آن قدر که بدل داشتی بدست آری
بر آر دست بدرگاهِ حضرت باری
گزینِ همالِ تیمور^(۲) در فنِ سپہداری
چنانکه تابشِ مهر از سپہرِ زنگاری

(۵۳)

حضرت ولی نعمت آیه رحمت سلامت .

بعد تسلیم عرض یہ ہے . فقیرِ تکیہ دار ، روزینہ خوار ، غالبِ خاکسار
حیران ہے کہ شکر بجا لائے آپکی عنایت کا ، یا ذکر کرے آپکی کرامت اور
ولایت کا . آپ بے شبہ رونقِ مسندِ علم و یقین ہیں . تکلف بر طرف

(۱) فروهل بمعنی بگزار . از اینجا التزام موقوف است . منہ
(۲) گزین بجای گزیده مستعمل اہل زبان . تیمر بہ تختانی مکسور و میم ہضموم در ترکی فولاد را گویند .
وامم شامہ است از اولاد النقا . و اینکه تیمور نویسند طرز املاست اعراب بالحروف . مہ

امیرالمسلمین ہین۔ یہ نہ فقط از روی ارادت ہے۔ بلکہ یہاں مشاہدہ خرقِ عادت ہے۔ ان دنوں میں متفرقات کے قرضدار^(۱) سرگرم تقاضا بلکہ آمادہ شور و غوغا تھے۔ دو سو روپیہ کی ہنڈوی صراحی آبِ حیات ہو گئی۔ دامِ مرگ سے نجات ہو گئی۔ لطف یہ کہ آج بروزِ دو شنبہ ۲۱ اگست کو نو بجے اولِ روز ایک قصیدہ کا لفافہ بھیجا گیا۔ اوسی دن بارہ پر تین بجے یہ کرشمہ کرامت دیکھا گیا۔ قصیدہ کے لفافہ میں ایک عرضداشت ہے۔ اوس سے قصیدہ کی حقیقت، اور خود اوس نظم سے طرزِ نگارش کی جدت ظاہر ہو جائیگی۔ حضرت کے انبساطِ خاطر کی واسطے یہ ایجاد ہے۔ مجھے ہر طرح کی نظم و نثر سے آپکی خوشی اور خوشنودی مراد ہے۔ انجامِ قصیدہ میں جو قرض کے گلے پائے جائیں، اوس مجموع میں سے اہلِ بازار منہائی کئے جائیں۔ کوٹھی والے ساھوکار »چہل خلیفہ« گئے جائیں۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار ترقیِ عمر و دولتِ خداوند کا طالب غالب۔ نگاشتہ دو شنبہ ۲۱، اور روان داشتہ سہ شنبہ ۲۲ اگست سنہ ۱۸۶۵ء۔

(۵۴)

حضرت ولیِ نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ مین طیب نہیں، مگر تجربہ کار ہوں۔ ستر برس کا آدمی ہوشیار ہوں۔ اور سے یہ کہا نہیں جاتا۔ حضرت پر بغیر ظاہر کئے رہا نہیں جاتا۔ خدا جانے اور طیب کیا سمجھے ہونگے کہ کیا تھا۔ میرے نزدیک بہ اشتراکِ معدہ و قلب یہ مرض طاری ہوا تھا۔ اب آپ کو حفظِ صحت کی واسطے گاہ گاہ نارجیلِ دریائی و جدوار کا استعمال ضرور ہے۔

(۱) میرزا صاحب نے یہاں لفظ قرضدار بجای قرضخواہ استعمال کیا ہے۔ یہ استعمال عامیانہ ہے۔ اسلیٰ اسی اونکی پریشانی اور ضعف دماغ پر محمول کرنا چاہی۔ سند بنانا درست نہیں ہوگا۔

اور معجونِ طلائیِ عبری تقویتِ قلب میں مجوزہ حکیم بیر علیخان مغفور ہے۔ ورقِ طلا، عنبرِ اشہب، عرقِ کیوڑہ، قند۔ کثرتِ اجزا اس ترکیبِ خاص میں ناپسند۔ کثیر الاجزا اور معجونین ہیں۔ مفرحِ بوعلی سینا، خمیرہ مروارید، خمیرہ گاؤزبانِ عبری، ماء اللحمِ غیر مُنثی، جس میں طیور کے گوشت اور ادویہ مفرح و مقوی حرارت و برودت میں معتدل^(۱)۔ گاہ گاہ سکنجین و گلاب پی لیا کیجئے۔ غذا میں گوشتِ طیور اکثر۔ بیضہ نیم برشت اکثر۔ لیکن یہ خیال رہے، کہ بیضہ مرغ و لحمِ طیور ایک جلسہ میں تناول فرمائیے۔ بکری کے گوشت کیساتھ بیضہ مرغ جائز اور لذیذ اور مرغوب۔ پودینہ کا عرق، چھوٹی الائچی کا عرق ہمیشہ دواخانے میں موجود رہے۔ عطریات کے استعمال میں مبالغہ۔ بعدِ غذا مباشرت سے پرہیز۔ شوربایِ پاچہ گوسفند مائدہ خاص پر موجود رہے۔ بحسبِ رغبتِ طبیعت نوشجان فرماتے رہیے۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
سلامت و صحت کا طالب غالب۔ نگاشتہ سہ شنبہ، و روان داشتہ سہ شنبہ^(۲)۔

(۵۵)

حضرت ولیِ نعمت آیہ رحمت سلامت۔
بعدِ تسلیمِ معروض ہے۔ شرف افزا عطوفت نامہ عزِ ورود لایا۔
اگست ۱۸۶۵ کی تنخواہ کا سو روپیہ از رویِ ہندویِ ملفوفہ معرضِ وصول
میں آیا۔ زیادہ حدِ ادب۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
نجات کا طالب غالب۔ دو شنبہ ۱۱ ستمبر سنہ ۱۸۶۵۔

(۱) بیان کوئی ایک لفظ ساقط معلوم ہوتا ہے۔

(۲) اس عریضہ کی جواب میں ۶ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۵ مطابق ۲۹ اگست سنہ ۱۸۶۵ ع کو نواب خلد آشیان نے تحریر فرمایا: ”وہ قطعہ مفاوضہ لطف آگین، اول مع قصیدہ نادرہ کہ مضامینش مائو ہزاران در غرر معانی بود، و ثانی مشعر رسید ہندوی مبلغ دو صد روپیہ، و ثالث محتوی بر نسخہ های معجون وغیرہ براہ محبت معنوی متواتر یا سہمین ریز گریبان وصول نشاط شمول گشتہ..... حالا مزاج راقم بوجہ خوش و خورم است۔“

(۵۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ چاہتا ہوں کہ کچھ لکھوں۔ مگر نہیں جانتا کہ کیا لکھوں۔ لازم تھا کہ تعزیت نامہ بزبانِ فارسی و عبارتِ بلیغ لکھوں۔ آپکے قدموں کی قسم دل نے قبول نکیا۔ آرائشِ گفتار نظماً او ثراً واسطے تہنیت کے ہے۔ کہ دل کثرتِ نشاط سے گل کی طرح کھل رہا ہے۔ طبیعت راہِ دیتی ہے۔ الفاظ ڈھونڈھے جاتے ہیں۔ معنی پیدا کئے جاتے ہیں۔ اب میں نیمِ مردہ، دل پُرِ مردہ، خاطرِ افسردہ، جس باب میں لفظ و معنی فراہم کیا چاہوں، وہ سراسر طبع کے خلاف۔ جس بات کا تصور ناگوار ہو، اوسکے تذکرے سے جی کیون نہ بیقرار ہو۔ یہ میری قسمت کی خوبی ہے، کہ ہنوز تہنیت اور مدح کا حق ادا نہوا تھا کہ مرثیہ لکھنا پڑا۔ اگر ایک بات میرے خیال میں نہ آئی ہوتی، تو مجھے زندگی دشوار تھی۔ یعنی حضور کو ابتدایِ جلوس میں وہ رنج پہنچا، کہ اوس سے زیادہ تصور میں نہیں آتا۔ پس وسادہ نشینی کی بدایت اور غمگینی کی نہایت یہ چاہتی ہے کہ اب مدۃ العمر ابدأً موبداً حضرت کو کوئی غم نہو۔ ہمیشہ جہاندار و جہانستان و شاد و شادمان رہیں^(۱)۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برسکے ہوں دن پچاس ہزار
آپ کے قدمبوس کا طالب غالب . ۱۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۵ .

(قطعہ تاریخِ رحلتِ سکندر زمانی بیگم)

دریغا کہ ماند تہی قصرِ دولت ز خاتونِ نامی سکندر زمانی
»چوسٹیارِ روضہ« بود سالِ فوتش سپس اسمِ وے باد جنت مکانی

۱۲۸۲

(۱) سکندر زمانی بیگم نواب خلد آشیان کی بیوی تھیں۔ انکی والد صاحبزادہ سید امداد اللہ خان ولد صاحبزادہ سید کفایت اللہ خان ولد نواب سید نصر اللہ خان بہادر، اور والدہ آفتاب بیگم بنت صاحبزادہ سید کریم اللہ خان خلف نواب سید فیض اللہ خان بہادر تھیں۔ سنہ ۱۲۶۲ ہجری میں انکی ساتھ نواب خلد آشیان کی شادی ہوئی۔ نواب سید مشتاق علی خان بہادر عرش آشیان انھیں کو بطن سے تھی (انتخاب یادگار، ص ۲۲۵، و اخبار الصنادید، ج ۲، ص ۲۳۰)۔

(۵۷)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . ہر چند آبدار خانے کے ساتھ ہونے سے پانی کی طرف سے خاطر جمع ہے ، کہ حضور جو پانی ہمیشہ پیتے تھے وہی پیتے ہونگے . مگر ہرج سفر اور اختلاف ہوا کا خیال ہے . توقع رکھتا ہوں کہ نویدِ صحت و اعتدال مزاج اقدس سے عزِ اطلاع پاؤں . بُعد اگرچہ بہت نہیں ، لیکن طبع پر گران ہے . چشمِ شوق و رودِ موکبِ عالی کی نگران ہے . بقولِ استاد بہ تغیر لفظ ”جو تم پھر آؤ تو حضرت پھرین ہمارے دن“ . زیادہ حدِ ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار دوامِ بقایِ حضور کا طالب فقیر غالب . چار شنبہ ۸ نومبر سنہ ۱۸۶۵^(۱)

(۵۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . مراد آباد پہنچا ، بعد پالکی کے اوتر آنے کے پل کا ٹوٹ جانا ، گاڑی اسبابِ یہاں تک کہ رختِ خواب کا مع آدمیوں کے

(۱) یہ خط میرزا صاحب نے رامپور میں لکھا ہے . اس زمانہ میں نواب خلد آشیان دورہ پر تشریف لی گئی تھی . میرزا صاحب نے ششاد علی بیگ رضوان کو لکھا ہے : ”آج شنبہ ۴ نومبر کی ہے . پرسوں نواب صاحب دورہ کو گئی ہیں . فرما گئی ہیں کہ دو ہفتہ میں آؤنگا . آکر چار روز بیان رہیں گی . پھر نمائشگاہ بریلی کی سیر کو جائیں گی“ (اردو معلیٰ ، ص ۳۲۰) . حکیم غلام نجف خان کو نام کے مکتوب میں معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲ نومبر کی صبح تک واپس تشریف نہیں لائے تھی . فرماتے ہیں : ”نواب صاحب دوری سے یا آج شام کو یا کل آجائیں گی . جشن جمشیدی کی تیاریاں ہو رہی ہیں ، (ایضاً ، ص ۲۳۱) . مولانا حالی مرحوم نے یادگار غالب (ص ۴۲ ، نامی پریس) میں لکھا ہے : ”چند روز بعد نواب کلب علیخان مرحوم کا نواب لفٹنٹ گورنر میں ملنے کو بریلی جانا ہوا . انکی روانگی کے وقت مرزا بھی موجود تھے . چلتے وقت نواب صاحب نے معمولی طور پر مرزا صاحب سے کہا ”خدا کو سپرد“ . مرزا نے کہا ”حضرت خدا نے تو مجھے آپ کی سپرد کیا ہے . آپ پھر الٹا مجھ کو خدا کو سپرد کرتے ہیں“ . صاحب اخبار الصنادید (ج ۲ ، ص ۱۳۷) نے بھی اس لطیفہ کو نقل کیا ہے . اور یہ تتبع حالی لطیفہ کا زمانہ وقوع روانگی بریلی بتایا ہے . لیکن میری ناقصِ رائے میں دورہ مذکور بر جاتی وقت یہ لطیفہ کہا گیا ہوگا . واللہ اعلم .

اوسی زمہریر کے میدان میں رہنا، بغیر جاڑے کے کچھ نہ کھانا، خیر جو اونپر گزری وہ جانین۔ مین مراد آباد کی سرا مین ایک چھوٹی سی حویلی مین ٹہرا۔ بھوکا پیاسا کمل اوڑھکر پڑھا۔ یہ شعر اپنا پڑھ پڑھکر صبح کی۔

* گرم فریاد رکھا شکل نہالی نے مجھے *

* تب امان ہجر مین دی برد لیلی نے مجھے *

صبح کو خستہ و رنجور اوٹھا۔ صاحبزادہ ممتاز علیخان بہادر^(۱) کے بھیجے ہوئے دو فرشتے آئے، اوٹھا کر سعید الدین خانصاحب^(۲) کے ہاں لیگے۔ صاحبزادہ صاحب نے وہ تعظیم و تکریم اور سعید الدین خانصاحب نے وہ تکریم و تعظیم کی کہ میری ارزش سے زیادہ تھی۔ ناگاہ مولوی محمد حسن خان بہادر صدرالصدور^(۳) آئے، اور مجھے اپنے گھر لیگے۔ پانچ دن وہاں رہا۔ بھائی نواب مصطفیٰ خان بہادر^(۴) وہیں مجھے آکر ملے۔ دوسرے دن وہ رہگرای۔

(۱) صاحبزادہ ممتاز علیخان بہادر کی متعلق صاحب انتخاب یادگار (ص ۳۹۰) کہتی ہیں: "و نیز، صاحبزادہ محمد ممتاز علیخان ولد صاحبزادہ محمد اعجاز علیخان ولد صاحبزادہ نیاز علیخان ولد صاحبزادہ حسن علیخان ولد جناب مستطاب نواب محمد فیض اللہ خانصاحب بہادر عرش منزل طاب ثراہم۔ ستائیس برس کا سن ہی۔ میر احمد علی رسا کی شاگرد ہیں۔ یہ صاحبزادی نہایت اہلیت شعار ہیں۔ خوش خلق و خوش اطوار ہیں۔ یہ اونکا کلام ہو:"

شوق ہر چند یہ کہتا تھا کہ بوسی لیجی پر ترا نقش قدم مجھسی مٹایا گیا، صاحبزادہ صاحب کو نواب سعید الدین احمد خانصاحب فاروقی کی صاحبزادی منسوب تھیں۔ اس تقریب سی مراد آباد مین سکونت پزیر ہو گئی تھی۔ اور وہیں انتقال کیا۔

(۲) نواب محمد سعید الدین احمد خانصاحب نواب محمد الدین احمد خانصاحب کی بیٹی اور نواب مجید الدین احمد خانصاحب عرف نواب مجو خان مراد آبادی کی چھوٹی بھائی تھی۔ ان کے آباء واجداد مین سی ایک بزرگ قاضی عصمت اللہ فاروقی تھی۔ یہ نواب عصمت اللہ خان بہادر کے لقب سی مفتخر اور عہد عالمگیری مین مختلف صوبوں کے گورنر رہ چکی تھی۔ خود نواب مجو خان بھی بہت بڑی جاگیر کی وارث تھی۔ لیکن غدر سنہ ۵۷ھ مین بھرم بغاوت انھیں پھانسی دیدی گئی، اور اوسوقت سی اس خاندان پر زوال آگیا۔ مراد آباد مین اس خاندان کے اخلاف اب بھی موجود ہیں۔ نواب سعید الدین خانصاحب کی ایک تصنیف "لب لباب رمل" کتابخانہ ریاست مین محفوظ ہو۔ یہ نسخہ بڑی اہتمام سی لکھا گیا ہو۔ اسلئے خیال ہوتا ہو کہ خود مصنف نے تیار کرایا ہوگا۔ اس کے دیاچہ مین اوٹھوں نے اپنی خاندان کی ابتدائی تاریخ اور بعد ازاں سنہ ۵۷ھ مین اسکی بربادی پر ایک مختصر نوٹ لکھا ہو۔

(۳) محمد حسن خانصاحب صدرالصدور مراد آباد کے متعلق کچھ معلوم نہوسکا۔

(۴) نواب مصطفیٰ خان بہادر فرزند عظیم الدولہ سرفراز الملک نواب مرتضیٰ خان بہادر، جہانگیر آباد کے (باقی)

دارالسرور رامپور، اور مین جادہ نور دِ ستم آبادِ دہلی ہوا۔ دو شنبہ ۲۰ شعبان ۱۲۸۲، ۸ جنوری ۱۸۶۶ در غمکدہ پر پہنچا۔ حضور کے اقبال کی تائید تھی۔ ورنہ مین اور جیتا دلی پہنچتا^(۱)۔

- * مغلوبِ غلبہ غمِ دل غالبِ حزن *
- * کاندِر تش ز ضعف توان گفت جان نبود *
- * از رامپور زندہ بدہلی رسیدہ است *
- * ما را بدین گیاهِ ضعیف این گیان نبود^(۲) *

(بقیہ) جاگیر دار اور بڑی صاحبِ علم و خوش گفتار شاعر تھی۔ اردو مین شیفہ اور فارسی مین حمرتی تخلص کرتی تھی (اردو معلی، ص ۱۰۱)۔ ابتدائے حکیم مومن خان سی مشورۂ سخن رہا۔ ان کے انتقال کے بعد میرزا صاحب سے اصلاح لے لگو تھی۔ انھوں نے اردو شعرا کا ایک قابلِ استناد تذکرہ "گلشنِ بیخارہ" فارسی زبان مین تصنیف کر کے خود شایع کیا ہے۔ آشوبِ غدر مین شیفہ بھی مشتبہ قرار دے گئی تھی۔ لیکن آخر کار بری ہو گئی۔ میرزا صاحب سے ان کے بہت مخلصانہ روابط تھے۔ چنانچہ جب میرزا صاحب قاریازی کے الزام مین قید کیے گئے تھے تو انھوں نے بڑی ہمدردی کا اظہار کیا تھا۔ حبسیہ مین میرزا صاحب نے اس خلوص کا اس طرح اعتراف کیا ہے:

خود چرا خونِ خورم از غم کہ بہ غمخواری من رحمت حق بہ لباسِ بشر آمد گوئی
خواجہ هست درین شہر کہ از پرسش وی بایۂ خویشتم در نظر آمد گوئی
مصطفیٰ خان کہ درین واقعہ غمخوار منست نگر بزم، چہ غم از مرگ، عزادار منست

شیفہ نے ۶۳ سال کی عمر مین سنہ ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ع) کو وفات پائی۔

(۱) میرزا صاحب کو یہ مصیبت رامپور سے واپسی کی وقت برداشت کرنی پڑی تھی۔ وہ سنیچر کے دن ۷ اکتوبر سنہ ۱۸۶۵ع کو دلی سے روانہ ہوئے۔ اور بعد قطع منازل ستہ پنجشنبہ ۱۲ اکتوبر کو رامپور پہنچے۔ باقر علیخان اور حسین علیخان اس مرتبہ بھی ساتھ تھے۔ نواب خلد آشیان نے اپنا مہمان خاص بنایا۔ جرنیلی کی کوٹھی اقامت کیلئے عطا فرمائی اور تعظیم، تواضع، اخلاق، کمی بات مین کمی نہ کی۔ آخر مین کھانا کی، اور گھوڑوں اور بیبلوں کے گھاس دانے کی نقدی مقرر کر دی تھی۔ جشنِ تخت نشینی کے بعد میرزا صاحب نے دونوں لڑکوں کو روانا کر دیا۔ سرکار نے وقتِ رخصت ایک ایک دو شالا مرحمت کیا۔ میرزا صاحب خود جعرات کے دن ۲۲ دسمبر کو رامپور سے روانہ ہوئے۔ لیکن سوہ اتفاق سے عرضِ راہ مین بیمار ہو کر مراد آباد مین ۵ دن نہرنا پڑا۔ اسلئے ۸ جنوری سنہ ۱۸۶۶ع کو دن کے گیارہ بجے دلی پہنچے۔ اس سفر مین اونکی دلی سے باہر رھنے کی کل مدت تین ماہ ہوتی ہے۔ مزید تفصیل دیاچہ مین ملاحظہ ہو۔

(۲) میرزا صاحب نے یہ قطعہ سفر کلکتہ کے سلسلہ مین لکھا تھا۔ رای چھج مل کھتری کو سفر مذکور کے واقعات پر مشتمل ایک خط لکھا ہے، جو پنج آہنگ کے ص ۱۰۰ پر درج ہے۔ اوس خط مین یہ قطعہ موجود ہے۔ لیکن وہاں بجای "غلبہ غم"، (سلطوت غم) اور بجای مصرع "نالت" (گویند زندہ) تا بہ بارتس رسیدہ است) تحریر ہے۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
نجات کا طالب غالب۔ چار شنبہ ۲۲ شعبان و ۱۰ جنوری سالِ جشنِ حضور (۱)۔

(۵۹)

حضرت ولیِ نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ والا کے مشاہدہ نے بجکو میری
حیات پر یقین عنایت کیا۔ اس سفر کا حال کیا عرض کروں۔ دلی سے
رامپور تک ذوقِ قدمبوس میں جوانانہ گیا۔ اختلافاتِ آب و ہوا و تفرقہ
اوقاتِ غذا کو ہرگز نمانا۔ اور رنجِ راہ کو ہرگز خیال میں نہ لایا۔ وقتِ
معاودتِ اندوہِ فراق نے وہ فشار دیا، کہ جوہرِ روح گداز پا کر ہر بنِ موسے
ٹپک گیا۔ اگر آپ کے اقبال کی تائید نہوتی، تو دلی تک میرا زندہ پہنچنا
محال تھا۔ جاڑا، مینہ، قبض و انقباض، فقدانِ جوع، فاقہ ہایِ متواتر،
منزلہایِ نامانوس، ہاپوڑ تک آفتاب کا نظر نہ آنا، شب و روز ہوائِ زمہریر
کا جانگزا رہنا۔ بارے ہاپوڑ سے چلکر نیر اعظم کی صورت دکھائی دی۔
دھوپ کھاتا ہوا دلی پہنچا۔ ایک ہفتہ کوفتہ و رنجور رہا۔ اب ویسا پیر
و ناتوان ہوں جیسا کہ اس سفر سے پہلے تھا۔ خدا وہ دن کرے کہ پھر اوس
در پر پہنچوں (۲)۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
نجات کا طالب غالب۔ ۲۱ جنوری سنہ ۱۸۶۶۔

(۱) لفافہ پر ۱۰ جنوری سنہ ۱۸۶۶ تحریر می۔

(۲) نواب خلد آسیان کو میرزا صاحب کے مصائب سفر کی روداد نواب مصطفیٰ خان بہادر کی زبانی معلوم
ہوئی، تو اونہوں نے ۱۷ شعبان سنہ ۸۲ھ مطابق ۵ جنوری سنہ ۶۶ع کو مراد آباد کو پتہ پر میرزا صاحب
کو تحریر فرمایا: "ہ زبانی نواب مصطفیٰ خان بہادر کو دریافت ہوا، کہ مراد آباد میں کچھ طبیعت آپکی
علیل ہوگئی می۔ باستماع اس امر کی باعث کال تردد کا ہوا۔ اسواسطی حوالہ خامۃ محبت نگار کی ہوتا
ہو کہ خیریت مزاج سی مطلع کیجی۔ اور اگر ہنوز طبیعت مائل باعتدال نہو، اور آپکا ارادہ قیام مراد آباد
کا نا درستی طبیعت ہو، تو آپ رامپور میں تشریف لائی۔ یہاں معالجہ بخوبی عمل میں آئیگا۔"
لیکن فرمان کی اصل مثل میں موجود می، اور اوس کے لفافہ پر تحریر می کہ "خط ہذا ہرکارہ
برندہ از مراد آباد بجمت تشریف فرما شدن مرزا نوشہ صاحب بہ دہلی واپس آورد۔ مرقوم ۲۱ شعبان (باقی)

(۶۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . اپنا حال اس سے زیادہ کیا لکھوں کہ آگے ناتوان تھا ، اور اب نیمجان ہوں . برخوردار نواب مرزا خان اپنے مشاہدہ کے مطابق جو میری حقیقت عرض کرے وہ مسموع و مقبول ہو^(۱) .

حضور اس مطلع کے لفظ و معنی کی حدت و جدت کی داد چاہتا ہوں . ہم در قیام زندہ نیم کز برای خویش آنوقت لای نافیہ ام از دوپای خویش ایک غزل نئی طرز کی نئی بحر میں عرض کرتا ہوں^(۲) . یہ جشنِ حال کی نذر ہے . خدا کرے مقبول ہو . زیادہ حدِ ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار نجات کا طالب غالب . ۲۹ مارچ سنہ ۱۸۶۶ .

بحر ہزج مثنیٰ سالم
فعلاتن فعلاتن فعلاتن

* ای خداوندِ خردمند و جہان داورِ دانا *
* وی بہ نیرویِ خرد بر ہمہ کردار توانا *

(بقیہ) سنہ ۱۲۸۲ ھ . اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کو فرمان موصول نہوا . مگر اس عرصہ میں اونکا عریضہ نمبر (۵۸) رامپور پہنچ گیا . اس کے جواب میں سرکار نے ۱۵ جنوری کو تحریر فرمایا : "جو کہ وقت اطلاع انحراف طبیعت آپکو مرکز اعتدال سے بمقام مرادآباد رقیۃ الوداد اس مضمون سے کہ اگر ارادہ قیام مرادآباد کا واسطی معالجہ کر ہو ، تو رامپور کو معاودت کجی ، بیان معالجہ بخوبی عمل میں آئیگا ، ہمدست ہرکارہ کو بھیجا گیا تھا . لیکن آپ وہاں سے روانہ دہلی کو ہو گئے تھے . ہرکارہ خط واپس لایا اور سروسے سے کمال انتظار وصول مفادوضہ خیریت کا تھا . الحمد للہ کہ وصول نیقۃ لطف آگین باعث اطمینان ہوا . " میرزا صاحب کا عریضہ نمبر (۵۹) اسی فرمان کا جواب ہے .

(۱) میرزا صاحب نے ۱۲ مئی سنہ ۶۶ ع کو منشی حبیب اللہ خان ڈکا کے نام ایک خط میں اس سے ملنے جلتی الفاظ میں اپنی حالت بیان کی ہے . فرماتے ہیں : "آگے ناتوان تھا . اب نیمجان ہوں . آگے ہوا تھا . اب اندھا ہوا چاہتا ہوں . رامپور کے سفر کا رہ آورد ہے رشہ و ضعف بصر . جہان چار سطرین لکھیں . اونگیان بیڑھی ہو گئیں . حرف سوچھی سے رہ گئی ، (اردو معنی ، ص ۲۸) .

(۲) یہ غزل کلیات نظم فارسی میں موجود نہیں ہے .

- * ای برفتار و بیدار، بزیائی و خوبی.
 * سروِ نوحاسته آسا، مهِ ناکاسته مانا
 * به ادا پایہ فزایا، بنظر عقدہ کشایا
 * بکرم ابرِ عطایا، بغضب برق سنانا
 * به نگہ خستہ نوازا، بسخن بذلہ طرازا
 * به قلمِ غالیه سایا، به نفسِ عطر فشانا
 * شہِ نشانِ کلبِ علیخان کہ توئی یوسفِ ثانی
 * نبود ثانی و ہمتای تو در دہرِ همانا
 * داتم از حال و مالم خبرے داشته باشی
 * سرِ نوشتِ ازلی گرچہ ندارد خطِ خوانا
 * دشمنم چرخ و تو یینی و فسوزی بعتابش
 * بہ عدو صاعقہ ریزا، بہ حب فیضرسانا
 * جانشینِ تو کند نامِ ترا زندہ بگیتی
 * بادِ فردوسِ برین جایِ تو فردوسِ مکانا
 * غالب از غمِ چہ خروشی، بتوزیاست خموشی
 * با کریمِ ہمہ دان هیچ مگو هیچ مدانا

(۶۱)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیمِ معروض ہے . منشورِ مکرمتِ ظہورِ مع ہندوی عزِ ورود
 لایا . سو روپیہِ تنخواہِ اپریل سنہ ۱۸۶۶ کا معرضِ وصول مین آیا . زیادہ
 حدِ ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برسکے ہون دن پچاس ہزار
 عنایت کا طالب غالب . ۱۴ مئی سنہ ۱۸۶۶ عیسوی^(۱) .

(۱) اس عریضہ کو لٹافہ پر ۱۵ مئی سنہ ۱۸۶۶ تحریر مین . غالباً دوسری دن پوسٹ کیا گیا تھا .

(۶۲)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے۔ کل ایک عرضداشت مع ایک غزل کے ڈاک میں بھیجی گئی^(۱)۔ شام کو منشورِ عطوفت مع ہندوی تنخواہ مئی سنہ ۱۸۶۶ عر وروڈ لایا۔ سو روپیہ معرض وصول میں آیا۔ آج صبحدم وقت تحریر اس عرضی کے حضرت فردوس مکان کا دیوان پیش نظر تھا۔ اوس میں یہ شعر نظر پڑا۔ اوسکے مضمون حکیمانہ و عارفانہ نے بڑا مزہ دیا۔ یقین ہے کہ اوسکو پڑھکر حضرت بھی حظ اٹھائینگے۔

◦ وہ جس طرح سے جسے چاہے اوس طرح پالے ◦
◦ کسیکا کچھ نہیں پروردگار پر لینا ◦

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برسکے ہون دن پچاس ہزار
عرضہ اسد اللہ ترقی خواہ۔ معروضہ دہم جون سنہ ۱۸۶۶۔

(۶۳)

(قطعہ در گزارش سپاس یاد آوری بعالی خدمت جناب مولوی آغا
احمد علی صاحب جہانگیرنگری

◦ مولوی احمد علی احمد^(۲) تخلص نسخہ ◦
◦ در خصوص گفتگوی پارس انشا کردہ است ◦

(۱) میرزا صاحب کا عولہ بالا خط اور غزل مثل میں موجود نہیں ہیں۔

(۲) مولوی احمد علی احمد تخلص جہانگیرنگر (بنگال) کی باشندی اور مدرسہ کلکتہ کی مدرس تھی۔ انھوں نے میرزا صاحب کی قاطع برہان کے جواب میں "موبد برہان" نامی رسالہ تصنیف کیا تھا۔ مذکورہ بالا قطعہ اوسکا جواب ہی (اردو میں، ص ۴۴)۔ میرزا صاحب نے موبد برہان اور چند دیگر رسائل کے جواب میں تیغ تیز نامی رسالہ بھی لکھا ہے۔ اوس میں آغا احمد علی کی باری میں لکھی ہیں: "عریت میں امین الدین می بڑھکر، فارسیت میں برابر، بخش و ناسزا گوئی میں کتر۔ جتنی الفاظ تذلیل کے ہیں، وہ چن چنکر میری واسطی استعمال کئی، اور یہ نہ سمجھا کہ غالب اگر عالم نہیں، شاعر نہیں، آخر (باقی)

- * کیچ و مکران را کہ در سند است و از ایران جدا *
- * شامل اقلیم ایران بے محابا کرده است *
- * قوم برلچ را بایرانی نژادان داده خلط *
- * ترک ترکان سمرقند و بخارا کرده است *
- * در جهان توام بود روی وی و پشت قتل *
- * پیشوای خویش هندو زادہ را کرده است *
- * ہندیان را در زباندانی مسلم داشتہ *
- * تاجہ اندر خاطر والای او جا کرده است *
- * خوش برآمد با ہمہ ہندوستان زایان چہ خوش ! *
- * تکیہ آرے بر ولادت گاہ آبا کرده است *
- * ہر کہ بینی با زبان مولد خود آشناست *
- * سازِ نطقِ موطنِ اجداد بیجا کردہ است *
- * خواجہ را از اصفہانی بودن آبا چہ سود ؟ *
- * خالقش در کشور بنگالہ پیدا کردہ است *

(بقیہ) شرافت و امارت میں ایک پایہ رکھتا ہے۔ صاحب عز و شان ہے۔ عالی خاندان ہے۔ امرای ہند، روسای ہند، مہاراجگان ہند سب اسکو جانتے ہیں۔ رئیس زادگان سرکار انگریزی میں گنا جاتا ہے۔ بادشاہ کی سرکار میں نجم الدولہ خطاب ہے۔ گورنمنٹ کی دفتر میں 'خانصاحب' بسیار مہربان دوستانہ القاب ہے۔ جس کو گورنمنٹ خانصاحب لکھتی ہے۔ اس کو سڑی اور کتا اور گدھا کیونکر لکھوں۔ فی الحقیقت یہ تذلیل بفحوائ 'ضرب الغلام امانۃ المولیٰ' گورنمنٹ بہادر کی توہین اور وضع و شریف ہند کی مخالفت ہے۔ میرا کیا بگڑا۔ مولوی نے اپنا ہاجی بن ظاہر کیا۔ میں نے امین بیدین کو شیطان کی حوالہ کیا۔ اور احمد علی کے الفاظ مذموم سے قطع نظر کیا۔ اور ان کی مطالب علی کا جواب اپنی ذمہ لیا، (تینگز، بحوالہ غالب، ص ۳۴۷)۔ مرزا صاحب کو اس قطعہ کے جواب میں آغا احمد علی کے ایک شاگرد فدا سلہنی نے اسی زمین میں قطعہ لکھا، جس کا جواب غالب کو دو شاگردوں باقر علی خان باقر اور غفر الدین حسین خان سین نے اسی بحر وقافیہ میں دیا۔ فدا نے ان کو دونوں قطعوں کا جواب الجواب لکھا۔ اور ان سب کو بالترتیب 'تینگز تیر تیر' میں شایع کیا۔ کتابخانہ میں یہ کتاب موجود ہے۔ اور اپنی دلچسپی کی بنا پر قابل مطالعہ ہے۔ مولوی احمد علی نے سنہ ۱۲۸۰ ف میں انتقال کیا (تاریخ لطیف مصنفہ مہدیعلیخان تحویلدار کتب خانہ، ص ۱۵)۔ یہ سال فصلی سنہ ۱۲۹۰ ھ اور سنہ ۱۸۷۳ ع کے مطابق ہوگا (تشریح السنین قلی، ص ۱۷۹، فن ہیئت اردو نمبر ۱)۔

* با قتل و جامع برهان و لاله ٹیک چند *
 * لابه و سوگیری و لطف و مدارا کرده است *
 * داور یگاہے بنا فرمود و دروی هر سه را *
 * منصف و صدر امین و صدر اعلیٰ کرده است *
 * گر چنین با هندیان دارد تولا در سخن *
 * من هم از هندم چرا از من تبرا کرده است *
 * کرده است از خوبی گفتار من قطع نظر *
 * ظلم زین قطع نظر بر چشم بینا کرده است *
 * میل او با هر کسے از هند و حیفش خاص من *
 * حیف و میلے با دو عالم شور و غوغا کرده است *
 * مطلب از بد گفتن من چیست؟ گوئی، نیکمرد *
 * مزد این کار از حق آمرزش تمنا کرده است *
 * ور چنین نبود چنان باشد که در عرض کمال *
 * تا بر آرد نام این هنگامه برپا کرده است *
 * صاحب علم و ادب، وانگه ز افراط غضب *
 * چون سفیهان دقت تفرین و ذم وا کرده است *
 * در جدل دشنام کار سوقیان باشد، بلے *
 * ننگ دارد علم از کاریکه آغا کرده است *
 * انتقام جامع «برهان قاطع» می کشد *
 * آنچه ما کردیم باوی، خواجه با ما کرده است *
 * من سپاهی زاده ام، گفتار من باید درشت *
 * وای بر وے گر به تقلید من اینها کرده است *
 * زشت گفتم، لیک داد بذله سنجی داده ام *
 * شوخی طبعے که دارم این تقاضا کرده است *

* میکند تاآید «برهان»، لیک برهان ناپدید *
 * نیست جز تسلیم قولش هرچه انشا کرده است *
 * سستی طرزِ خرامِ خامه «برهان» نگار *
 * یا نمیدانست، یا دانسته اخفا کرده است *
 * بهر من توهین و بهر خویش تحسین جا بجا *
 * هم مرا هم خویش را در دهر رسوا کرده است *
 * آید و بیند همان اندر کتابِ مولوی *
 * هرچه از هنگامه گیران کس تماشا کرده است *
 * لغو و حشو و ادعای محض و اطنابِ مل *
 * مار و موش و سوسمار و گربه یکجا کرده است *
 * بگزر از معنی، همین الفاظِ برهم بسته بین *
 * باده نبود، شیشه و ساغر مهیا کرده است *
 * یاقم از دیدنِ تاریخهای آن کتاب *
 * خود بدم گفتم و باحبابِ خود ایما کرده است *
 * غازیان همراهِ خویش آورده از بهرِ جهاد *
 * تانه پنداری که این پیکار تنها کرده است *
 * جوش زد از غایتِ قهر و غضبِ خون در دلش *
 * تا زبانش را بدین کَلَسْتَرَه^(۱) گویا کرده است *
 * آتشِ خشمی که سوزد صاحبِ خود را نخست *
 * در دلش، همچون شر در سنگ، ماوا کرده است *
 * چون نباشد باعثِ تشنیعِ جز رشک و حسد *
 * باد غالب خسته تر گر خسته پروا کرده است *

(۱) کلّیتره بفتح کاف و سکون لام و فتح بای فارسی احقانه کلام.

از جانبِ آمرزشخواہِ جرمِ بیراہہ روی اسد اللہ خانِ غالب دہلوی] (۱)۔

(۶۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت ۔

بعدِ تسلیم معروض ہے ۔ آج شنبہ ۱۰ ماہِ اگست سنہ ۱۸۶۶ کی ہے ۔ فقیر چشمِ براہ تھا ، کہ اب ڈاک کا ہرکارہ آتا ہے ، اور ہندویِ ملفوفہ نوازشنامہ لاتا ہے ۔ ناگاہ اسوقت ڈاک کا آدمی ایک خط برخوردار منشی سیلچند^(۲) کا لایا ۔ اوس میں مندرج تھا کہ تو نے جون سنہ حال کی تنخواہ کی رسید کیوں نہ بھیجی ۔ اور بعد اسکے یہ لکھا تھا کہ جولائی کی تنخواہ کی چٹھیاں ہوتی جاتی ہیں ۔ اب دو ایکدن میں تیری تنخواہ بھی بھیجی جائیگی ۔ متحیر کہ یا رب میں حسبِ معمول تنخواہِ جون کی رسید ارسال کر چکا ہوں ۔ اب دوبارہ رسید کیوں مانگی جاتی ہے ۔ پھر یہ تو گویا پیامِ مرگ تھا کہ جولائی کی تنخواہ اب روانا ہوگی ۔ یا رب ۱۰ کو وعدہ ، ۱۳ ، ۱۴ کو چلے گی ۔ بیسویں تک مجھے پہنچگی ۔ اور میرا حال یہ کہ انگریزی تنخواہ گھر میں اور کچھ قرض کی قسط میں جاتی ہے ۔ حضور کے عطیہ پر میرا اور شاگرد پیشہ کا اور حسین علی کا گزارا ہے ۔ عالم الغیب جانتا ہے جس طرح گزرتی ہے ۔ چار سو ساڑھے چار سو کا قرض باقی ہے ۔ اب کوئی قرض بھی نہیں دیتا ۔ خلاصہ دو عرضیں ہیں ۔ ایک تو یہ کہ میں جون کی تنخواہ کی رسید بھیج چکا ہوں ۔ اگر ڈاک میں تلف ہوگئی ہو تو اور لکھ بھیجون ۔ دوسری یہ کہ اس مہینے کی ، یعنی جولائی کی ، تو تنخواہ خیر ۲۰ ماہِ اگست تک پہنچ جائیگی ۔ آئندہ کو حکم ہو جائے کہ ہر مہینے کی پہلی دوسری کو فقیر کی تنخواہ ، کہ وہ محض صیغۂ خیرات ہے ، بھیجی جایا کرے ۔

(۱) دارالانشاء کے فائل میں یہ قطعہ منسلک اور اسکی لفافہ پر ۳۱ جولائی سنہ ۱۸۶۶ ع تاریخ درج ہو ۔ مرزا صاحب نے اسکو اکل المطابع میں بکرخہ طبع کرا کر اپنی احباب کو تحفہ بھیجا تھا ۔ چونکہ یہ بغیر عریضہ کی نوابصاحب کو ارسال کیا گیا تھا ، اسلئے میز متن میں شامل کرنا مناسب خیال کیا ۔

(۲) منشی سیلچند کیلئے خط نمبر ۱۰۹ کا ذیل ملاحظہ ہو ۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
نجات کا طالب غالب .

(۶۵)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ پہلے اپنا حال عرض کر لون، تب کچھ اور مدعا لکھوں۔ غم نے بشمول بڑھاپے کے پست و مضمحل کر دیا ہے۔ حضرت کے قدموں کی قسم! نہ حواس درست، نہ رای صحیح۔ برسوں سے مکروہات میں مبتلا رہتے رہتے اب طاقت تحمل کی نہی۔ خدا جانے کیا ہوتا ہے، کیا سمجھتا ہوں۔ کیا کرنا چاہئے، کیا کرتا ہوں۔ کل آخر روز میر منشی حضور کا خط آیا۔ جون کی تنخواہ کی رسید کے نہ پہنچنے کی اطلاع پائی۔ تہیدستی و قرض کے رنج میں خستہ و آزرده بیٹھا تھا۔ اسی وقت عرضی لکھی۔ اگرچہ ڈاک کا وقت تھا، مگر بھیج دی۔ آج آخر روز توقیع و قیوع مع جولائی کی تنخواہ کی ہنڈوی کے پہنچا۔ ہنڈوی مختار کار کو دی، اور یہ عرضی لکھنے بیٹھا۔ لکھکر لفافہ کر رکھتا ہوں۔ کل صبحدم ڈاک میں بھیج دوں گا۔ اگر عرضی سابق میں کوئی بات گستاخی و دیوانگی و بدحواسی کی ہو، توفیق کی خطا معاف ہو۔ میر منشی صاحب کے اگر مخالف طبع کوئی لفظ ہو تو وہ بھی درگزر کریں۔ جون کی تنخواہ کی رسید کا لفافہ ڈاک میں گم ہو گیا ہوگا۔ اگر دین بھی بھول گیا ہوں تو بعید نہیں۔ بلکہ اغلب ہے کہ غالب کو سہو ہوا ہو۔ ملازمان در دولت پر ظاہر ہو کہ جون کی تنخواہ جولائی میں، اور جولائی کی اگست میں میں نے پائی۔ آئندہ ہر انگریزی مہینے کی دوسری تیسری کو روانگی ہنڈوی کا متوقع ہوں۔ زیادہ حد ادب (۱)۔

(۱) نواب خلد آشیان فی ۱۳ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۳ھ مطابق ۲۵ اگست سنہ ۱۶۶۷ع کو جواباً تحریر فرمایا: رسید ثانی ضرور نہیں ہے۔ اور حسب الامسا واسطو بھیجی جانی ہنڈوی مشاہرہ آپکی اسطور پر کہ تاریخ پہلی یا دوسری تک آپکو پاس پہنچ جایا کری، حکم بنام اہالی سرشتہ کو صادر ہو گیا ہو،۔

تم سلاہت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
۱۳ اگست سنہ ۱۸۶۶ء عفو و رحم کا طالب غالب۔

(۶۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت مدظلہ العالی۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ توقیع وقیع مع دیباچہ شرح اشعار بدر
چاچی^(۱) عز و رود لایا۔ کیا عرض کروں کہ کیا عالم نظر آیا۔ واقعی افتتاح
کلام بطرز میرزا طاہر وحید^(۲)، اور پھر نگارش مطالب بشیوہ میرزا
جلالای طباطبائی^(۳) ہے۔ لیکن دونوں صورتوں میں دیباچہ اعجاز خسروی^(۴)
کا رنگ جلوہ گر ہے۔ پس ناقد بصیر کے نزدیک یہ نگارش، طاہر وحید
اور جلالا کی عبارت سے بہتر ہے۔ یہ عرضداشت جلد بھیجتا ہوں، تاکہ
حضرت پر پہنچنا اوس دیباچہ یا تقریظ کا ظاہر ہو جائے۔
برسات ایسی ہوئی ہے کہ میں باون ترین برس سے یہاں رہتا ہوں۔

(۱) بدرالدین محمد چاچی، چاچ (تاشقند) کی رہنے والی تھی، سلطان محمد بن تغلق (سنہ ۷۲۵ھ - ۷۵۲ھ) کی
عہد میں ہندوستان آئی۔ اور اوسکی مدح سرائی میں اپنی عمر کا بڑا حصہ گزارا۔ سلطان محمد بڑا علم
دوست بادشاہ تھا، اوسنے انکی کافی قدر و منزلت کی، اور غرالزمان، خطاب دیا۔ بدر فی سنہ
۷۵۴ھ (۱۳۵۳ع) میں انتقال کیا۔ انکی قصائد شہرت عام کے مالک ہیں۔ لیکن تلمیحات و کنایات کی
افراط کے سبب سی شیرینی غائب ہو گئی ہے۔

(۲) میرزا طاہر وحید بن میرزا حسین خان قزوینی مشہور شاعر اور نثار ہے۔ یہ قزوین میں پیدا ہوا۔ سنہ
۱۰۵۵ھ (۱۶۴۵ع) میں شاہ عباس صفوی نے اپنا مجلس نویس مقرر کیا، سنہ ۱۱۰۱ھ (۱۶۸۹ع) میں
وزیر بنایا گیا، اور ۱۸ سال تک اسی عہدہ پر رہا۔ یہ فن انشاء میں خاص طرز کا مالک ہے۔ لیکن
اشعار کی شہرت صرف عہدہ وزارت کی بدولت ہوئی۔ طاہر کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔
بعض سنہ ۱۱۰۵ھ اور بعض سنہ ۱۱۰۸ھ لکھتے ہیں۔ لیکن ربو نے لکھا ہے کہ تقریباً سنہ ۱۱۲۰ھ
(۱۷۰۸ع) میں انتقال کیا۔

(۳) میرزا جلالائی طباطبائی اصفہان میں پیدا ہوا۔ سنہ ۱۰۴۴ھ (۱۶۳۴ع) میں ہندوستان آیا، اور شاہ
جہان کی دربار کا مورخ مقرر ہوا۔ مگر ابھی ۵ سال کی تاریخ لکھنے پایا تھا کہ حسادت نے سازش کی،
اور کام رک گیا۔ یہ بھی انشاء میں ایک خاص طرز کا مالک ہے۔

(۴) اعجاز خسروی امیر خسرو دہلوی متوفی سنہ ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ع) کی تصنیف ہے۔ یہ نثر کی ممتاز کتابوں
میں شمار ہوتی ہے، اور نولکشور پریس لکھنؤ میں طبع ہو چکی ہے۔

عرش آرامگاہ اکبر شاہ^(۱) کے عہد میں ایکبار ایسی برسات دیکھی تھی ، یا امسال نظر آئی ہے ۔ اوراقِ مرسلۂ حضور مومین جامہ میں لپیٹ کر بسبیل پارسل ارسال کرونگا ، یا پرسون دو شنبہ کو یا سہ شنبہ کو ۔
تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار روزِ شنبہ یکم ستمبر سنہ ۱۸۶۶ ۔ نجات کا طالب غالب^(۲) ۔

(۶۷)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت ۔

بعدِ تسلیم معروض ہے ۔ منشورِ مکرم ظہور عزِ ورود لایا ۔ سو روپیہ بابت تنخواہِ ماہِ اگست سنہ ۱۸۶۶ معرضِ وصول میں آیا ۔
ثرِ نثرہ تشار^(۳) کے اوراق ۳ ستمبر ماہِ حال کو ارسال ہوئے ہیں ۔
نظرِ انور سے گزرے ہونگے ۔

- (۱) اکبر شاہ، شاہ عالم کا لڑکا اور دہلی کے آخری بادشاہ ظفر کا باپ تھا۔ ۲۳ اپریل سنہ ۱۷۶۰ ع = ۷ رمضان سنہ ۱۱۷۳ ھ کو پیدا ہوا۔ اور ۱۹ نومبر سنہ ۱۸۰۶ ع = ۷ رمضان سنہ ۱۲۴۸ ھ کو ۴۸ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ اسی ۳۱ سال سلطنت کی، اور ۲۸ ستمبر سنہ ۱۸۳۷ ع مطابق ۲۸ جمادی الآخرہ سنہ ۱۲۵۳ ھ کو جمعہ کی دن فوت ہوا۔ اکبر شاہ شاعر بھی تھا، اور شعاعِ تخلص کرتا تھا۔
- (۲) میرزا صاحب کا یہ عریضہ نواب خلد آشیان کے فرمان مورخہ ۱۵ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۳ ھ مطابق ۲۷ اگست سنہ ۱۸۶۶ ع کا جواب ہے۔ القاب و آداب کے بعد نواب صاحب نے تحریر فرمایا ہے: درین ولا تقریظ شرح قصائد بدر چاچی از نوکِ قلم جلوہ خیز گردیدہ۔ اولاً بر دیباچہ صور عبد الرحمن وحید وما بقی بر طرز جلالای طباطبائی نگاشتہ ام۔ چون زیور اصلاح در گنج خانہ عالی طبعیت آن استاد زمانت مخزنست، ہمیں نظر آن نقش باطل را مرسل ساختہ، مرقوم کہ آنچه فطرت کالت مرشار نہ پسندد، خامۂ اعجاز نگار را بر پرچہ ثانیہ علاوہ ازین مجموعہ پریشانی بہ تلافیش تکلیف تحریر دہند۔ و بامرع ازمنہ دیدہ سفیدان این دیار را از سرمۂ جواہر آگین جواب باصواب مسرور وشادمان سازند۔ شرح قصائد بدر چاچی، جسکا فرمان میں ذکر ہے، مولوی محمد عثمان خان بہادر مدار المہام کی تصنیف ہے۔ خان موصوف نواب خلد آشیان کی خدمت میں عہد ولیعہدی میں آمد و رفت رکھتے تھے۔ زبان فارسی اور حساب وغیرہ میں بخوبی واقف، اور قدری عربی آشنا تھے۔ جب نواب صاحب تخت نشین ہوئے، تو ان کا تقرب اور رسوخ یہاں تک بڑھا، کہ ریاست کے مدار المہام بنادتی گئی۔ مزاج میں قدری درشتی اور جبر تھا۔ اسوجہ سے ۱۱ ربیع الاول سنہ ۱۲۹۰ ھ (۱۸۷۳ ع) کو ایک بٹھان کے ہاتھ میں زخمی ہو کر ۱۲ ماہ مذکور کو انتقال کر گئے (اخبار الصنادید، ج ۲، صفحہ ۱۵۲-۱۵۶)۔
- (۳) اس نثر میں مذکورۃ بالا تقریظ شرح قصائد بدر چاچی مراد ہے۔

اردو کا دیوان ایک شخص کو دیا ہے۔ فارسی دیوان کا شیرازہ کھول کر چند شخصوں کے حوالے کیا ہے۔ بعد اتمام تحریر نذر کیا جائیگا^(۱)۔ بھائی ضیاء الدین خان^(۲) کا مجموعہ نثر و نظم فارسی و اردو، سراسر دیکھا ہوا میرا، جو اونکے کتابخانہ میں تھا، غدر میں لٹ گیا۔ بعد غدر ذوق شعر باطل اور دل افسردہ ہو گیا۔ دو تین غزلین، فارسی، ہندی، جو لکھی ہیں، اوسکا انتخاب بھی پہنچیکا۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برسکے ہون دن پچاس ہزار

(۱) نواب صاحب فی ۱۳ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۳ ھ مطابق ۲۵ اگست سنہ ۱۸۶۶ ع کو میرزا صاحب کو تحریر فرمایا تھا : ... مطلب دگر، جو کہ راقم کو ترتیب بیاض اشعار منتخبہ اساتذہ پارسی و اردو کی منظور ہو، اسواسطی حوالہ خامہ محبت نگار کے ہوتا ہے کہ آپ انتخاب دیوان فارسی اور اردو اپنی کا فرما کر مع انتخاب کلام ضیاء الدین خانصاحب لطف کریں، تا شامل انتخاب کے، جو اس سرکار میں عمل میں آیا ہے، ہو جائے۔ میرزا صاحب فی حسب الحکم اردو دیوان کا انتخاب ۷ ستمبر کو اور فارسی کلیات کا انتخاب ۲۴ ستمبر کو ارسال کیا۔ یہ دونوں انتخابات جو حسب تصریح فرمان مورخہ ۱۹ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۸۳ ھ مطابق ۳۰ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ ع اس تاریخ سے قبل موصول ہو چکی تھیں، کتب خانہ سرکاری میں محفوظ ہیں، اور ضروری حوائی و مقدمات کے ساتھ انشاء اللہ عنقریب شائع کئے جائیں گے۔

(۲) نواب ضیاء الدین احمد خان بہادر نواب احمد بخش خان والی فیروزپور جہر کہ وجاگیردار لوہارو کے خلف اصغر تھے۔ انکی چچازاد ہیں غالب سے منسوب تھیں۔ لیکن اس نسبی رشتہ کے علاوہ اہم رابطہ یہ تھا کہ نوابصاحب فن شعر میں غالب کے شاگرد تھے۔ یہ فارسی میں نیز اور اردو میں رخشانیہ تخلص کرتے تھے (اردو میں، صفحہ ۱۰۰)۔ انکی سلامتی ذوق و حسن طبیعت مسلم ہے۔ خود میرزا صاحب بھی اسکو معترف تھے، اور انہیں اپنا نمونہ کہتے تھے۔ کلیات فارسی میں انکی مدح میں ایک قصیدہ ہے۔ اوس میں میرزا صاحب فرماتے ہیں :

بنکتہ شیوہ شاگرد من بمن باناست صنم بصورت خودی تراشد آذر من
اگر چہ اوست ارسطوی ومن فلاطونم بود پیایہ ارسطوی من سکندر من

ضیاء الدین خان کی پاس کتابوں کا بڑا نایاب ذخیرہ تھا۔ الٹ صاحب فی تاریخ ہند کی ترتیب میں اوس سے استفادہ کیا ہے۔ اس کتب خانہ کے متعلق مرزا صاحب لکھتے ہیں : میرا ایک نسبی بھائی ہے نواب ضیاء الدین خان سلمہ اللہ تعالیٰ۔ وہ میری نظم و نثر کو فراہم کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ مجمع ثرین، اور کلیات نظم فارسی اور کلیات نظم اردو سب نسخے اوسکی کتب خانہ میں تھے۔ وہ کتابخانہ کے، ڈر کر عرض کرتا ہوں، ۲۰ ہزار روپیہ کی مالیت کا ہوگا، لٹ گیا۔ ایک ورق نہیں رہا، (عرد ہندی، صفحہ ۲۹)۔ نواب ضیاء الدین خان بہادر فی سنہ ۱۳۰۲ ھ مطابق سنہ ۱۸۸۳ ع میں وفات پائی۔ میر مہدی مجروح فی مصرع اب نہ باقی رہی وہ رونق نثر دہلی، سے ہجری سال نکالا ہے (تاریخ لطیف، ص ۲۴۱)۔

اسد اللہ بیدستگاہ . دو شنبہ ۱۰ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ .

(۶۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . خاطر اقدس میں نگرے کہ غالب تعمیل احکام میں کاہل ہے . بصارت میں فتور . ہاتھ میں رعشہ . حواس مختل . ناچار کاتب کی تلاش کی . شہر سراسر ویران ہے . کاتب کہاں ؟ بارے ایک دوست نے کاتب نشان دیا . اردو کا دیوان ، اشعار پر صاد کر کے ، اوسکو حوالہ کیا . کل وہ اجزای منقولہ آئے . آج بطریق پارسل مع اس عرضی کے ارسال کئے . خط کاتب کا مجکو پسند نہیں آیا . حضرت کو کیونکر پسند آئیگا . اغلاط اتنے تھے کہ مجکو تحریر کی برابر محنت پڑی . فارسی کے کلیات کا شیرازہ کھولکر اجزا اوسکے احباب پر تقسیم کر دیئے ہیں . جا بجا اشعار پر صاد کر دیئے ہیں . وہ بھی میرے انتخاب کے مطابق نقل ہو رہے ہیں . بعد اتمام وہ بھی پیشکش کرونگا . زیادہ حد ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار

ترحم کا طالب غالب . سہ شنبہ ۱۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ .

(میرزا صاحب نے اصلاح تقریظ شرح بدر چاچی کے سلسلہ میں

۱۹ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ ع کو ایک عریضہ روانا کیا تھا . مثل میں اوسکا لفافہ

موجود ہے . میر منشی صاحب لہکتے ہیں : « اصل خط کہ بمقدمہ تقریظ

شرح بدر چاچی بود در حضور پر نور ماند » (۱) .

(۱) یہ عریضہ نواب صاحب کی اس تحریر کا جواب تھا : «... نامہ محبت آئین مع تقریظ بدر چاچی و مضامین اصلاح آگین سرمہ کش چشم وصول گشتہ روشنی بخش عیون دیدہ سفیدان انتظار گردید . چنانچہ نظیر ہمہ الفاظ کہ شاید محالاً بامعان نظر ملاحظہ نشدہ مرسل داشتہ ام . چشم کہ اگر اقوال ابن ہمہ اسانذہ قابل اعتبار باشد فیہا . والا بعد مشاہدہ از چگونگی آن مطلع سازند . المرقوم ۲ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۸۳ ھ مطابق ۱۳ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ ع . اس فرمان کو ساتھ فرہنگ جہانگیری و رشیدی وغیرہ سی تلاش کرکے نظائر روانا کیے گئے تھے . اونکا بیان نقل کرنا باعث طوالت ہوگا .

(۶۹)

حضرت ولیٰ نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . اردو دیوان کا انتخاب بھیج چکا ہوں . یقین ہے کہ حضرت کی نظرِ انور سے گزر گیا ہو . آج فارسی دیوان کا انتخاب بطریقِ پارسل اس عرضی کیساتھ بھیجتا ہوں . اور بھائی ضیاء الدین خان بہادر نے جو اوراق میرے پاس بھیجنے ہیں ، وہ بھی اسی پارسل میں رکھ دئے ہیں . حضرت اس غریب کا مجموعہ نظم و نثر غدر میں لٹ گیا . بعدِ غدر جو کچھ کہا ہے ، وہ یہی ہے جو پہنچتا ہے . اس درویش نے صرف غزلین اور رباعیوں کا انتخاب بھیجا ہے . قصائد و قطعات و مثنویات کا انتخاب ابھی نہیں بھیجا . اگر حکم ہو تو وہ بھی بھیجون . زیادہ حدِ ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
عنایت کا طالب غالب . ۲۴ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ .

(۷۰)

حضرت ولیٰ نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . منشورِ مکرمت ظہور عترِ ورود لایا . سو روپیہ بابت تنخواہِ ماہِ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ معروضِ وصول میں آیا . اشعارِ فارسی و اردو پہنچے . خدا کرے پسند آئیں . افسوس کہ برخوردار نواب مرزا خان نے میرا حال سامعہ اقدس پر عرض نہ کیا . حضور ملک و مال جسکو جسقدر چاہیں عطا کر سکتے ہیں . میں آپ سے صرف راحت مانگتا ہوں . اور راحت منحصر اس میں ہے کہ قرضِ باقی ماندہ ادا ہو جائے ، اور آئندہ قرض لینے کی حاجت نہ پڑے .

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
اسد اللہ بیدستگاہ . ششم اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ .

(۷۱)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . اس عنایت نامے میں ایک فقرہ نظر پڑا کہ جس سے میں کانپ اوٹھا . « مرا ازان مشفق واسطۂ تلذذ بوده است » (۱) . یہ ذلیل کو عزت دینی اور دکان بے رونق کی خریداری کرتی ہے . میں تو حضرت کو اپنا استاد اور اپنا مرشد اور اپنا آقا جانتا ہوں .

بدو فطرت سے میری طبیعت کو زبانِ فارسی سے ایک لگاؤ تھا . چاہتا تھا کہ فرہنگوں سے بڑھکر کوئی ماخذ مجھ کو ملے . بارے مراد برآئی . اور اکابرِ پارس میں سے ایک بزرگ یہاں وارد ہوا . اور اکبر آباد میں فقیر کے مکان پر دو برس رہا . اور میں نے اوس سے حقائق و دقائق زبانِ پارسی کے معلوم کیے . اب مجھے اس امرِ خاص میں نفسِ مطمئنہ حاصل ہے . مگر دعویٰ اجتہاد نہیں ہے . بحث کا طریق یاد نہیں (۲) .

میان انجو جامعِ فرہنگِ جہانگیری (۳) ، شیخ رشید راقمِ فرہنگ

(۱) مرزا صاحب کو ۱۹ ستمبر کو عریضہ کے جواب میں نواب خلد آشیان فی جو فرمان لکھا تھا اوسکا ام فقرہ مرزا صاحب نے نقل کیا ہو . نواب صاحب فرماتی ہیں : « نسیان خامہ کہ در تحریر معانی شعر عرفی و ہم بہ تحقیق لفظ ارتنگ و ارژنگ گوہر بار گردیدہ بر خاطر اخلاص فروش ہر آئینہ مخنی و محتجب میباید کہ اکثر مالک رقابان علم لغت ارتنگ و ارژنگ را بمعنی واحد پنداشتہ اند . و عامۃ مفسران کلام شیرازی مشار « آشیان چیدن » را مرادف آشیان بستن نگاشتہ . چنانچہ نظائر ہر یکی ملفوف عبرین نامہ ہذاست بمطالعہ خواہد رسید . معہذا اگر طبع آن اوستاد زمان بہ ترقیم الفاظ بالا فی الجملہ نفوری داشتہ باشد همچنان حوالہ قلم نمائند کہ مبحث عنہ را از تقریظ اصلاح شدہ چون نفسانیت خود نحو سازم . زیرا کہ مرا ازان مشفق واسطۂ تلذذ بوده است . نہ از عرفی و دیگران . اما نظیری کہ بہ نظرم گذشتہ است ، صرف برای اطلاع بہ تحقیق ہذا مندرج گردیدہ . المرقوم ۲۱ جمادی الاول سنہ ۱۲۸۳ ھ مطابق ۲ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ ع . »

(۲) ملا عبد الصمد کی شاگردی کے متعلق اردوی معلیٰ میں متعدد جگہ اور قاطع برہان میں ص ۷ پر میرزا صاحب نے تصریح کی ہو .

(۳) میان انجو کا نام جمال الدین حسین بن شاہ حسن انجوی شیرازی اور لقب عضد الدولہ ہو . انکی آبا و اجداد فارس کے شہر آفاق شہر شیراز کے باشندے تھے . یہ وہیں پیدا ہوئی . بعد ازان بتلاش روزگار ہندوستان آئی ، اور بقول محمد حارثی بدخشی سنہ ۱۰۳۵ ہجری (۱۶۲۶ ع) میں آگرہ میں انتقال کیا . فرہنگِ جہانگیری ہندوستان کے مغل بادشاہ نور الدین جہانگیر بن جلال الدین اکبر کے نام معنون ہو .

رشیدی^(۱) عظیمی عجم میں سے نہیں۔ ہند انکا مولد۔ ماخذ انکا اشعار قدما۔
 ہادی انکا ان کا قیاس۔ ٹیک چند^(۲) اور سیالکوٹی مل^(۳) انکے پیرو۔
 سبحان اللہ ہندی بھی، اور ہندو بھی! نور علی نور!!

فقیر اشعار قدما کا معتقد۔ اون لوگون کے کلام کا عاشق۔ مگر
 جو لغات اونکے کلام میں ہیں، اوسکے معنی تو اہل ہند نے اپنے قیاس سے
 نکالے ہیں۔ میں انکے قیاس پر کیونکر تکیہ کروں۔ اب جو پیر و مرشد نے لکھا
 کہ «ارتنگ و ارژنگ متحد المعنی اور آشیان ساختن و بستن و چیدن گھونسلا
 بنانے کے معنی پر ہے»، تو میں نے بے تکلف مان لیا۔ لیکن نہ اون صاحبون
 کے قیاس کے بموجب، بلکہ اپنے خداوند نعمت (کے)^(۴) حکم کے مطابق۔
 تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
 انصاف کا طالب غالب۔ ۷ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ء^(۵)۔

- (۱) شیخ رشید کا نام عبد الرشید الحسنی ہو۔ انکے آبا واجداد مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے۔ یہ خود شہر
 ٹھٹھہ میں پیدا ہوئے۔ منتخب اللغات اور فرہنگ رشیدی انکی تصنیف ہیں۔ خزائن عامرہ (ص ۲۴)،
 نولکشور پریس) میں انکا سال وفات ۱۰۷۷ ہجری (۱۶۶۶ع) لکھا ہو۔
- (۲) لالہ ٹیکچند بہار تخلص بہار عجم کے مواف ہیں۔ یہ خان آرزو متوفی سنہ ۱۱۶۹ ہجری (۱۷۵۵ع) کے شاگرد
 اور اردو، فارسی کے شاعر تھے۔
- (۳) سیالکوٹی مل وارسٹہ تخلص مصطلحات شعرا کے مصنف ہیں۔ یہ میر محمد علی رائج سیالکوٹی
 متوفی سنہ ۱۱۴۹ھ (۱۷۳۶ع) کے شاگرد تھے۔
- (۴) یہاں لفظ «کے» ساقط ہو گیا ہو۔ آئندہ عریضہ میں مرزا صاحب کے اس عبارت کو دہرایا ہو۔
 وہاں یہ لفظ موجود ہو۔ اسلئے میں نے بریکٹ میں بڑھا دیا۔
- (۵) اصل خط میں سہو ۱۷ تاریخ درج ہو گئی ہو۔ صحیح سات ہو۔ اسلئے کہ اولاً تو خود میرزا صاحب
 ہی نے اس خط کے لافافہ پر ۸ اکتوبر تاریخ لکھی ہو۔ جسکو یہ معنی ہیں کہ تاریخ کتابت کے
 دوسری دن یہ خط پوسٹ کیا گیا تھا۔ ثانیاً نواب خلد آشیان نے اس خط کا جواب، جو آگے
 آ رہا ہو، تیرہ اکتوبر کو دیا ہو۔ اور ظاہر ہو کہ جس خط کا جواب تیرہ کو لکھا جائے وہ
 خود سترہ کا مکتوب نہیں ہو سکتا۔ میرزا صاحب کے عریضہ کے بعض کنایات سے ناخوش
 ہو کر نوابصاحب نے جواباً تحریر فرمایا: «... مکتوب حیرت اسلوب مشعر اختراع معنی غلط نسبت
 ہندی نژادان پیشین و دیگر اعتراضا، و این کہ راقم را طریقہ بحث باد نیست، موصول مطالعہ گشتہ،
 باعث استعجاب عظیم گردید۔ از آنجا کہ تا حال وری تحقیق و تنقیح امور علمیہ، کہ معاذ اللہ از
 مناظرہ و مناقشہ ہجشم حق بین دوری نماید، امری دیگر بظہور نیامدہ۔ و آنچه حالی خاطر م بود
 بی ریب و رنج حوالہ قلم دفاقت سنج گردیدہ۔ لیکن می نازم بر ذہن مشکاف آن فرید زمان کہ (باقی)

(۷۲)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . آج سہ شنبہ ۱۶ ماہ اکتوبر کے دن کو بارہ بجے کھانا کھا کر بیٹھا تھا ، کہ توقیعِ وقیع آیا . پڑھتے ہی کانپ اٹھا ، اور عالم نظر میں تیرہ و تار ہو گیا . اگر حضور کے ارشادات کو بحث تعبیر کیا ہو ، تو مجھے جنابِ الہی اور حضرت رسالت پناہی کی قسم ! اگرچہ فاسق و فاجر ہوں ، مگر وحدانیتِ خدا اور نبوتِ خاتم الانبیاء کا بدل معتقد اور بزبان معترف ہوں . خدا و رسول کی قسم جھوٹی نکھاؤنگا . انکارِ بحث سے مراد یہ تھی ، کہ شعرائِ ہند کے کلام میں جو غلطیاں نظر آتی ہیں ، یا ہندی فرہنگ لکھنے والوں کے بیان میں جو نادرستی ، اور باہم جو اونکے عقول میں اختلاف ہیں ، اوس میں کلام نہیں کرتا . اپنی تحقیق کو مانے ہوئے ہوں . اوروں سے مجھے بحث نہیں . باہمہ ضعفِ حافظہ یاد ہے کہ آخر میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ » ان دونوں باتوں کو میں نے مانا . لیکن نہ فرہنگ لکھنے والوں کی رائے کے بموجب . بلکہ اپنے خداوند کے حکم کے

(بقیہ) نوشتہ ام را بر بحث و اجتناد محمول نموده . امثال ابن کثایہ ہاں تو ، مثل نسبت استاد ی بجناب راقم . و لفظ بحث ، کہ ہر دو خلاف واقع و مورث رنج و غنا است ، نگاشتند . پس اگر آن مشفق را ہمچنین منظور باشد ، اشارتی سازند کہ واسطۂ ترسیل رسائل از فیما بین برداشته شود . ورنہ بنان خامہ را بامور خارج المبحث تکلیف نداده باشند . کہ نتیجہ اش سوائی صدادع الراس امری بتخیال نمی رسد . و راقم پایۂ اعتبار محققان کہ صاحب تصانیف مقبول انام بودہ اند ، از خود زیادہ دانستہ بحوالۂ کلام شان برداختہ . اگر نزد آن صمیم جاوید آنها قابل قبول نبود ، بایست کہ بمران نظم تحریر میساختند . مصلحت اینقدر اطناب سخن از فہم ہمجو منو بیرون . زیادہ ازین نوشتن حکمت بلقان آموختن است . المرقوم ۳ جمادی الثانیہ سنہ ۱۲۸۳ ہجری مطابق ۱۳ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ ع . چونکہ نوابصاحب ک اس فرمان سے اظہار ناخوشی و ناراضگی ہوتا تھا . میرزا صاحب نے فوراً معذرت نامہ مورخہ ۱۶ ماہ اکتوبر لکھکر طلب عفو کیا . نوابصاحب نے معذرت قبول کرتی ہوئی تحریر فرمایا : حالا کہ آن مہربان بشاویںش برداختند از آن دفع شکوک لاحقہ گردید . خاطر لطف مظاہر مقرون جمعیت باشد . المرقوم ۲۱ جمادی الثانیہ سنہ ۱۲۸۳ ہجری مطابق ۳۱ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ ع . لیکن اس کے بعد نوابصاحب نے پھر کوئی نثر اصلاح کیلئے نہیں لکھی . جسکو یہ معنی ہیں کہ ان کی طبیعت کا تکدر کلیۂ دور نہیں ہوا .

مطابق » . یہ کلمہ موجب عتاب نہیں ہو سکتا . اور اگر اسکو گناہ سمجھا جائے . » آخر گناہگار ہون کافر نہیں ہون مین » . گناہ معاف کیجئے اور نویدِ عفو سے مجکو تقویت دیجئے .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برسکے ہون دن پچاس ہزار عفو کا طالب غالب .

(۷۳)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . حضور کے لشکرِ نصرت اثر کا بسپہ سالاری نوابِ معلی القاب جناب مہدی علیخان بہادر^(۱) اکبر آباد پہنچنا، اور خیامِ فلک احتشام کا وہاں نصب ہونا، اور رامپور سے اکبر آباد تک گھوڑوں کی ڈاک کا بیٹھنا، اور حضرت کا سنبھل تک بسیل ڈاک تشریف لیجانا، اور وہاں مزاجِ اقدس کا ناساز ہونا، اور دار السلطنت کو معاودت فرمانا، یوماً فیوماً مسموع ہوا . غرض اس عرضداشت کی تحریر سے یہ ہے ، کہ حصولِ جواب سے آبرو، اور خیریت و عافیتِ مزاجِ مبارک سے عز و اطلاع پاؤں .

اخبار مین مسطور ، اور شہر مین مشہور ہے ، کہ حضرت اجلاسِ کونسل کی واسطے حسبِ الحکمِ گورنمنٹ کلکتہ کو تشریف لیجائیں گے . نمکخوار دعا گوئی و مدح گستری مین بہانہ طلب رہتا ہے . اس تقریب کا ایک قطعہ تاریخ سنہ ۱۸۶۶ عیسوی رقم کیا ہے . عرض کرتا ہوں . اگر پسند آئے تو اجازت ملجائے کہ اسکو کسی اخبار مین چھپوا دوں^(۲) :

(۱) صاحبزادہ سید مہدی علیخان بہادر ، نواب سید غلام محمد خان بہادر کو پوتی ، صاحبزادہ سید حفیظ اللہ خان بہادر کو بیٹی ، اور نواب خلد آشیان کو چچا تھی . شعر و سخن کا شوق تھا اور نحیف تخلص کرتے تھے . ابتدا مین نواب فردوس مکات می تلمذ تھا . آخر مین میر احمد علی رسا کو شاگرد ہوئے . ۴۷ برس کی عمر پائی . ستائیسویں ماہ رمضان کو سنہ ۱۲۸۹ھ (۱۸۷۲ع) کو رحلت فرمائی ، (انتخابِ یادگار ، صفحہ ۳۸۴ ، و تاریخِ لطیف ، صفحہ ۲۲۹) .

(۲) نواب خلد آشیان بہادر کو کلکتہ تشریف لیجانے کی متعلق صاحبِ اخبار الصنادید (ج ۲ ، ص ۱۴۰) نے لکھا ہے کہ : » مسٹر جان انگلس صاحب کثرت و ایجنٹ ریاست نے نواب سید کلب علی خان می (باقی)

قطعه

چو نواب از بہر اجلاسِ کونسل بہ کلکتہ از رامپور آورد رخ
عدو را بگیر و بکش زود وی را بجو سالِ اجلاس از «بختِ فرخ»
چو گویند کز کشتنِ وی چہ خواہی بگو حذفِ اعدادِ «وی» اینت پاسخ

اینٹ لغتِ پارسی ہے، مرادف خہے و زہے۔ اور قتل کا مشارالہ
لفظ (وی) ہے جس کے ۱۶ عدد ہین۔ اور (وی) کا مشار (عدو) ہے۔ «بختِ
فرخ» کے ۱۸۸۲۔ جب اس مین سے ۱۶ کم کئے تو ۱۸۶۶ رہے۔ زیادہ حدِ ادب۔
تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
(۱۸ نومبر سنہ ۱۸۶۶) ^(۱)۔

(بقیہ) ہونہاری و بلند اقبالی کو آثار دیکھکر بہت جلد آریبل ایڈمنڈ ڈریمنڈ صاحب لفٹنٹ گورنر صوبجات
متحدہ کی حضور مین رپورٹ کی۔ اور انہوں نے لارڈ لارنس صاحب گورنر جنرل کی خدمت مین
نواب سید کلب علیخان کی لیاقت خدا داد کی اطلاع کی۔ گورنر جنرل نے باظہار مسرت مثل نواب
سید یوسف علیخان کو نواب سید کلبعلیخان کو بھی ایجسائیٹو کونسل مین ممبر تجویز کیا۔ نوابصاحب نے
ہنگام استمراج باوجود ناچاقی طبیعت و ضعف باقتضای عزم بلند میری قبول کی۔ ۲۰ شعبان سنہ ۱۲۸۳
هجری مطابق ۲۸ دسمبر سنہ ۱۸۶۶ ع کو رامپور سے علیگڑھ تک گاڑی کی ڈاک مین اور علیگڑھ سے
کلکتہ تک تخمیناً پانسو مہراہیوں کیساتھ ریل کو ذریعہ سے گئے۔ اثناءِ راہ مین کانپور، الہآباد،
اور بنارس وغیرہ ہر مقام پر حکام نے استقبال کیا اور سلامی سے ہوئی۔ مہراجہ ایمری پرشاد
نرائن سنگھ صاحب جی، سی، ایس، آئی والی کاشی تریس نے بنارس مین بنظر اتحاد قدیمی
دھوم سے دعوت کی۔ کلکتہ مین گورنر جنرل کی طرف سے بطرز مرغوب استقبال ہوا۔ سلامی سے
ہوئی۔ آب و ہوائ کلکتہ نے انکی مزاج سے بھی مخالفت کی۔ اور طبیعت جادۂ اعتدال سے منحرف
رہی۔ پھر بھی کونسل مین کئی اجلاس کئے۔ جب ناسازی زیادہ بڑھی تو حسب اصرار گورنر جنرل
ڈاکٹر بیلی سے علاج شروع ہوا۔ ڈاکٹر کی راہی ہوئی کہ آب و ہوا یہاں کی انکی مخالف ہو۔ بلکہ
قیام کلکتہ سے امراض شدید لاحق ہونیکا اندیشہ ہو۔ مگر نوابصاحب نے اسی قبول نکلیا۔ جب
گورنر جنرل کو اسکا علم آیا، تو بمقتضای محبت خاص بکمال اصرار واپس کیا۔ ۲۷ رمضان سنہ
۱۲۸۳ ھ مطابق ۳ فروری سنہ ۱۸۶۷ ع کو کلکتہ سے رامپور واپس ہوئی۔ میرزا صاحب کو عریضہ
نمبر (۷۵) کے لفافہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب محلۂ کاشی پر کہ مکان نمبر ۵ اور ۷ مین
قیام فرما ہوئے تھے۔ مرزا صاحب کا قطعۂ تاریخ حسبالحکم حضور اخبار دہدبہ سکندری مین طبع
ہوا اور ۳۰ نومبر کو اسکی اطلاع ان الفاظ مین میرزا صاحب کو دی گئی: «تاریخ مذکورہ کہ بر
طرز نو و عہدیم المثال است در اخبار دہدبہ سکندری رامپور طبع گردیدہ شد»۔

(۱) خط مین کاتب کا نام اور تاریخ درج نہیں۔ مین نے قوسین مین لفافہ کی تاریخ اضافہ کردی ہے۔

(۷۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . ایک عرضداشت بھیج چکا ہوں . اوسکا جواب نہیں پایا^(۱) . امیدوار ہوں کہ اس عرضداشت کے جواب سے محروم نہ ہوں . کل دن کو دس بجے سنا کہ عالیجناب نواب مہدیعلیخان بہادر بسواری ریل آئے ، اور املی کے محلے میں ٹہرے ہین . کھانا کھا کر فوراً سوار ہوا . وہاں جا کے سنا کہ نوابصاحب ریل کے اسٹیشن پر گئے ہین . گھنٹا بھر بیٹھا رہا کہ حضرت آئے . آگے غازی آباد کے اسٹیشن پر سے سواری ہوتی تھی . اب ولی محمد سوداگر کی کوٹھنی کے پاس سے^(۲) ، جو ییگم کے باغ کے عقب ہے ، نیا اسٹیشن قرار پایا ہے . سو صاحبزادہ صاحب نے آپ کے حضور میں اطلاع کی ہے . دیکھئے حضرت غازی آباد سے سوار ہوتے ہین یا شہر میں سے . واسطے خدا کے بحکو اپنے روزِ ورود و وقتِ ورود سے اطلاع بخشین . اور اس عرضی کا جواب ایسا جلد عنایت ہو کہ فقیر بیسر و سامان اپنا سامان درست کر رکھے^(۳) .

حضرت کی توجہ باطنی ، جو ہمیشہ میری مصلحِ حال اور افزایشِ عز و وقار کی کفیل ہے ، بعد ادائیِ شکرِ الہی اوسکا سپاس بجالاتا ہوں . پیش از غدر گورمنٹ کے دربار میں ۷ پارچے ، اور جیغہ ، سرپیچ ، مالای

(۱) میرزا صاحب فی جس عرضداشت کا حوالہ دیا ہے وہ اور اوسکا جواب دونوں مثل میں موجود نہیں . غالباً نوابصاحب کے حضور تک نہ پہنچی .

(۲) یہاں لفظ (بی) زیادہ معلوم ہوتا ہے .

(۳) اس عرضہ کے جواب میں ۲۲ دسمبر سنہ ۱۸۶۶ ع کو نواب خلد آشیان فی تحریر فرمایا : چون راقم عنقریب روانہ کلکتہ می شود . چنانچہ برای انتظام گاڑیہای ریل رفت و عوالی مرتب محمد اصغر علی خان رسالدار را روانہ آنجا نموده شد . و هنوز تاریخ رسیدن بمقام اسٹیشن ریل دہلی مقرر نگشتہ ، لهذا حوالہ خامہ مودت نگار می شود ، کہ حال تقرر تاریخ رسیدن آنجا از خان معزی الیہ دریافت نموده شود . بہت ممکن ہے کہ مرزا صاحب فی اصغر علی خان صاحب رسالدار می تاریخ دریافت کی ہو . لیکن مجھے اسکا کوئی ثبوت نہیں مل سکا .

مروارید، تین رقیں جواہر کی بجکو ملتی تھیں۔ بعدِ غدر اگرچہ پسن اور دربار بحال رہا، لیکن خلعت موقوف ہو گیا۔ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب^(۱) کا کل ۱۲ پر چار بجے دربار تھا۔ حکم سب دربارداروں کو پہنچ گیا تھا۔ مین نواب مہدی علیخان صاحب کو رخصت کر کے گھر آیا۔ دو گھنٹے کے بعد دربار مین گیا۔ خیال یہی کہ ملاقات ہوگی۔ ایک رباعی کاغذِ مذہب پر لکھی ہوئی نذر کرونگا۔ کلماتِ عنایت سنکر چلا آؤنگا۔ نہ مجھے کچھ احتمال۔ نہ صاحب کشن بہادر شہر کو علم۔ بارے بروقت ملاقات تعظیم معمولی اور مصافحہ کر کے لاژد صاحب نے کھڑے کھڑے جیغہ، سرپیچ میری ٹوپی پر باندھا۔ اور فرمایا »یہ ہم نے آپ کے واسطے رکھا تھا«۔ مالای مروارید میر منشی نے گلے مین ڈال دی۔ یہ پارچے سات مرحمت ہوئے۔ دوشالہ، ۱۔ کمنواب کا تھان، ۱۔ بنارسی تھان سنہری بوٹے، ۱۔ بنارسی سیلا، ۱۔ الوان کی چادر کنارہ کلابتون، ۱۔ کناویز کا تھان، ۱۔ الوان کی چادر بے کنارہ، ۱۔ مین اس عطیہ کو آپ کی بخششِ معنوی سمجھا ہوں۔ اور دوسری بخشش، یعنی اس خط کے جواب کے جلد حاصل ہونے، کا متوقع ہوں۔ زیادہ حدِ ادب۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برسکے ہوں دن پچاس ہزار
عرضداشت کے جواب کا طالب غالب۔ روزِ سہ شنبہ ۱۸ دسمبر سنہ ۱۸۶۶ء۔

(۱) سر ڈائل میکلوڈ صاحب مراد ہیں۔ یہ لفٹنٹ جنرل ڈکن میکلوڈ کو ہان فورٹ ولیم، کلکتہ، مین ۶ جون سنہ ۱۸۱۰ء کو پیدا ہوئے۔ ولایت جاکر تعلیم پائی۔ سنہ ۱۸۲۸ء مین ہندوستان واپس ہوئے، اور صوبہ بنگال مین ملازمت اختیار کی۔ ۱۸۳۱ء سی ۱۸۴۹ء تک اضلاع ساگر و نربدا، اور بنارس مین رہے۔ ۱۸۵۴ء مین پنجاب کو جوڈیشل کشن ہوئے۔ غدر سنہ ۵۷ء مین لاہور مین تھے۔ ۱۸۶۵ء سی ۱۸۷۰ء تک پنجاب کو لفٹنٹ گورنر رہے۔ اور ۲۸ نومبر سنہ ۱۸۷۲ء کو لندن کی زمین دوز ریل کو ایک حادثہ سی انتقال کر گئے۔ یہ مشرقِ عاوم و فنون کو بڑی حامی تھے، اور چھاتی تھی کہ دیسی زبانوں مین مغربی علوم کی تعلیم دیجائی۔ پنجاب یونیورسٹی اتھی ذو قائم کی ہو۔

(۷۵)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . حضرت کا رونق افزای کلکتہ ہونا از روی شمار رفتار ریل یقینی ہے . مگر وہاں کی آب و ہوا کا موافق آنا ، اور جناب لاژڈ صاحب بہادر^(۱) سے ملاقات کا ہونا ، اور اجلاس کونسل کا وقوع میں آنا ، یہ امور جب تک حضرت رقم نغمہ ننگے ، دعا گو کے خیال میں کیوں کر آئیں گے . ناچار جرات بہم پہنچا کر اس عرضداشت کے جواب میں ان حالات کے انکشاف کا امیدوار ہوں^(۲) .

پیر و مرشد ! حضرت کے تصدق سے قرض ادا ہو گیا . تنخواہ نے قسط سے ، اور میں نے رنج سے رہائی پائی . ہم بدل و ہم بزبان ثناخوانِ جود و نوال ، و دعا گویِ دوامِ دولت و اقبال ہوں . آدھا قرض عطیہ سابق میں ، اور آدھا قرض عطیہ حال میں ادا ہو گیا . کہ نہیں سکتا ، اور بن کہے بنتی نہیں . اگر دونوں لڑکوں کا پچاس روپے مہینہ جنوری سنہ ۱۸۶۷ یعنی ماہِ حال و سالِ حال سے جاری ہو جایگا اور ماہِ بے ماہ فقیر کے روزینہ کے ساتھ پہنچا کریگا تو آپ کا نمکخوار پھر کبھی قرضدار نہوگا . زیادہ حدِ ادب^(۳) .

(۱) لارڈ لارنس مراد ہیں ، جو ۱۲ جنوری سنہ ۱۸۶۴ ع ۱۲ جنوری سنہ ۱۸۶۹ ع تک ہندوستان کو وائسرائے اور گورنر جنرل رہے تھے .

(۲) اس سلسلہ میں نواب خلد آشیان نے ۲۱ جنوری سنہ ۱۸۶۷ ع کو تحریر فرمایا : • • • • • ! مخلص بخیریت تمام بتاريخ ۶ جنوری سنہ حال فائز مقام کلکتہ گردید . و ملاقات جناب مستطاب علی القاب نواب گورنر جنرل بہادر دام شوکتہم و دیگر صاحبان عالیشان و نیز اجلاس کونسل بعنوان شایستہ و طرز بایستہ بہایہ حصول رسید • • •

(۳) دونوں لڑکوں میں باقر علی خان اور حسین علی خان مراد ہیں . یہ دونوں زین العابدین خان عارف ، مرزا غالب کے متنبی بیٹی کے لڑکے تھے . میرزا صاحب چاہتے تھے کہ ان دونوں کو راست رامپور کا باقاعدہ وظیفہ خوار بنا دیں . لیکن ان کی زندگی میں یہ خواہش پوری نہ ہوئی . البتہ میرزا صاحب کے انتقال کے بعد حسین علیخان بزمہ شعرا ملازم ہو گئے تھے .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برسکے ہون دن پچاس ہزار
فیض کا طالب غالب . معروضہ ۸ جنوری سنہ ۱۸۶۷^(۱) .

(۷۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . بہت دن تک متردد رہا ، کہ حضرت
کلکتے میں یا رامپور . چنانچہ ایک عرضداشت اوسی تردد میں بھیجی ابھی
ہے . ہنوز جواب کے آنے کی مدت منقضی نہیں ہوئی . خیر اوسکے جواب
پر کیا موقوف ہے . یہ تو جان لیا کہ حضرت رونق افزایِ رامپور میں . مگر
یہ کیونکر جانوں^(۲) کہ اب بہ خجستگی و فرخندگی یہیں رونق افزا رہینگے .
یا پھر کلکتے تشریف لیجائینگے . خیر اس یعلیٰ کو سہل سمجھ لیا کہ جو کچھ
ہوگا معلوم ہو جایگا . مگر یہ کیونکر جانوں کہ مزاجِ اقدس کیسا ہے . اور
جب تک یہ نجانوں تو آرام کیونکر آئے . یہاں سے رامپور تک برابر تار برقی
بھی نہیں جو خبر منگواؤں . آج ۱۴ فروری کی ہے . یہ خط بھیجتا ہوں .
اگر جواب آئے تو ۹ دن میں . بجکو اتنے دن صبر کیونکر آیکا . الہی آج یا
کل کوئی نوازشنامہ خداوند کا آجائے ! زیادہ حدِ ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برسکے ہون دن پچاس ہزار
خیر کا طالب غالب . ۱۴ فروری سنہ ۱۸۶۷^(۳)

(۷۷)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . توقیعِ عطوفت عزِ ورود لایا . (سو روپیہ

(۱) میرزا صاحب نے یہ عریضہ کلکتہ کے پتہ سے لکھا تھا . چنانچہ لفافہ پر کلکتہ . محلہ کاشی پور .

خانہ لمبر ۷ اور لمبر ۵۰ ایڈریس تحریر ہے .

(۲) اصل خط میں سہواً (جاؤں) رقم ہو گیا ہے .

(۳) لفافہ پر ۱۵ فروری درج ہے . غالباً دوسری دن پوسٹ کیا گیا تھا .

تنخواہ^(۱) فروری سنہ ۱۸۶۷ء حال کا معرضِ وصول میں آیا۔ اس درویش کا حال اب قابلِ گزارش نہیں۔ امراضِ قدیم بڑھ گئے۔ دورانِ سر، اور رعشہ، اور ضعفِ بصر، تین بیماریاں نئی پیدا ہوئی ہیں۔ قلم نہیں بنا سکتا، لڑکوں سے بنوا لیتا ہوں۔ برسوں کی بات نہیں رہی۔ ہفتوں کی یا مہینوں کی زندگی رہ گئی ہے۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
زیادہ حدِ ادب۔ نجات کا طالب غالب۔ ۱۳ مارچ سنہ ۱۸۶۷ء۔

(۷۸)

حضرت ولیِ نعمت آیۃ رحمت سلامت۔
بعدِ تسلیمِ معروض ہے۔ کل صبح کو دو گھڑی دن چڑھے نوروز ہے۔
آج یہ قطعہ ہات تھام کر لکھکر حضور کی نذر بھیجتا ہوں۔
نوروز و دو عید از دو جانب امسال خوب ست زروی وضع و نیک ست بفال
امید کہ این سہ عید نذرِ نواب آرند دوامِ عمر، و عز، و اقبال
تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عز و جاہ روز افزون
نجات کا طالب غالب۔ چہار شنبہ ۲۰ مارچ سنہ ۱۸۶۷ء۔

(۷۹)

حضرت ولیِ نعمت آیۃ رحمت سلامت۔
بعدِ تسلیم و تعظیم معروض ہے۔ ہندویِ ملفوفہ نواز شنامہ کے ذریعہ
سے سو روپیئے مارچ کی تنخواہ کے وصول ہوئے۔

(۱) بریکٹ کی عبارت میرزا صاحب سے سو روپے چھوٹ گئی تھی۔ میں نے دیگر عرایض سے ایزاد کر دی ہے۔

ایک رباعی بھیجتا ہوں، اور یہ چاہتا ہوں، کہ دبدبہ سکندری کے آغاز میں اسکے چھاپنے کا التزام رہے۔

آن کیست کہ جسم ملک را جان باشد آن کیست کہ ہمسرِ سلیمان باشد
آن کیست کہ انجمش بفرمان باشد کس نیست مگر کلبِ علی خان باشد

تم سلامت رہو ہزار برس

ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

نجات کا طالب غالب . ۶ اپریل سنہ ۱۸۶۷ .

(۸۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . نمائشگاہِ سراسرِ سورِ رامپور کا ذکر اخبار میں دیکھتا ہوں، اور خونِ جگر کھاتا ہوں، کہ ہائے میں وہاں نہیں! بالاخانے پر رہتا ہوں . اوتر نہیں سکتا . مانا کہ آدمیوں نے گود میں لیکر اوتارا، اور پالکی میں بٹھادیا . کھار چلے . راہ میں نہ مرا، اور رامپور پہنچ گیا . کھاروں نے جا کر بینظیر میں میری پالکی رکھدی . پالکی قفس، اور میں طائرِ اسیر . وہ بھی بے پرو بال . نہ چل سکون . نہ پھر سکون . جو کچھ اوپر لکھ آیا ہوں، یہ سب بطریقِ فرضِ محال ہے . ورنہ ان امور کے وقوع کی کہاں مجال ہے . بارے تین بیت کا قطعہ تاریخ بھیجتا ہوں . اگر پسند آئے، تو میں خوشنودیِ مزاجِ مبارک سے اطلاع پاؤں^(۱) .

(۱) انتخابِ یادگار (ص ۹۰) اور اخبار الصنادید (ج ۲، ص ۱۳۹) سے معلوم ہوتا ہے، کہ نواب خلد آبادیانی نے سنہ ۱۲۸۲ ہجری مطابق سنہ ۱۸۶۵ ع میں باغِ بینظیر کی نمائش کا آغاز کیا . مورخ الذکر لکھتے ہیں : " سنہ ۱۲۸۲ ہجری مطابق سنہ ۱۸۶۵ ع میں باغِ بینظیر میں ایک میلہ جاری کیا . آٹھ روز بڑی رونق میں یہ میلہ رہتا تھا . مال بکثرت آتا تھا . باغ میں بہت سی دوکانیں ہوتی تھیں اور روہیلکھنڈ کے اکثر معزز روسا اس میلے میں شریک ہوا کرتے تھے . نوابصاحب خود بھی آٹھ روز برابر وہیں مقیم رہتے . اور اکثر اوقات دوکانوں پر تشریف لے جاکر اسبابِ خرید و فروش کو قسم کو قسم کی طرح کی نمائش ہوا کرتی تھی . بائیس میلے نوابصاحب نے کئے . تیئیسواں میلہ قریب تھا کہ رحلت کی . " .

نمایشگہے در خورِ شانِ خویش برآراست نوابِ عالی جناب
 بہ بین چون طرب را نہایت نماند بود سالِ آن «بخششِ بیحساب»
 خدایا! پسندد خداوندگار کہ از طبعِ غالب رود پیچ و تاب
 «بخششِ بیحساب» کے بارہ سو پچاسی ہوتے ہیں۔ «طرب» کی نہایت بای
 موحدہ ہے۔ جب وہ نہی، تو دو عدد گھٹے، اور ۱۲۸۳ رہ گئے۔ فہو المقصود۔
 اگر حضرت کی مرضی ہو، تو دبدبہ سکندری مین یہ تاریخ چھاپی جائے۔
 تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
 داد کا طالب غالب۔ ۱۴ ماہِ اپریل سنہ ۱۸۶۷ عیسوی۔

(۸۱)

حضرت ولیِ نعمت آیہ رحمت سلامت۔
 بعدِ تسلیمِ معروض ہے۔ توقیعِ وقیعِ عزِ ورود لایا۔ اپریل سنہ
 ۱۸۶۷ کی تنخواہ کا سو روپیہ^(۱) معرضِ وصول مین آیا۔ زیادہ حدِ ادب۔
 تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
 نجات کا طالب غالب۔ (۱۴ مئی سنہ ۱۸۶۷)^(۲)۔

(۸۲)

حضرت ولیِ نعمت آیہ رحمت سلامت۔
 بعدِ ادایِ مدارجِ تسلیم سو نچتا ہوں، کہ کیا لکھوں۔ ہے ہے مین
 کیون جیستا رہا، جو صاحبزادہ محمد حسن خان کے مرنے کی خبر سنوں،
 اور خداوندِ نعمت کو تعزیت کے کلمات لکھوں۔ مین نیم جان نمروں، اور
 وہ نوجوان مر جائے^(۳)۔

(۱) میرزا صاحب فی لفظ (روپیہ) کو اوپر حسابی رقوم مین سو روپیہ کی تعداد لکھی ہو۔

(۲) خط مین تاریخ درج نہیں تھی۔ مین فی لافافہ سو یہ تاریخ اضافہ کردی ہو۔

(۳) صاحبزادہ محمد حسن خان بہادر نواب سید غلام محمد خان بہادر کو پرپوتی اور نواب خلد آشیان کی صاحبزادی حیات النساء بیگم ملقب بہ عالیہ سلطان بیگم کی شوہر تھی۔ انھوں فی عین عالم جوانی مین انتقال کیا۔ نواب خلد آشیان کیلئے یہ واقعہ بہت روح فرسا تھا۔ اسیلو میرزا صاحب فی اسقدر پرائر تعزیت نامہ ارسال کیا (اخبار الصنادید، ج ۲، ص ۲۳۰)۔

سروِ چمنِ سروری افتاد ز پاہای !!

حضرت کے رنج و اندوہ کا تصور اور مارے ڈالتا ہے۔ دوسری محرم کو علی بخش خان خانسامان مرے^(۱)۔ تیسری کو یہ واقعہ ہوشربا پیش آیا۔ یہ تو آپ کا فرزندِ دلبد تھا۔ جو اسکا غم ہو وہ بجا ہے۔ پر فقیر جانتا ہے کہ علی بخش خان کے مرنے کا بھی حضرت کو بڑا رنج ہوا ہوگا۔ ایسے کار گزار، دیانتدار، ہوشمند، مزاجدان کہان پیدا ہوتے ہیں۔ بہر حال «رَضِیْنَا بِرِضَاءِ اللہِ»۔ حضرت کے سامنے صبر، وثبات، و تسلیم، و رضا میں کلام کرنا ادريس کو حکمت پڑھانی، اور خضر کو راہ بتانی ہے۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
غالب . ۱۴ مئی سنہ ۱۸۶۷ .

(۸۳)

حضرت ولیِ نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ ورودِ توقیعِ وقیع سے فیض پایا۔ سو روپے^(۲) مئی سنہ ۱۸۶۷ کی تنخواہ کا معروضِ وصول میں آیا۔
تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
اسد اللہ ییدستگاہ . ۱۱ جون سنہ ۱۸۶۷ .

(۸۴)

حضرت ولیِ نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے، کہ توقیعِ وقیع عزِ ورود لایا۔ اوسکی ملفوفہ
ہندوی سے تنخواہ جون سنہ ۱۸۶۷ کا سو روپہ میں نے پایا۔

(۱) علی بخش خان خانسامان کے سلسلہ میں عریضہ نمبر ۲۴ کا حاشیہ ملاحظہ ہو .

(۲) میرزا صاحب نو بیان لفظ (رود) کیساتھ ، جو جمع ہو ، فعل (آیا) استعمال کیا ہو . چونکہ یہ

قواعد زبان کی بہت ابتدائی غلطی ہو ، اسلئے اسوہ تصور کرنا چاہئے .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
ہوا خواہ اسد اللہ . ۱۵ جولائی سنہ ۱۸۶۷ .

(۸۵)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . بتوجہ تحریر میرزا رحیم الدین بہادر حیا^(۱)
کے ، فاضل شطرنج باز کو خرچ دیگر روانہ کیا .

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
اسد اللہ بیدستگاہ . ۲۲ جولائی سنہ ۱۸۶۷ .

(۸۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . آپ کے غلام زر خرید ، یعنی حسین علیخان ،
کی منگنی ہو گئی . اور اپنے کنبے مین ہوئی . یعنی نواب احمد بخش خان
مرحوم کے حقیقی بھائی کی پوتی سے . اور رجب کا مہینا قرار پایا . اب میرے
بڑھاپے اور میری مفلسی کی شرم آپ کے ہات ہے .

نکھون آپ سے تو کس سے کہوں مدعا ضروری الاظہار

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار

نجات کا طالب غالب . ۱۹ اگست سنہ ۱۸۶۷ ع^(۲) .

(۱) صاحبالم میرزا رحیم الدین بہادر حیا بن مرزا کریم الدین رسا دلی کے شاہزادہ اور شاہ نصیر کے شاگرد
تھے . سنہ ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے . غدر سنہ ۵۷ ع سے قبل نواب فردوس مکان کی طلب پر رامپور
تشریف لائے ، اور یہیں سنہ ۱۳۰۴ھ میں نواب خلد آشیان کی وفات کے آٹھ دن بعد ۹۴ سال کی عمر میں
فوت ہوئے . انہیں شعر و شطرنج کا بہت شوق تھا . اردو میں (صفحہ ۸۲) میں معلوم ہوتا ہے کہ
مرزا صاحب نے حیا کے دیوان کا دیباچہ لکھا تھا .

(۲) اس عریضہ کے لفاظیہ پر سہواً ۲۹ اگست درج ہو گیا ہے . نواب خلد آشیان نے ۲۶ ربیع الثانی سنہ
۱۲۸۴ھ مطابق ۲۸ اگست سنہ ۱۸۶۷ ع کو جواباً تحریر فرمایا : چونکہ مفاوضہ بہجت طراز میں
منشای خاص آپ کا بخوبی منکشف ہوا . اس واسطے حوالہ عامۃ محبت نگار کے ہوتا ہے ، کہ آپ خلاصہ
مکدوں خاطر محبت مظاہر میں مطلع کیجئے . کہ بمقتضای انضباط روابط موافقت قدیمہ جو بات کہ
ممکن ہوگی ، وہ ظہور میں آئیگی . خاطر جمع رکھو .

(۸۷)

آن کیست کہ جسمِ ملک را جان باشد آن کیست کہ ہمسرِ سالیان باشد
 آن کیست کہ انجمش بفرمان باشد کس نیست، مگر کلبِ علیخان باشد
 حضرت ولیِ نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیمِ معروض ہے . عنایت نامہ عترِ ورود لایا . اوس مین یہ حکم
 مندرج پایا ، کہ حسین علیخان کی شادی کے باب مین « خلاصہ مکنونِ خاطر »
 عرض کروں . حکم بجا لاتا ہوں ، اور عرض کرتا ہوں .

بجملہ یہ کہ مین درِ دولت کا گدایِ خاک نشین . اور وہ آپ کا غلام .
 تفصیل یہ کہ میرے پاس نقد ، جنس ، اسباب ، املاک ، اور میرے گھر مین
 زیورِ زرینہ و سیمینہ کا نام و نشان نہیں . ہت اودھار قرض کوئی دیتا نہیں .
 آپ روپیہ عنایت فرمائیں ، تا یہ کام سر انجام پائے ، اور بوڑھے فقیر کی
 برادری مین شرم رہ جائے .

دوسری بات یہ کہ سو روپیئے آپ کی سرکار سے بطریقِ خیرات اور
 ہاسٹھ روپیئے آٹھ آنے^(۱) مہینا انگریزی سرکار سے بعوضِ جاگیر پاتا ہوں .
 عالم الغیب جانتا ہے ، کہ اس مین میرا بڑی مشکل سے گزارا ہوتا ہے . بہو کو
 کہان سے کھلاؤنگا . حسین علیخان کی کچھ تنخواہ مقرر ہو جائے . لیکن
 توقعِ تنخواہ اوس کے نام جاری نہو . بلکہ اوس کی زوجہ حُسن جہان بیگم
 بنتِ اکبر علیخان کے نام وہ تنخواہ مقرر ہو . اور اوس کی مہری رسید سے
 ملا کرے . زرِ مصرفِ شادی کی مقدار اور تنخواہ کی مقدار جو خداوند
 کی ہمت اور اس کنگال اپاہج کی قسمت . زیادہ حدِ ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برسکے ہون دن پچاس ہزار

(۱) بیان میرزا صاحب نے صرف حسابی رقم لکھی ہو . مین نے سہولت طباعت کو خیال سے رقم کو الفاظ
 مین تبدیل کر دیا ہو .

نجات کا طالب غالب۔ ۵ ستمبر سنہ ۱۸۶۷ء^(۱)۔

(۸۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ عز و رود لایا۔ اللہ اکبر! حضرت نے غمخواری و تفقد و درویش نوازی کو اوس پایہ پر پہنچایا، کہ شاہانِ عجم میں سلطان سنجر^(۲) نے اور شاہانِ ہند میں شاہجہان^(۳) نے ملازمن کی اتنی پرسش اور نوازش کی ہوگی۔ باقر علیخان^(۴) کی شادی نواب

(۱) اس عریضہ کے جواب میں نواب خلد آشیان نے تحریر فرمایا تھا: چونکہ آن مشفق تعداد مصارف شادی مجوزہ خود تحریر نموده اند، لہذا حوالہ خامہ محبت نگار میشود، کہ اول از تعداد مصارف شادی مطلع نمایند۔ بعد دریافت آن درین خصوص تجویز مناسب بعمل خواهد آمد، چرا کہ بمقتضای موانست و اتحاد قدیمہ راقم را خوشنودی آن مہربان در امور مناسبہ مد نظر است المرقوم ۱۸ جمادی الاول سنہ ۱۲۸۴ ہجری مطابق ۱۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۷ء۔

(۲) سلطان سنجر بن ملک شاہ سلجوق سنہ ۵۱۱ھ (۱۱۱۷ع) میں بادشاہ ہوا، یہ بڑا اولوالعزم اور صاحبِ جود و کرم بادشاہ تھا۔ اگرچہ آخر میں معرکوں میں ناکام رہا، لیکن اسکی ابتدائی حکومت فتوحات کی وسعت کی بدولت تاریخ کا روشن باب ہے۔ یہ علم و ہنر اور شعرو سخن کا بھی بڑا قدردان اور مری تھا۔ رشید و طوطا، اور انوری وغیرہ اسکی درباری شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ اسے انوری کے کاشانہ کو اپنی قدیم مینت لزوم سے دو بار شرف بخشا۔ آخر میں ترکانوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا تھا۔ وہاں سے بدقت آزاد ہوا، تو ۱۱ ربیع الثانی سنہ ۵۵۲ھ (۱۱۵۷ع) کو دست قضا فی پیکر لیا۔

(۳) شاہجہان ہندوستان کے مغل خاندانِ سلاطین کا پانچواں حکمران تھا۔ ۲۹ ربیع الاول سنہ ۱۰۰۲ھ (۱۵۹۳ع) میں رانیِ بلتھی دختر راجہ اودیسنگہ والی جودھپور کے بھان سے پیدا ہوا۔ ۳۵ سال کی عمر میں سنہ ۱۰۳۷ھ (۱۶۲۷ع) کو اپنے والد جہانگیر کے انتقال کے بعد مسندِ حکومت پر قدم رکھا۔ اور سنہ ۱۰۶۸ھ (۱۶۵۷ع) میں اپنی لڑکی عالمگیر اورنگ زیب کی حق میں تاج و تخت ہند میں دست بردار ہو کر آگرہ کے قلعہ میں جا بسا۔ موجودہ دلی اسی کی آباد کی ہوئی ہے۔ یہ بڑا سخی دانا اور شہرہ آفاق قدردانِ علم و ہنر بادشاہ گزرا ہے۔ دلی کے مسجد جامع اور لال قلعہ، اور آگرہ کے عظیم النظیر روضہ تاج محل کا بانی ہے۔ اسکی قدردانی اور قدر افزائی کا یہ عالم تھا، کہ مختلف موقوفوں پر شاعروں کو روپیہ اور اشرافیوں میں تلوا دیا اور کئی سخن گستروں کو منہ ہیری اور موتیوں سے بھر دی۔ اس نے آگرہ میں سنہ ۱۰۷۶ھ (۱۶۶۵ع) کو وفات پائی، اور تاج محل میں اپنی بیوی کے برابر مدفون ہوا۔

(۴) باقر علی خان میرزا صاحب کی بیٹی کے حقیقی بھائی نواب زین العابدین خان عارف کی بڑی لڑکی تھی۔ میرزا صاحب کے اپنے بچے نہ تھے، تو اونکی بیٹی نے عارف کو بیٹا بنا لیا۔ وہ بڑی لائق اور خوشگو شاعر تھی۔ مرزا صاحب کو ان سے دو چند محبت تھی، کیونکہ وہ سعادت مند بیٹھ ہی نہ تھی، (باقی)

ضیاء الدین خان کے ہاں ہوئی۔ انہوں نے کھانے جوڑے کے دو ہزار روپیہ دیئے۔ اور میری زوجہ نے پانسو روپیئے کا زیور لگا کر پچیس سو روپیئے صرف کئے۔ حسین علیخان کا سسر، یعنی اکبر علیخان، اپنے خاندان کا ہے۔ لیکن امیر نہیں۔ نوکری پیشہ ہے۔ اب یہ مین کیونکر عرض کروں کہ مجھے کیا دو۔ سائل ہوں۔ یہ رسم نہیں کہ سائل مقدارِ سوال عرض کرے۔ حالِ مصارفِ شادی خاندان لکھ دیا ہے۔ دو ڈھائی ہزار مین شادی اچھی ہو جائے گی۔ لیکن یہ بھی ساتھ عرض کرتا ہے، کہ میرا حقِ خدمت اتنا نہیں کہ اسقدر مانگ سکوں۔ جو کچھ دو گے، اوس مین شادی کر دوں گا۔ زیادہ حدِ ادب۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
نجات کا طالب غالب۔ معروضہ ۲۴ جمادی الاول سنہ ۱۲۳۸ مطابق ۲۳ سنہ ۱۸۷۶ فردایِ ورودِ ہمایون منشور^(۱)۔

(۸۹)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعدِ تسامیم معروض ہے۔ فرمانِ والا مع ہندویٰ تنخواہ ستمبر سنہ ۱۸۶۷ عزِ ورود لایا۔ سو روپیہ^(۲) معروضِ وصول مین آیا۔ زیادہ حدِ ادب۔

(بقیہ) قابلِ غر شاگرد بھی تھی۔ لیکن میرزا صاحب اور اونکی بی بی کی بدقسمتی کہ وہ عین جوانی مین فوت ہو گئی۔ مرزا صاحب نے اونکو دو بچوں کو پوتوں کی طرح پالا۔ باقر علی خان جو بڑی تھی، جوان ہو کر اپنی والدہ کے خلف الرشید ثابت ہوئی۔ یہ شعر کہتی تھی، اور کامل تخلص تھا۔ مرزا صاحب کے ساتھ دونوں مرتبہ رامپور آئی۔ جوان ہو کر الور مین ملازم ہو گئی تھی۔ اردو میں علی (صفحہ ۳۲۱-۳۲۳) سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی ایک لڑکی بھی تھی۔ انہوں نے جوانی مین سنہ ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ع) کو انتقال کیا (تاریخ لطیف، ص ۱۹۱)۔

(۱) اس عریضہ کی تاریخوں مین میرزا صاحب سے سمجھ ہوا ہے۔ در اصل اونہیں سنہ ۱۲۸۴ھ اور ۱۸۶۷ع لکھنا چاہتی تھا۔ اسبطرح انگریزی مینیو کا نام بھی بھول گئی ہیں۔ البتہ لفافہ کی تاریخ مین ماہ و سنہ انگریزی یوں لکھا ہے (۲۳ ستمبر سنہ ۱۸۶۷)۔ لفافہ کی پشت پر میر منشی صاحب کا نوٹ ہے، پیش نمودہ شد۔ هنوز حکم تحریر جواب صادر نشده۔ ۲۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۷ع۔

(۲) اسکی اوپر حسابی رقم بھی تحریر ہے۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
ترحم کا طالب غالب . ۱۰ اکتوبر سنہ ۱۸۶۷ .

(۹۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . دبدبہ سکندری مین حضرت کے مزاج کی
ناسازی کا ذکر دیکھکر جو مجھ پر گزری ، میرا خدا جانتا ہے . مگر یہ بڑی
بات ہے کہ اوسی ذکر کیساتھ افقت و رفع مرض کی بھی نوید مندرج تھی .
توقع ہے کہ حضرت ! مفصل حال مرض کے پیدا ہونے کا اور پھر رفع ہونے
کا اور فی الحال مزاج اقدس کیسا ہے . میر منشی کو حکم ہو جائے . کہ حضور
کی زبانی خط مین مجھے لکھ بھیجیں .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برسکے ہون دن پچاس ہزار
غالب . ۱۸ اکتوبر سنہ ۱۸۶۷^(۱) .

(۹۱)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . ایک قطعہ ۱۵ شعر کا بھیجتا ہوں . حضور
ملاحظہ فرمائیں . مضامین کی طرز نئی . مدح کا انداز نیا . دعا کا اسلوب نیا .
زیادہ حد ادب^(۲) .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برسکے ہون دن پچاس ہزار

- (۱) اس عریضہ کے جواب مین لکھا گیا تھا : « مشقاً ! فی الحقیقت مزاج راقم از مرکز اعتدال منحرف شدہ
بود . و حالام طبعیت خوب صاف نیست و تجویز استعمال مسہلات در پیش . ۲۹ اکتوبر سنہ ۱۸۶۷ ع . »
(۲) یہ قطعہ مثل مین موجود نہیں ہی . لفافہ کی پشت پر میر منشی صاحب کا ایک نوٹ ہی . اوس می معلوم
ہوتا ہے کہ نواب صاحب نے قطعہ منشی امیر احمد امیر مینانی کو دیدیا تھا . میر منشی صاحب کی الفاظ
یہ ہیں : « پیش نموده شد . حضور پر نور بعد ملاحظہ قصیدہ حوالہ منشی امیر احمد صاحب فرمودند .
۹ نومبر سنہ ۱۸۶۷ ع . » نواب صاحب نے ۱۸ نومبر سنہ مذکور کو قطعہ کی رسید مین تحریر فرمایا : « ...
مفاوضہ عہدیم الماوضہ مع یک قطعہ بمضامین نو و طرز نادر رنگ افروز چہرہ وصول گردید . و از ملاحظہ
مضامین نوش انشراح دل بحصول انجامید . »

نجات کا طالب غالب . ۵ رجب سنہ ۱۲۸۴ ہجری (۱)

(۹۲)

حضرت آیہ رحمت ولی نعمت سلامت (۲) .

بعد تسلیم معروض ہے . کل ۱۶ دسمبر کو نومبر کی تنخواہ کی ہنڈوی پہنچی . وہ بھی سعادت مند منشی سیلچند کے خط میں ملفوف . دیر میں ہنڈوی کا پہنچنا یک طرف . حضرت کے توقع وقوع کے مشاہدہ سے آنکھوں کا روشن نہونا میری سیاہ بختی کی دلیل ہے . زیادہ حد ادب .
تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
نجات کا طالب غالب . ۱۷ دسمبر سنہ ۱۸۶۷ .

(۹۳)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . آج روزِ شنبہ یکم ماہِ رمضان المبارک سنہ ۱۲۸۴ ہے ، بہ اتفاقِ حسابِ دوج و نگارشِ جنتری .
روزِ روزہ است و روزِ ناپیداست غلظتِ ابر و شدتِ سرماست
چونکہ دھوپ تو نظر ہی نہیں آتی ، ناچار دن رات آگ تاپتا ہوں ، اور ہر وقت کانپتا ہوں .

ماہِ صیام میں سلاطین و اُمرا خیرات کرتے ہیں . اگر حسین علیخان یتیم کی شادی اسی صیغے میں ہو جائے ، اور اس بوڑھے اپاہج فقیر کو روپیہ مل جائے ، تو اس مہینے میں تیاری ہو رہے ، اور شوال میں رسمِ نکاح عمل میں آئے . اور چونکہ اس ماہِ مبارک میں درِ فیض باز ، اور سالِ انگریزی کا

(۱) عریضہ ک لفافہ پر تاریخ انگریزی ۴ نومبر سنہ ۱۸۶۷ تحریر ہو .

(۲) بیان میرزا صاحب ذو الفاظ کی قدیم ترتیب کو بدلدیا ہو .

بھی آغاز ہے ، وہ پچیس^(۱) روپے مہینا جو زبانِ مبارک سے نکلا ہے ، جنوری سنہ ۱۸۶۸ سے بنامِ حسین علیخان مذکور جاری ہو جائے ، تو مجھے گویا دونوں جہان ملگئے ۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برسکے ہون دن پچاس ہزار لکھا ہوا یکم رمضان اور بھیجا ہوا دوم رمضان کا ۔ عطا کا طالب غالب^(۲) ۔

(۹۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت ۔

بعدِ تسلیم معروض ہے ۔ منشورِ رافتِ عزِ ورود لایا ۔ ہنڈوی ملفوفہ سے سو روپیہ بابت تنخواہِ دسمبر سنہ ۱۸۶۷ معرضِ وصول میں آیا ۔ تم سلامت رہو ہزار برس ہر برسکے ہون دن پچاس ہزار توجہ کا طالب غالب ۔ ۱۴ جنوری سنہ ۱۸۶۸ عیسوی ۔

(۹۵)

داد و دھشِ تو روز افزون بادا بر دولتِ تو زمانہ مفتون بادا
این عید و دوصد ہزار عیدِ دیگر بر ذاتِ تو فرخ و ہمایون بادا
نجات کا طالب غالب ۔ جمعہ ۲۸ رمضان المبارک سنہ ۱۲۸۴ ہجری^(۳) ۔

(۹۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت ۔

بعدِ تسلیم معروض ہے ۔ منشورِ عطاوتِ ظہورِ عزِ ورود لایا ۔ اور

-
- (۱) میرزا صاحب نے روپیہ کی تعداد حسابی رقم سے بھی ظاہر کی ہے ۔
(۲) اس عریضہ کی لفافہ پر میرزا صاحب نے یکشنبہ دوم رمضان و ۲۹ دسمبر لکھا ہے ۔ نواب خلد آشیان نے جواباً ۶ جنوری سنہ ۶۸ ع مطابق ۱۰ رمضان سنہ ۱۲۸۴ھ کو جو فرمانِ تحریر فرمایا ہے ، اوس میں میرزا صاحب کی اصل مدعا کا کوئی تذکرہ نہیں ۔
(۳) اس قطعہ کیساتھ مثل میں کوئی عریضہ منسلک نہیں ۔ غالباً بلا عریضہ ارسال ہوا ۔ لفافہ پر انگریزی تاریخ ۲۴ جنوری سنہ ۱۸۶۸ ع تحریر ہے ۔ اس قطعہ کی رسید میں نواب خلد آشیان نے ۵ فروری سنہ ۱۸۶۸ ع کو تحریر فرمایا : ہ قطعہ مبارکباد عید القطر بطرزِ اغزو و مضامین شرف افزا موصول گشتہ ساز و برگ فرحت و انبساط افزود ۔

اوسکی ملفوفہ ہنڈوی سے جنوری سنہ ۱۸۶۸ حال کا سو روپیہ معرض وصول میں آیا۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
نجات کا طالب غالب . ۱۳ فروری سنہ ۱۸۶۸۔

(۹۷)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

عرض مدارج عز و نیاز کے بعد نوازشنامہ کے پہنچنے کا اور تنخواہ فروری سنہ ۱۸۶۸ کے پانے کا شکر بجالاتا ہوں . سبحان اللہ ! کیا برکت ہے اس سو روپیئے میں ، کہ سو آدمی روٹی کھاتے ہیں . اور اس فقیر کے بھی سو کام نکل جاتے ہیں .

مرزا حسین علیخان کی شادی رجب کے مہینے میں قرار پائی تھی . عطیہ حضور کے نہ پہنچنے کے سبب ملتوی رہی . آج جو ذیقعدہ کی ۱۵ ہے . ۱۵ دن یہ اور مہینا ذی الحجہ کا . اگر اسی ذیقعدہ کے مہینے میں کچھ حضرت عطا فرمائیں گے ، تو آخر ذی الحجہ تک نکاح ہو جائیگا . خدا کرے خداوند کے ضمیر میں یہ بھی گزرے کہ غالب جب بہو بیاہ لائیگا ، تو اوسکو روٹی کھان سے کھلائیگا . غرض اس سے یہ کہ حسین علیخان کی تنخواہ جاری ہو جائے . حضرت ! کوئی ایسا نہیں کہ جو میرے مطالب حضور میں عرض کرتا رہے ، اور مجھے بار بار لکھتے ہوئے شرم آتی ہے .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
نجات کا طالب غالب . ۹ مارچ سنہ ۱۸۶۸^(۱)۔

(۱) عریضہ کو لفافہ پر دوشنبہ ۹ مارچ سنہ ۱۸۶۸ تاریخ درج ہو . چونکہ اس می یوم روانگی متعین ہوتا تھا ، اسلئے یہاں نقل کرنا مناسب سمجھا گیا .

(۹۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . منشور عطوفت ظہور عترِ ورود لایا .
سو روپیہ کا کاغذ خط کے لفافے میں سے پایا . اپریل سنہ ۱۸۶۸ کی تنخواہ
کا روپیہ معرض وصول میں آیا .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
(دوشنبہ ۱۱ اپریل سنہ ۱۸۶۸) (۱) .

(۹۹)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . شوقِ قدمبوس نے تنگ کیا . جب دیکھا کہ
کسی طرح جا نہیں سکتا ، ناچار اپنا نقشا اوتروایا ، اور خدمتِ عالی میں روانہ
کیا . جب تک کہ میں جیتا ہوں ، تب تک اس صورت سے حاضر رہونگا .
زیادہ حدِ ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
عنایت کا طالب غالب . ۲۷ مئی سنہ ۱۸۶۷ (۲) .

(۱) عریضہ میں کاتب کا نام اور تاریخ کتابت دونوں درج نہیں . البتہ لفافہ پر میرزا صاحب نے ۱۱ اپریل
سنہ ۱۸۶۸ تحریر کیا ہے . لیکن یہ درست نہیں . اولاً اسلٹو کے ڈاکخانہ کی انگریزی مہر میں ۱۱ مئی
لکھی گئی ہے . ثانیاً اسلٹو کے اس عریضہ میں تنخواہ اپریل کی اطلاع دی ہے . اور یہ مسلم ہے کہ اپریل
کی تنخواہ اپریل میں نہیں ملتی ، مئی میں ملتی ہے . اسلٹو اسکو ۱۱ ماہ مئی سنہ ۶۸ ع کا ہونا چاہئے .

(۲) میرزا صاحب نے مہو آسنہ ۶۷ ع لکھ دیا ہے . صحیح تاریخ ۲۷ مئی سنہ ۱۸۶۸ ع ہے . اسلٹو کے اولاً تو
جون سنہ ۶۸ ع کے نوشتہ عریضہ میں اسکی رسید طلب کی ہے اور اوس میں اس خط کو دہ سابق کا عریضہ
لکھا ہے . جس میں ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں عریضوں کی درمیان کمی تیسری عریضہ کا فصل نہیں
تھا . ثانیاً امی عریضہ کے لفافہ کی پشت پر میر منشی صاحب کا حسب ذیل نوٹ ہے : تصویر بعد
ملاحظہ سپرد سید مجاور علی صاحب شد . ۲ جون سنہ ۱۸۶۸ ع . اس میں صاف ظاہر ہے کہ یہ واقعہ
سنہ ۶۸ ع کا ہے . اگر سنہ ۶۷ ع کا ہوتا ، تو اوس سال میرزا صاحب تقاضای رسید کرتی ، اور
اوس وقت مرکاز یہ تصویر ملاحظہ فرما کر سید مجاور علی صاحب کو دیتی .

(۱۰۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ آج چوتھا دن ہے، کہ توقیعِ وقیعِ عزِ ورود لایا ہے۔ ہنڈوی ملفوفہ کی رو سے تنخواہ مئی سنہ ۱۸۶۸ کا سو روپیہ معرضِ وصول میں آیا ہے۔ جواب کے جلد نہ لکھنے کی وجہ یہ ہے، کہ مین گرمی کی شدت کے سبب سے، اور احتباسِ ہوا سے کہ جو لازماً موسمِ برسات ہے۔ بیکارِ محض ہو گیا ہوں۔ مطلق کچھ لکھ نہیں سکتا۔ اور کوئی ایسا شخص، کہ جس سے کچھ لکھواؤں، اس چار روز میں میرے پاس نہیں آیا۔ آج اسوقت ایک صاحب آگئے۔ اُن سے مین نے یہ عریضہ لکھوا لیا۔

پیر و مرشد! سابق کے عریضہ کیساتھ مین نے اپنی تصویر حضور میں بھیجی ہے۔ اوسکی رسید اس نوازشنامہ میں مرقوم تھی۔ مجھ کو یہ اندیشہ ہے، کہ کہیں وہ لفافہ ڈاک میں تلف نہ ہو گیا ہو۔ اگر اوسکی رسید سے شرفِ اطلاع پاؤں، تو دلجمعی ہو جائے^(۱)۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
۱۵ جون سنہ ۱۸۶۸ ع۔ نجات کا طالب غالب^(۲)۔

(۱۰۱)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ کل منشورِ عطفِ عزِ صدور لایا۔ جولائی سنہ ۱۸۶۸ کا سو روپیہ^(۳) بذریعہ ہنڈوی وصول پایا۔

(۱) نوایصاحب نے جوابی فرمان مورخہ ۷ جولائی سنہ ۶۸ ع میں تحریر فرمایا ہو : ”شبہ آن مشفق وصول شادمانی آوردہ از فرط محبتہا منصور شد۔“ اس تصویر کے علاوہ میرزا صاحب نے جہان جہان اپنی تصویریں بھیجی تھیں، اونکو لٹو اردوی معلی، ص ۲۰، ۲۳، ۲۴، ۱۲۶، ۲۳۷، ۲۴۷ ملاحظہ ہو۔

(۲) اس عریضہ میں صرف (طالب غالب) میرزا صاحب کے قلم کا لکھا ہوا ہو۔

(۳) الفاظ کے اوپر میرزا صاحب نے حسابی رقم بھی لکھی ہیں۔

تین التماسین سابق پیش ہوئی تھیں . سو اب پہلے برخوردار نواب مرزا خان کی تحریر سے ، اور پھر جناب مظفر حسین خان بہادر^(۱) کے خط سے اون خواہشوں کے منظور و مقبول ہونے کی نوید پائی . انشاء اللہ الکریم حسب ارشاد حضور اسی برس ۶۸ میں آمد زمستان یعنی نومبر و دسمبر میں میرا قرض بھی ادا ہو جایگا ، اور حسین علیخان کی شادی بھی ہو جایگی ، اور اوسکے واسطے اوسکی زندگی تک تنخواہ جداگانہ مقرر ہو جایگی .

با کریمان کارھا دشوار نیست

عرضداشت ہوا خواہ اسد اللہ . معروضہ ۱۳ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۸ .
تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون

(۱۰۲)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تقدیم مدارج تسلیم معروض ہے . توقیعِ رافت عز و رود لایا .
میں نے ہندوی ملفوفہ کے ذریعہ سے بابت تنخواہ اگست سنہ ۱۸۶۸ سو روپیہ وصول پایا .

نکھون آپ سے تو کس سے کہوں مدعایِ ضروری الاظہار

(۱) مظفر حسین خان بہادر ابن مسیح الدولہ حکیم علی حسین خان بہادر لکھنوی نواب خلد آشیان کے مصاحب تھے . ان کے والد مسیح الدولہ شاہ اودھ کے طیب خاص تھے . لیکن سلطنت اودھ کی بساط اولتجاؤ کے بعد یہ خاندان بھی ترک وطن پر مجبور ہوا . رامپور اوس زمانہ میں صاحبان علم و ہنر کا ملجا و ماوی تھا . مظفر حسین خان اور انکی بھائی احسان حسین خان نے بھی سنہ ۱۸۶۷ع میں اس دربار دربار کا قصد کیا . نواب خلد آشیان نے ان دونوں کی کا حقہ قدر و منزلت کی . مظفر حسین خان صاحب علم اور ایک نہایت عمدہ ذخیرہ مخطوطات و مطبوعات کے مالک تھے . نواب صاحب نے اون سے یہ پورا ذخیرہ خرید کر سرکاری خزانہ کتب میں شامل فرما لیا . ان تمام کتابوں پر مظفر حسین خان کے دستخط ثبت ہیں ، اور متعدد نسخوں پر جا بجا حواشی بھی پائی جاتی ہیں . خود ان کے اپنی مصنفہ متعدد رسالے بھی کتب خانہ میں موجود ہیں . یہ عربی زبان میں لکھی گئی ہیں ، اور فلسفہ و حکمت سے متعلق ہیں . میرزا غالب سے انکی روابط تھیں . اسلئے جب یہ رامپور آئے ہیں ، تو میرزا صاحب نے منشی سیچند سے انکی درباری قدر و منزلت کے متعلق استفسار کیا تھا . ملاحظہ ہو مکتوب نمبر ۱۱۴ ، مجموعہ ہذا .

پیر و مرشد! حسین علیخان کے سسرال والوں کا بڑا تقاضا ہے۔ زندگی مشکل ہو گئی ہے۔ بطریق «شیئاً للہ» سوالِ مختصر یہ ہے، کہ جو حضرت کے مزاج میں آوے، وہ عطا کیجیے۔ اور حسین علیخان کے نام جداگانہ تنخواہ مقرر کر دیجیے۔ لیکن یہ دونوں امر جلد صورت پکڑ جائیں۔
تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
زیادہ حدِ ادب۔ عرضداشتِ دولتخواہ اسد اللہ۔ معروضہ ۷ ستمبر
سنہ ۱۸۶۸ء

(۱۰۳)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔
بعدِ تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ مع سو روپیہ کی ہنڈوی کے عزِ
ورود لایا۔ تنخواہ ستمبر سنہ ۱۸۶۸ء کا روپیہ میں نے پایا۔
تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
مشتاقِ مرگِ ناگاہ اسد اللہ۔ ۱۳ ماہ اکتوبر ۱۸۶۸ء

(۱۰۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔
بعدِ تسلیم معروض ہے۔ توقیعِ رافت شرفِ ورود لایا۔ سو روپیہ^(۱)
بابت تنخواہ اکتوبر سنہ ۱۸۶۸ء از رویِ ہنڈوی ملفوفہ خط معروضِ وصول
میں آیا۔ خدا حضرت کو سلامت رکھے! مجھ سے اپاہج نکمے کو یعوضِ
خدمت تنخواہ دیتے ہو۔
تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
عرضداشتِ اسد اللہ۔ مورخہ ۱۶ نومبر سنہ ۱۸۶۸ء

(۱) یہاں میرزا صاحب نے حسابی رقم لکھی تھی۔ میں نے سہولت طباعت کو خیال سے اسکو الفاظ
میں لکھ دیا ہوں۔

(۱۰۵)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . کل عریضہ مشعرِ رسیدِ تنخواہ نومبر سنہ ۱۸۶۸ حال ارسال کر چکا ہوں . آج ناچار از رویِ اضطراب و افتقار پھر یہ عرضی لکھتا ہوں .

حال میرا تباہ ہوتے ہوئے اب یہ نوبت پہنچی ، کہ اب کی تنخواہ مین سے ۵۴^(۱) روپے بچے . ۶۳^(۱) روپے کا چٹھا ماہوار کا سو سہ ماہہ دینا . مجملًا آٹھ سو روپے ہوں ، تو میری آبرو بچتی ہے . ناچار حسین علیخان کی شادی اور اوسکے نام کی تنخواہ سے قطعِ نظر کی . اب اس باب مین عرض کروں کیا مجال . کبھی نہ کہونگا . آٹھ سو روپے مجکو اور دیجے . شادی کیسی ؟ میری آبرو بچ جائے ، تو غنیمت ہے . برخوردار نواب مرزا خان کے خط مین یہ حال مفصل لکھا ہے . وہ عرض کریگا . مختصر یہ کہ اب میری جان اور آبرو آپ کے ہاتھ ہے . مگر حضور جو عطا فرمانا ہے ، جلد ارشاد ہو . زیادہ حدِ ادب .

تم سلامت رہو قیامت تک ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
عرضداشتِ گدایِ یک در اسد اللہ مضطر . ۱۶ نومبر سنہ ۱۸۶۸ .

(۱۰۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . بہت دن ہوئے ، کہ برخوردار نواب مرزا خان نے مجکو مبارکباد لکھی تھی ، کہ حضور نے تیرے قرض کے ادا کرنے کی نوید دی ہے ، اور مقدارِ قرض پوچھی ہے . سو مین نے اونکو لکھ بھیجا تھا ، کہ آٹھ سو روپے مین میرا قرض تمام ادا ہو جایگا . اس تحریر سے

(۱) یہاں میرزا صاحب نے حسابی رقم لکھی تھیں . مین نے مہولت طباعت کے خیال سے اونکو الفاظ مین

یاد دہی منظور ہے . زیادہ حد ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
آرام کا طالب غالب . صبح پنجشنبہ ۱۷ دسمبر سنہ ۱۸۶۸^(۱)

(۱۰۷)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . عنایت نامہ اور اوس میں تنخواہ دسمبر سنہ
۱۸۶۸ کی ہنڈوی ملفوف پہنچی . جلد یاد آوری کا شکر بجا لایا . حضور
قرض خواہوں نے بہت عاجز کر رکھا ہے . بس میرا یہی کام ہے کہ یاد دلا دوں
آگے حضرت مالک مین .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
عرضداشت غالب گدیہ خواہ . مرقومہ روز یکشنبہ اواخر تاریخ رمضان
المقدس سنہ ۱۲۸۵ ھ^(۲) .

(۱) اس عریضہ کے لغافہ پر ۱۵ دسمبر سنہ ۱۸۶۸ درج ہو اور لغافہ کی پشت پر نوٹ ہو : پیش نمودہ شد
حکم صادر نشد . ۲۰ دسمبر سنہ ۱۸۶۸ ع .

(۲) لغافہ پر ۵ دسمبر جنوری سنہ ۱۸۶۹ ع . تحریر ہو . یہ میرزا صاحب کی آخری تحریر ہو . حسین علی
خان کے عریضہ میں معلوم ہوتا ہے کہ جنوری کی تنخواہ ۱۵ فروری کو میرزا صاحب کے انتقال سے
ایک گھنٹہ قبل پہنچی تھی ، اسلئے اوسکی رسید اپنی قلم میں نہ لکھ سکی . سویم کے روز حسین علی
خان نے سرکار کو میرزا صاحب کے انتقال کی اطلاع دی ہوئی لکھا : ہ تاریخ ۱۵ فروری سنہ حال
مطابق ۲ ذیقعدہ روز دوشنبہ وقت ظہر جناب دادا جان صاحب قلعہ نواب اسد اللہ خان غالب عرف
مرزا نوشہ صاحب نے اس جہان فانی میں رحلت کی . فدوی کچھ عرض نہیں کر سکتا کہ کس قدر رنج و الم
اس سانحہ جانگزا و جگر خراش میں لاحق ہوا ہو . اور نیز جناب دادی صاحبہ معظمہ کا حال
اس رنج میں عالم پیری میں ایسا ہو گیا ہے کہ گذارش نہیں کیا جاسکتا ہے . حضور کا نوازشنامہ مع
ہنڈوی یکھد رویہ بابت تنخواہ جنوری سنہ ۶۹ ع کے ۱۵ فروری کو ایک گھنٹہ پہلے انتقال دادا
جان صاحب میں شرف صدور لایا تھا . رسید ہنڈوی واسطی اطلاع حضور کے عرض کی گئی .



بخدمت نواب صاحب مشفق و مکرم مظهر لطف و کرم نواب زین العابدین خان صاحب بہادر عرف کلن میان سئلہ اللہ تعالیٰ مقبول باد^(۱)

(صاحبزادہ سید زین العابدین خان بہادر عرف کلن میان ولد صاحبزادہ سید اصغر خلیخان بہادر ولد نواب سید عبداللہ خان بہادر ابن نواب سید غلام محمد خان بہادر ، نواب فردوس مکان کی مسجد تھی ، دلی میں پیدا ہوئی ، اور وہیں نشو و نما پائی . اپنی دادا نواب سید عبداللہ خان صاحب بہادر کی صدر الصدوری میرٹھ کے زمانہ میں اونکی ساتھ رہی . نواب فردوس مکان کے عہد میں رامپور آئی ، اور یہاں سے کسی بات پر ناراض ہو کر جیپور چلی گئی ، اور وہیں توطن اختیار کر لیا . امیر مینائی نے انتخاب یادگار (ص ۲۱۲) میں انکی متعلق لکھا ہے :

عابد . صاحبزادہ محمد زین العابدین خان عرف کلن خان ولد صاحبزادہ محمد اصغر خلیخان اصغر بیالیس برس کا سن ہی . تلذ کمی می نہیں . بطور خود کہتے ہیں . یہ اونکا کلام ہو :

تھا جو اوڑنا ہی ہوش کو میری بوی گیسوی غبریں ہوتا
تھا نہ کھلنا جو عقدہ دلکو کاش ابرو کی تیری چین ہوتا

انکی دادا میرزا صاحب کی مخلص دوست تھی . اسلئے یہ میرزا صاحب کو اپنا بزرگ اور وہ انہیں اپنا فرزند خیال کرتے تھی . لیکن نواب فردوس مکان ان سے آخر میں ناخوش ہو گئی تھی ، اسلئے میرزا صاحب نے ان کے کلام پر اصلاح دیئے سے انکار کر دیا تھا . صاحبزادہ سید زین العابدین خان بہادر نے جیپور میں دسمبر سنہ ۱۸۹۲ ع کو انتقال کیا .)

(۱۰۸)

بندہ پرور !

مہربانی نامہ پہنچا . میں تو سمجھا تھا ، آپ مجکو بھول گئے . بارے یاد کیا . جناب نواب صاحب میرے محسن اور میرے قدردان اور میری امیدگاہ ہیں . میں اگر رامپور نہ آؤنگا تو کہاں جاؤنگا . یہ جو آپ کہتے ہیں کہ مجکو آنے میں تردد کیا ہے ، تردد کچھ نہیں ، توقف ہے . وجہ توقف کی یہ کہ میں

(۱) یہ عبارت میرزا صاحب نے لافافہ پر لکھی تھی . میں نے عنوان میں تہرکاً نقل کر دی ہے .

نے اپنی پنسن کے باب میں چیف کمشنر بہادر کو درخواست دی تھی۔ وہاں سے صاحب کمشنر شہر کے وہ درخواست حوالہ ہوئی۔ صاحب کمشنر دہلی نے صاحب کلکٹر شہر سے کیفیت طلب کی ہے۔ پس اگر وہ کیفیت پنسن کی ہے۔ تو یہاں کی کلکٹری کا دفتر اگر نہیں رہا نہ رہے۔ رینو بوڑڈ^(۱) کے دفتر، اور لفٹنٹ گورنری آگرہ، اور نواب گورنر جنرل کلکتہ کے دفتر اس پنسن کی کیفیت سے خالی نہیں ہیں۔ اور اگر میری کیفیت مطلوب ہے، تو میرا بے جرم اور بری اور الگ ہونا فساد سے از روی دفتر قلعہ و اظہارِ مخبرین ظاہر ہے۔ بہر حال صاحب کمشنر شہر کیفیت صاحب کلکٹر سے طلب کر کر چیف کمشنر کیساتھ پنجاب کو گئے ہیں۔ دیکھئیے کب آئیں، اور بعدِ ملاحظہ کیفیت کیا حکم دیں۔ مگر تا صدورِ حکم میں یہاں سے کہیں جا نہیں سکتا۔ ہاں بعد ملنے حکم کے، خواہی دلخواہ ہو خواہی مخالفِ مدعا، دونوں صورت میں رامپور آؤں گا۔ مگر حیران ہوں، کہ جب تک یہاں رہوں کھاؤں کیا، اور جب چلنے کا قصد ہو تو رامپور کس طرح پہنچوں۔ کیا خوب ہو کہ تم یہ رقعہ اپنے نام کا حضور کو، یعنی حضرت نواب صاحب کو، پڑھو اگر اس مدعا کی خاص کا جواب، جو وہ فرمائیں، مجھ کو لکھ بھیجو۔ لیکن تم سے یہ توقع کیونکر پڑے کس واسطے کہ تم نے اردو دیوان کے پہنچنے نہ پہنچنے کا حال جنابِ عالی سے دریافت کر کر کب لکھا ہے، جو اس بات کا جواب لکھو گے۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں۔ از غالب۔ نگاشتہ و روان داشتہ پنجشنبہ ۲۵ مارچ ۱۸۵۸ء۔ ضروری جواب طلب^(۲)۔

(۱) اس لفظ کو میرزا صاحب نے اس طرح لکھا ہے۔ لیکن صحیح ہ بورڈہ ہے۔

(۲) خط کو لغافہ سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے ۲۴ تاریخ کو امو لکھ لیا تھا، اور یہ ارادہ تھا، کہ ۲۵ کو پوسٹ گرائنگ، اسلئے ۲۵ مارچ تاریخ لکھدی تھی۔ لیکن بعد ازاں از راہِ عجلت ۲۴ ہی کو ڈاک میں ڈالوا دیا۔ اصل عبارت یہ ہے: ہ در شہر رامپور موصول و بخدمت نواب صاحب مشفق و مکرم مظهر لطف و کرم نواب زین العابدین خان صاحب عرف کلن میان سلبہ اللہ تعالیٰ مقبول باد۔ از غالب بکرنگ۔ بیرنگ۔ مرسلہ ۲۵ مارچ ۱۸۵۸ء۔ ضروری۔ جواب طلب و شتاب طلب۔ چون عجلت در ارسال مکتوب می بایست، ہم بروز چہار شنبہ آخر روز ۲۴ مارچ فرستادہ شد۔

(۱۰۹)

نواب صاحب والا قدر عظیم الشان سلمکم اللہ تعالیٰ.

بعدِ سلامِ مسنون مشہودِ خاطرِ عاطر ہو۔ سابق آپ کا خط متضمن
 اردو کے استفتائی روزمرہ کا آیا تھا۔ اوسکا جواب جو مجھے معلوم تھا لکھ
 بھیجا۔ اب جو دوسرا خط آیا، اوس میں آپ نے اپنے اشعار بتوقعِ اصلاح
 بھیجے ہیں۔ آپ کو معلوم رہے کہ میں خاص خدمتِ اصلاحِ اشعار پر جناب
 نواب صاحب قبلہ کا نوکر ہوں، اور آپ حضور کے عزیزوں میں اور فرزندوں میں
 ہیں۔ پس میں بے حکم حضور کے آپ کی خدمت بجا نہیں لا سکتا۔ ناچار
 کاغذِ اشعار مسترد بھیجتا ہوں۔ ”یہ امر یقین ہے کہ موجبِ ملالِ خاطرِ اقدس نہوگا۔
 بندگی بیچارگی۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں، کہ مدعاۓ ضروری الاظہار اسقدر
 تھا۔ والسلام۔“ راقم اسد اللہ خان غالب۔ ۱۴ مارچ سنہ ۱۸۶۵^(۱)۔

(۱) زین العابدین خان کی خط کتابی خط نمبر ۱۱۲ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔



« بمطالعة منشی صاحب سعادت و اقبال نشان منشی سیلچند

صاحب میر منشی سلہ اللہ تعالیٰ مفتوح باد»^(۱)

(منشی سیلچند راجہ کنورسین کی اولاد میں ہیں۔ کنورسین قوم کے کاستھ اور نواب سید علی محمد خان بہادر فاتح روہیلکھنڈ کے معتمد سردار تھے۔ قلعہ مرہند کی فتح میں اپنی ولی نعمت کے ہرکاب خدمات شایستہ انجام دیکر بادشاہ دہلی کے دربار میں راجہ کا خطاب حاصل کیا۔ روہیلہ سلطنت کے ٹکڑی ہوئی، اور نواب سید فیض اللہ خاں صاحب بہادر ریاست رامپور کے والی بنکر اس خطہ میں تشریف لائے، تو اونکو رکاب میں تمام وفادار سرداران روہیلہ کیساتھ منشی صاحب کا خاندان بھی تھا۔ منشی سیلچند کی تاریخ ولادت اور جای پیدائش کا صحیح حال معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ ۲۹ دسمبر سنہ ۱۸۹۴ ع کو انکی عمر اکیاسی سال کی تھی۔ اس حساب سے سنہ ولادت ۱۸۱۳ ع قرار پاتا ہو۔ انکا ابتدائی تقرر نواب سید احمد علیخان بہادر کے عہد حکومت میں بعدہ ناظر نظامت ہوا۔ بعد ازان عامل (تخصیصدار) مقرر ہوئے۔ ۱۸۴۴ ع میں انکی والدہ فوت ہوئی تو اونکی اساسی پر محکمہ عالیہ دارالانشاء میں بدلدیو مقرر ہوئے۔ ۱۸۵۷ ع میں ریاست کیطرف سے خبر رسانی و فراہمی رسد وغیرہ کا کام انجام دیا، اور نواب گورنر جنرل بہادر سے بصلہ خدمات دربار فتحگڑھ میں دوشالہ انعام پایا۔ نواب فردوس مکان نے بھی انکی خدمات کی تعریف میں روہیلہ جاری فرمایا، اور ایک تلوار عطا کی۔ نواب صاحب کی وفات کے بعد نواب خلد آشیان اور نواب عرش آشیان نے بھی انکی بہت قدر و منزلت فرمائی۔ بالآخر پانچ والیان ریاست کی خدمت کر کے ۲۹ دسمبر سنہ ۱۸۹۴ ع کو اکیاسی سال کی عمر میں رامپور میں انتقال کیا۔ منشی سیلچند کو فارسی میں کافی دستگاہ حاصل تھی، اور ملا غیاث الدین رامپوری مولف غیاث اللغات فارسی میں شرف تلمذ تھا۔ شعر بھی کہتے تھے۔ اور منشی تخلص کرتے تھے۔)

(۱۱۰)

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان منشی سیلچند صاحب میر منشی سلہ

اللہ تعالیٰ .

بعد دعایِ دوامِ حیات و ترقی درجات معلوم فرمائیں۔ اگرچہ از روی خطوطِ حضور، صحت و عافیتِ حضور معلوم ہوتی ہے، لیکن یہ کہیں سے نہیں سنا، کہ غسلِ صحت کیا، یا کسدن کرینگے۔ آپ سے یہ فقیر کا سوال ہے،

(۱) یہ عبارت میرزا صاحب نے مکتوب مورخہ ۲۵ دسمبر سنہ ۱۸۶۴ ع کے لفاظ پر لکھی تھی۔ میں نے یہاں تیرکا نقل کردی ہو۔

کہ مجکو لکھیے، کہ حضرت غسل کس دن فرمائیں گے۔ اور اگر موافق میری آرزو کے نہا چکے ہوں، تو غسل کی تاریخ سے اطلاع دیجیے۔ خیر و عافیت کا طالب غالب۔ ۲۵ دسمبر ۱۸۶۴^(۱)۔

(۱۱۱)

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان منشی سیلچند صاحب میر منشی کو
خدا سلامت رکھے!

مادۂ تاریخ غسلِ صحت کو تم نے غور نہیں کیا۔ ۱۸۶۶ عدد ہوتے ہیں۔
پھر کیا حضور سالِ آئندہ غسلِ صحت فرمائیں گے؟ یہ تو جنوری سال ۱۸۶۵
ہیں۔ اس تاریخ کا قطعہ کیونکر لکھوں^(۲)؟

یہ جو میں نے قصیدۂ تہنیت لکھ کر بھیجا ہے، منشا اسکا یہ ہے، کہ شاہ
کبیر الدین صاحب رامپور سے آئے، اور اونہوں نے کہا، کہ نواب صاحب جمعہ
کے دن ساتویں تاریخ شعبان کو نہائیں گے۔ اب تمہاری تحریر سے معلوم ہوا،
کہ ماہِ آئندہ یعنی رجب^(۳) میں نہائیں گے۔ خیر وہ کاغذ تو حضور کی نظر سے
گزریگا۔ اگر موقع پاؤ تو حضور میں یہ ماجرا عرض کر دینا کہ میں نے بموجب

(۱) یہ خط نواب فردوس مکان کو غسلِ صحت کی تاریخ کو متعلق لکھا گیا تھا۔

(۲) منشی صاحب نے میرزا غالب کو مکتوب مورخہ ۲۵ دسمبر سنہ ۶۴ ع کے جواب میں جو خط تحریر کیا تھا،
اوس میں ذکر ماہِ جشن کے بعد درخواست کی تھی کہ ایک مادہ تاریخ کا فدویٰ نکالا ہی۔ سو عرض
کرتا ہوں۔ امید وار ہوں، کہ اوسکی دو شعر موزون فرما کر عنایت نامۂ موسومہ فدویٰ کو میں عنایت
فرمائوں۔ بیت: کاشکر مرا اعدا عرض کر تو ای منشی * بندگانِ عالم کا آج غسلِ صحت ہو۔ اس شعر کا
مصرع ثانی مادۂ تاریخ ہو۔ چونکہ اسکی اعداد ۱۸۶۶ ہوتی ہیں، اسلئے ایک عدد کا خرچہ کیا گیا ہو۔
فقرہ (کاشکر مرا اعدا) بتاتا ہو، کہ اگر مرا اعدا یعنی حرف الف کے عدد کو، جو ایک ہو، مادہ
میں سو کم کر دیا جائے تو اعداد مطلوبہ ۱۸۶۵ حاصل ہوجائیں گی۔ چونکہ یہ قاعدۂ تاریخ گوئی کے عین
مطابق ہو اسلئے تعجب ہوتا ہو۔ کہ میرزا صاحب نے اسپر کیوں اعتراض کیا۔

(۳) میرزا صاحب نے سہ ماہِ آئندہ کو رجب لکھ دیا ہو۔ فی الواقع ماہِ آئندہ رمضان تھا۔ اسلئے کہ
خط نمبر (۳۹) سو معلوم ہوتا ہو کہ اس سال ۱۳ دسمبر کو رجب کی ۱۳ تاریخ تھی۔ لہذا ۱۹
جنوری کو، جو تاریخ تحریر خط ہو، ۱۹ یا ۲۰ شعبان ہوگی۔ اور شعبان کے بعد رمضان آتا
ہو۔ رجب نہیں آتا۔

روایت شاہ کبیر الدین کے اسکے ارسال میں جلدی کی ہے^(۱)۔ غالب ۱۹ جنوری سنہ ۱۸۶۵ء۔

(۱۱۲)

منشی صاحب! عجب اتفاق ہے، کہ حضور اپنے خط میں اپنے مزاج مبارک کا حال کچھ نہیں لکھتے، اور میرا دھیان لگا ہوا ہے۔ خدا کی واسطے! تم مفصل حال لکھو، کہ کیا عارضہ باقی ہے، اور صورت کیا ہے؟ دربار بدستور ہوتا ہے یا نہیں؟ سوار ہوتے ہیں یا نہیں؟

زین العابدین خان نے جیپور سے اپنے اشعار اصلاح کی واسطے میرے پاس بھیجے۔ میں نے اصلاح دینے سے انکار کیا، اور اشعار مسترد کر دیے۔ اون کا خط اور اوسکی پشت پر اوسکے جواب کا مسودہ اس خط میں لپیٹ کر تم کو بھیجتا ہوں۔ پڑھ لو۔ بلکہ اگر موقع اور محل پاؤ، تو حضور کو بھی پڑھوا دو^(۲)۔ والدعا۔ اسد اللہ خان غالب۔ ۱۴ مارچ سنہ ۱۸۶۵ء۔

(۱۱۳)

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان منشی سیاحند صاحب میر منشی کو فقیر غالب کی دعا پہنچے۔ یہ خط^(۳) میں نے ایک شبانہ روز کی فکر میں حضور کو لکھا ہے۔ مگر مسودہ جو ہر بار کچھ کا کچھ ہوتا رہا، اس سبب سے

(۱) اشعار تہنیت کیٹی عریضہ نمبر ۳۶ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

(۲) زین العابدین خان کا خط حسب ذیل ہے: ہ نواب صاحب مشفق مہربان، کرمفرمای دوستان، مجموعہ خوبیہای بیکران سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بعد سلام مستنون، واشتیاق ملاقات مباہجت مشحون، یہ چند خرف ریزی بھیکر تکلیف دیتا ہوں، کہ نگاہ گوہر سنج سی ملاحظہ کر کے اغلاط محاورات و تراکیب، و سستی بندش، و تعقیدات صوری و معنوی، و تافرفاظ، و ابتذال مضامین، جس جگہ واقع ہو مطلع فرمائیو۔ فقط۔ امر مستغفرہ سابق میں صدور مہربانی نامہ نامی فی خلجان رفع کیا۔ جواب اسکا بھی اگر جلد عنایت ہو بعید ارتباط دیرینہ سی نہوگا۔ زیادہ شوق و بس۔ فقط۔ نگاشتنہ دہم مارچ سنہ ۱۸۶۵ع۔ مقام جیپور۔ زین العابدینخان، میرزا صاحب کی جواب کیٹی مکتوب نمبر ۱۰۹ ملاحظہ ہو۔

(۳) عریضہ نمبر ۴۲ مراد ہی۔

میرے پاس نہیں رہا۔ اور خدا کی قسم! کہ میں اب بہت ناتوان ہو گیا ہوں۔ یہ خط لیٹے لیٹے صاف کیا ہے۔ اور اس تحریر کو مجموعہ نثر میں رکھا چاہتا ہوں۔ آپ اس کی نقل کر کے مقرر بجکو بھیج دیجئے گا۔ بڑا احسان مجھ پر ہوگا^(۱)۔
اسد اللہ۔

(۱۱۴)

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان عزیز تر از جان منشی سیلچند کو فقیر غالب کی دعا پہنچے^(۲)۔ کیون صاحب؟ ہم تو تم کو اپنا فرزند سمجھیں، اور تمہارا یہ حال کہ مراسم فرزند بجا نہیں لاتے۔ خط لکھنا تم نے یک قلم موقوف کر دیا۔ اور بھائی بے تکلف لکھتا ہوں کہ مجھ میں اب دم نہیں ہے۔ نہ طاقت باقی ہے، نہ حواس درست ہیں^(۳)۔ آج کے نواب صاحب کے خط میں دوجگہ غلطیاں ہوئیں مجھ سے۔ لکھا کچھ چاہتا ہوں، لکھ کچھ جاتا ہوں۔ بس اب تو یہ نوبت پہنچی ہے^(۴)، کہ آج بچا کل مرا، کل بچا پرسون مرا۔ اس خط کا (جواب)^(۵) بجکو جلد لکھو۔ اور اوس میں یہ لکھو، کہ احسان حسین خان (اور اونکے بھائی مظفر حسین خان)^(۶) جو لکھنؤ سے آئے ہیں،

(۱) یہ عریضہ کلیات نثر فارسی میں شامل نہیں۔ اغلب یہ ہی، کہ یہاں سے نقل روانا نہیں کیگئی۔
(۲) کاتب نے دونوں جگہ 'پہنچی' لکھا ہے۔ لیکن میرزا صاحب نے اسی متن میں علی حالہ باقی رکھ کر پائین خط میں اپنے قلم سے 'پہنچی' بنادیا ہے، اسلئے میں نے متن میں صحیح املا لکھنا مناسب خیال کیا۔
(۳) حواس کا املا کاتب نے ہای ہوز سے لکھا تھا۔ مرزا صاحب نے اوسکو قلزد کر کے حای حطی سے لکھا ہے۔

(۴) میرزا صاحب کے خط میں یہ لفظ موجود نہیں ہے۔ لیکن سیاق چاہتا تھا اس لٹی میں نے اسکو مہر کاتب و مکتوب لہ خیال کر کے بریکٹ میں اضافہ کر دیا ہے۔

(۵) احسان حسین خان اور مظفر حسین خان، مسیح الدولہ حکیم علی حسین خان بہادر لکھنؤی، طبیب شاہ اودھ کے صاحبزادی تھی۔ الحاق اودھ کے بعد رفتہ رفتہ رسواہ شہر و اراکین سلطنت تباہ حال اور پریشان روزگار ہونا شروع ہوئے، تو ان میں سے اکثر اصحاب نے دربار رامپور کے دامن الطاف و کرم میں پناہ لی۔ یہ دونوں بھائی بھی سنہ ۶۷ ع میں یہاں آ گئے۔ نواب خلد آشتیان نے انکی شایان شان قدر و منزلت کا اظہار فرمایا، اور اپنے مصاحبین خاص میں جگہ عطا کی۔ احسان حسین خان بہادر نے جمعہ کے دن ۵ رجب سنہ ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ ع) کو کربلائی معنی میں انتقال کیا۔ مظفر حسین خان آخر میں بنارس چلے گئے تھے، اور تیرہویں صدی کے آخر تک بقید حیات تھے۔

نواب صاحب کی سرکار سے اونکا کیا در ماہہ مقرر ہوا ہے، اور تعظیم و توقیر کا کیا رنگ ہے؟ دربا میں جو آتے ہیں، تو بیٹھتے کہاں ہیں^(۱)؟ (اس خط کے جواب کا طالب غالب . ۱۱ جون)^(۲)۔

(۱۱۵)

برخوردار نور چشم منشی سیلچند میر منشی کو بعد دعا کے یہ معلوم ہو، کہ اگلے مہینے یعنی اگست سنہ ۱۸۶۸ (کی)^(۳) تنخواہ کی ہنڈوی جو تم نے بھیجی تھی، اوسکا روپیہ اب تک نہیں پٹا۔ میں تو جس دن ہنڈوی آتی ہے، اوسی دن یا دوسرے دن اپنے مختار کار کے ہات، کہ وہ بھی مہاجن ہے، بیچ ڈالتا ہوں۔ مگر اوس مختار کار کو، جسکے ہان ہنڈوی آئی ہے، (اوسنے) روپیہ اب تک نہیں دیا۔ ۸ ستمبر کو وہ ہنڈوی بیچکر روپیہ میں نے لے لیا تھا، اور آج ۱۸ ہے۔ مختار کار کو روپیہ اوسنے اب تک نہیں دیا۔ جس سے تم نے ہنڈوی لکھوائی ہے، اوسکو تم تاکید کرو کہ (یہاں کے مہاجن کو روپیہ دینے کی تاکید لکھے تاکہ)^(۴) مختار کار کا روپیہ پٹ جاوے (مہر غالب ۱۲۷۸)^(۵)۔

- (۱) اصل خط میں (ہی) بصیفة مفرد تحریر ہو۔ لیکن اصول زبان کی رو سے (ہین) بصیفة جمع ہونا چاہو۔ میں تو یہ خیال کرکے کہ اسپر میرزا صاحب کی نظر نہیں پڑی۔ متن میں (ہین) لکھ دیا ہو۔
- (۲) خط کے لفافہ پر میر منشی صاحب کی حسب ذیل تحریر ہو: "خط در جواب نوشتہ شد۔ ۱۶ صفر سنہ ۱۲۸۴ھ مطابق ۲۰ جون سنہ ۱۸۶۷ ع۔" اس سے معلوم ہوتا ہو کہ میرزا صاحب کے خط کی پوری تاریخ ۱۱ جون سنہ ۱۸۶۷ ع ہو۔
- (۳) یہ لفظ اصل میں ساقط تھا۔ میں تو بریکٹ میں اسلئے اضافہ کر دیا ہو، کہ جملہ باعہارہ ہو جائی۔
- (۴) یہ عریضہ بھی میرزا صاحب کے اپنی قلم کا نوشتہ نہیں ہو۔ البتہ جو عبارت بریکٹ میں درج ہو، وہ اونہوں ہی خود لکھی ہو۔
- (۵) اس خط کے لفافہ پر ۱۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۸ تاریخ درج ہو۔



بنام خلیفہ احمد علی صاحب احمد رامپوری

(خلیفہ شیخ احمد علی صاحب احمد تخلص ولد شیخ نادر علی تقریباً سنہ ۱۲۱۹ھ (۱۸۰۵ع) میں پیدا ہوئے۔ فارسی کتابیں مولوی عبید اللہ خان غنبر اور کبیر خان تسلیم می پڑھیں، اور عربی علوم و فنون دیگر علماء شہر می حاصل کئے۔ لیکن ادبیات فارسی کے ذوق نے خلیفہ صاحب کو عربی علوم کے لطائف کی طرف متوجہ نہ کیا، اور انکی ساری عمر شیراز و شروان میں مرغزاروں کی سیر میں گزر گئی۔ رامپور کے اکثر فارسی ادب کے علماء کا سلسلہ ان تک منتهی ہوتا ہے۔ نواب خلد آشیان اور نواب عرش آشیان طباطبائی کا بھی شرف حاصل تھا۔ خلیفہ صاحب نے جمعرات کے دن ۲۹ رمضان سنہ ۱۳۰۹ھ مطابق ۲۸ اپریل سنہ ۱۸۹۲ع کو نوی سال کی عمر میں اپنے مکان واقع محلہ بنگلہ آزاد خان (رامپور) میں انتقال کیا۔

مرزا صاحب رامپور تشریف لائے، اور خلیفہ صاحب سے ملاقات ہوئی تو موخر الذکر نے انہی گفتگو میں عرفی کے کلام پر نکتہ چینی کی، اور مثلاً یہ دوشعر پیش کیے:

ساکتہم، این نغمہ تا در نیم شب، ہرہ مرغ بحر خوان می ذہم
شاہدی کو کہ یک نفس گوشتو بدل درد پرور اندازد

میرزا صاحب نے عرفی کی حمایت کی۔ لیکن اوسوقت بحث ناتمام رہی، اور یہ طے پایا کہ خلیفہ صاحب شب کو اگر گفتگو کریں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اوس رات تشریف نہ لیجاسکی، اسلئے میرزا صاحب نے اپنے دلائل لکھکر انکی خدمت میں بھیج دیے۔

تذکرہ کاملان رامپور (ص ۲۴) میں اختلافی شعر یہ لکھا ہے:

منکہ باشم عقل کل را ناوک انداز ادب مرغ توصیف تو از اوج بیان انداختہ
مگر میرزا صاحب کی آئندہ تحریر کی روشنی میں اسکی صرف یہ تاویل کیجاسکتی ہے کہ مذکورہ بالا دو شعروں کے ساتھ یہ بھی معرض بحث میں آیا ہوگا۔ ورنہ میرزا صاحب خط میں اسکا ذکر کر دے۔

(۱۱۶)

جناب مولوی صاحب مخدوم مولوی احمد علی صاحب کی خدمت میں

بعد سلام مسنون الاسلام عرض یہ ہے، کہ فقیر شب کو آپکا منتظر رہا۔ آپ تشریف نہ لائے۔ ناچار تقریر کو تحریر کا پیرایہ دیکر آپ کی جناب میں بھیجتا ہوں۔ سنینِ فارسیہ کا حال بسبیلِ اجمال ایک دو ورقہ پر مندرج ہے۔

بنظرِ اصلاح مشاہدہ ہو^(۱)۔

بعد اوسکے میری یہ عرض ہے، کہ ہر چند «سحر» اور «صبح» مرادف بالمعنی ہیں۔ اور وہ انجامِ لیل اور آغازِ نہار ہے۔ مگر بخلافِ صبح «سحر» بطریقِ مجاز بعدِ نصفِ شب سے صبح تک مستعمل ہے۔ طعامِ آخرِ شب کو «سحری»، اور «سحرگئی» کہتے ہیں۔ اور مرغانِ خوش آواز، کہ بلبل بھی اون میں ہے، اکثرِ پھر سوا پھر رات سے بولتے ہیں۔ نصفِ شب کو مرغِ سحر خوان کا ہم آواز ہونا محلِ اعتراض نہیں ہے۔

«گوش» کا استعمال «انداختن» کیساتھ اگر شعرائِ ہند کے کلام میں آیا ہوتا، تو ہم اوسکی سند اہلِ زبان کے کلام سے ڈھونڈتے۔ جب وہ خود عرفی^(۲) نے لکھا ہے، تو ہم سند اور کہان سے لائیں؟ قواعدِ زبانِ فارسی کا ماخذ تو ان حضرات کا کلام ہے۔ جب ہم انہیں کے قول پر اعتراض مکرین گے، تو اوس اعتراض کیواسطے قاعدہ کہان سے لائیں گے؟ ان سب باتوں کو جانے دیجیے۔ اسکو ملاحظہ کیجیے، کہ عرفی اکبر شاہ^(۳) کے عہد میں تھا۔

(۱) میرزا صاحب کا یہ خط مولوی عبد الحکیم خان صاحب مدرس فارسی مدرسۂ عالیہ رامپور می ملغ ۲۵ رویہ میں خرید گیا تھا۔ فقیرِ عرش کا خیال تھا کہ سننِ فارسی کی کیفیت پر مشتمل دو ورقہ بھی موصوف الذکر بزرگ کی پاس ہوگا۔ لیکن باوجود تلاش دستیاب نہوسکا۔

(۲) خواجہ جمال الدین محمد عرفی ابن خواجہ زین الدین علی شیرازی عہد اکبری کا ممتاز اور بلند پایہ فارسی شاعر شمار کیا جاتا ہی۔ حکیم ابوالفتح اور میرزا عبدالرحیم خانخانان کا مصاحب اور مداح تھا۔ اپنی موخر الذکر ممدوح کے توسط سے شاہزادۂ سلیم کا اتالیق مقرر ہوا۔ سنہ ۹۹۹ھ میں خانخانان کی ساتھ ٹھہرے (سندھ) کی مہم میں شریک ہونے کی ارادہ سے روانہ ہوا۔ لیکن شوال سنہ مذکورہ (اگست سنہ ۱۰۹۱ع) کو ۳۶ سال کی مختصر عمر میں بمقام لاہور فوت ہو گیا۔ اسکو کلام میں جوانی کا جوش و خروش اور الواعزی اپنی تمام معاصرین سے زائد ہو۔ اگر دستِ قضا سے کچھ عرصہ اور بچ گیا ہوتا، تو بعض ایسی خامیاں، جو نظر ثانیِ نووز کے سبب کلام میں پائی جاتی ہیں، ہماری فارسی ادیوں کو کبھی نظر نہ آتیں۔ تمام ایران کی جو شاعر ہندوستان چلے آئے تھے اون میں سے یہ نصیب نیک عرفی ہی کے حصہ میں آیا، کہ اوسکی زندگی میں اسکا کلام شیراز میں پڑھا جاتا تھا۔

(۳) جلال الدین اکبر ابن نصیر الدین ہمایون ابن ظہیر الدین بابر، سلطنتِ مغلیہ کا تیسرا روشن چراغ تھا۔ امر کوٹ (سندھ) میں سنہ ۹۴۹ھ (۱۵۴۲ع) کو پیدا ہوا۔ ابھی تیرا سال نو ماہ کی عمر تھی کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ یرم خان خانخانان نے اسی بادشاہ بنا کر خود صدر اعظم کی حیثیت (باق)

اور اوس عہد میں قطع نظر اور اہل کمال سے ابو الفضل^(۱) اور فیضی^(۲) یہ دونو شخص کیسے فاضل تھے۔ اور پھر عرفی کا مدوح حکیم ابو الفتح^(۳) اسکا وہ پایہ علم میں تھا، کہ فیضی اور ابو الفضل کو بھی خیال میں نہ لاتا تھا۔ اگر یہ دونو شعر عرفی کے غلط ہوتے، تو یہ تینوں آدمی اوسکی دھجیان اوڑا ڈالتے۔ حال آنکہ فیضی و ابو الفضل اوسکے دشمن تھے۔ پس جب ان دونوں نے باوجود عداوت اعتراض نکیا، تو اب عرفی پر کون اعتراض کر سکتا ہے؟ عرفی کی زبان سے جو نکل جائے وہ سند ہے۔ ہمارے واسطے وہ ایک قاعدہ محکم ہے۔ وہ مطاع ہے، اور ہم اوسکے مقلد اور مطیع ہیں۔ غالب۔

(بقیہ) سی کام شروع کر دیا۔ لیکن اپنی خدا داد قابلیت سی اکبر فی بہت جلد انتظام سلطنت کا بار اپنی کاندھوں پر اٹھایا، اور سلطنت مغلیہ کی حدود کو گجرات، بنگال، کشمیر اور سندھ تک وسیع کر دیا۔ فتح پور سیکری امی فی آباد کیا تھا۔ یہ بہت معمولی پڑھا لکھا تھا۔ لیکن ایک دانشمند بادشاہ کی طرح دربار کو اوسوقت کے ممتاز اہل علم سی مزین رکھتا، اور اونکو علی مباحثات میں شریک ہوتا رہتا تھا۔ جس سی اسکی معلومات اور قابلیت دین غیر معمولی وسعت پیدا ہو گئی تھی۔ اس کے دربار کے نو رتن ابٹک مشہور ہیں۔ اسکا سب سی اہم کارنامہ دین الہی کی ترویج ہو۔ یہ مذہب سیاست مذہبی میں بہت معاون ثابت ہوا۔ چنانچہ ہندوستان کی پر شور فضا اسی مذہب کی بدولت جنت نشان بنی تھی۔ اکبر فی جمادی الآخرہ سنہ ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۵ ع) کو ۶۵ سال کی عمر میں اس دار فانی کو خیر باد کہا ہو۔

(۱) ابو الفضل، شیخ مبارک کا بیٹا، اور فیضی کا بھائی ہو۔ یہ سنہ ۹۵۸ھ (۱۵۵۱ ع) میں پیدا ہوا۔ سنہ ۱۹ اکبر شامی میں ملازمت کا شرف حاصل کیا اور بہت تھوڑی عرصہ میں وزارت کے درجہ تک جا پہنچا۔ اسکو ربیع الاول سنہ ۱۰۱۱ھ (۱۶۰۲ ع) میں شہزادہ سلیم کی ایما سی ۵۳ سال ۲ ماہ کی عمر میں شہید کر دیا گیا۔ یہ بڑا مدبر اور زبردست ادیب تھا۔ آئین اکبری، اکبرنامہ، اور مکاتبات علای تصنیفات ہیں۔ شعر بھی کہتا اور علای تخلص کرتا تھا۔ یہ اکبری دربار کے نو رتن میں شمار کیا جاتا ہو۔ اسکی قتل کی اطلاع سی اکبر کو اسقدر صدمہ ہوا تھا کہ اوس فی کئی وقت کھانا نہ کھایا، اور بار بار کہتا تھا کہ اگر شیخو بابا بھو قتل کرادیتا تو اس سی بہتر تھا۔

(۲) فیضی، شیخ مبارک کا بڑا بیٹا، اور اکبری دربار کا ملک الشعرا تھا۔ حکمت، فلسفہ، ریاضیات، تاریخ، اور سنسکرت کا عالم تھا۔ سواطع الالہام، اور موارد الکلم، عربی میں، اور کلیات نظم، اور خمسہ، فارسی میں اسکی مشہور تصنیفات ہیں۔ یہ ۱۰ صفر سنہ ۱۰۰۴ھ (۱۵۹۵ ع) کو ۵۰ سال کی عمر میں فوت ہوا۔

(۳) حکیم ابو الفتح مسیح الدین ابن حکیم عبد الرزاق گیلانی اکبر کا طیب خاص اور اوس عہد کا بہت بڑا فاضل تھا۔ یہ اپنی علمی وجاہت وعظمت کے سبب بادشاہ کے دربار میں ممتاز درجہ کا مالک اور اکبری دربار کے نو رتن میں شامل تھا۔ اسنو سنہ ۹۹۷ھ (۱۵۸۸ ع) میں وفات پائی۔

بنام مولوی محمد حسن خان مالکِ مطبع

(مولوی محمد حسن خان ابن نور محمد خان ابن شاہ محمد خان مہمند افغان رامپور کے ایک شریف و با عزت خاندان کے فرد تھے۔ ان کے دادا شاہ محمد خان نواب سید محمد فیض اللہ خان بہادر کے ہمراہ افغانستان میں تشریف لائے۔ اور فوج میں بے حد جہداری مقرر ہوئے۔ مولوی محمد حسن خان نے تیغ نیاگان کو قلم میں تبدیل کر لیا۔ اور اوس زمانہ کی مروج تعلیم حاصل کر کے نواب فردوس مکان کے حسب ایما سنہ ۱۸۵۶ ع میں مطبع حسن قائم کیا۔ بعد ازاں نواب خلد آشیان کے حسب الحکم ۱۲ جمادی الثانیہ سنہ ۱۲۸۳ ھ مطابق ۱۵ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ ع کو اخبار دہدہ سکندری کا پہلا پرچہ شائع کیا، جو اس وقت تک اپنی عمر کے ۷۴ سال پوری کر چکا ہو۔ اور هنوز اپنی روایتی وفاداری حکومت ہند و رامپور پر قائم ہو۔ سنہ ۱۸۷۷ ع کے دوبار قبضہ میں گورنمنٹ یو۔ پی نے انہیں اپنی صوبہ کے مدیران اخبارات و رسائل کا نمائندہ بنا کر بھیجا۔ نواب خلد آشیان نے ایام ولیمہدی میں اپنا مصاحب منتخب کیا، اور عہد حکومت میں متعدد اہم سفارتی خدمات تفویض فرمائیں۔ ان کے بعد نواب سید محمد مشتاق علیخان بہادر عرش آشیان نے آئری مجلسٹریٹ مقرر فرمایا۔ مولوی صاحب نے ۱۷ شوال سنہ ۱۳۱۴ ھ (۱۸۹۶ ع) کو ۹۰ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ آپ کے بعد چند سال تک آپ کے خلف الرشید مولانا شاہ فاروق حسن خان صاحب صابری رحمہ اللہ نے اپنی مشاغل طریقت کے ساتھ دہدہ سکندری، کو بھی ایڈٹ کیا۔ لیکن سنہ ۱۹۰۳ ع میں فرائض ادارت اپنی فرزند اکبر مولانا فضل حسن خان صاحب صابری کو سپرد کر دیئے، جو آج تک اسی انجام دیر ہوئے ہیں۔ مورخ الذکر بزرگ نے اپنی گرامی نامہ موسومہ فقیر عرشی میں تحریر فرمایا ہے: اخبار دہدہ سکندری کی ہندوستان بھر کے اخبارات میں یہ نمایاں خصوصیت ہے کہ ۷۴ سال کی مدت مدید میں برٹش گورنمنٹ اور لوکل گورنمنٹ نے کبھی اس کے ایک حرف پر نہ کوئی اعتراض کیا، نہ اس میں کبھی ضمانت طلب ہوئی، نہ اس پر کسی نے آج تک کوئی مقدمہ چلایا۔)

(۱۱۷)

مشفق اور مکر می محمد حسن خان صاحب^(۱) کو غالب آزرده دل کا سلام پہنچے۔ آج بھی آپ کا ایک خط آیا۔ کئی اخبار آپ کے پھیرے، کئی خط آپ کے پھیرے، اور آپ اخبار بھیجے جاتے ہیں۔ الہی! آپ کا خط خط تھا، یا کوئی جھوٹ کی پوٹ۔ بیشتر مجذوبوں کی سی بڑ۔ اور جو کچھ سمجھ

(۱) میرزا صاحب نے مکتوب الیہ کا نام، القاب اور مرنامہ دونوں مقامات پر محمد حسین خان لکھا ہے۔

مین آیا، وہ غلط اور دروغ اور جھوٹ۔ یہ غلط محض ہے کہ مطبع حضور کا ہے، اور تم مہتمم ہو حضور کی طرف سے۔ اللہ! اللہ! ڈگی جی سنگھ کی تعریف مین کہین سارا ایک صفحہ کہین سارا ایک ورق سیاہ کرتے ہو، اور اپنے والی ملک اور اپنے پادشاہ یعنی امیر المسلمین نواب کلب علیخان بہادر کے نام (کے) ^(۱) آگے یا نام سے پہلے کوئی دو تین لفظ تعظیم کے لکھتے ہو بس، اور اس قباحت کو نہیں سمجھتے کہ اگر یہ اخبار حضور کی طرف سے ہے، تو گویا ڈگی سنگھ جی کی تعریف بھی حضور کی طرف سے ہوگی۔ ہندستانی عہداری ^(۲) مین وہ ایک زمیندار اور مالگزار تھا۔ اب گورمنٹ ہند نے اوسکو جاگیردار مستقل کر دیا۔ اور نواب محمد علیخان رئیس ٹونک کا ہر اخبار مین ایک مرثیہ لکھتے ہو۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ تم طرح طرح سے اطراف و جوانب کے رئیسوں سے بھیک مانگتے ہو۔ بھائی! «یک درگیر و محکم گیر»۔ اگر حضور کے نوکر بھی نہیں ہو تم، تو آخر رعیت تو ہو۔ یہ کیا ہے کہ اپنے پادشاہ کا ذکر سب سے پیچھے لکھتے ہو، کبھی صفحہ پر کبھی حاشیہ پر؟ ہم نے ان باتوں سے بیزار ہو کر تمہارا اخبار موقوف کیا ہے، اور اب پھر تمہیں لکھتے ہیں، کہ دوہائی خدا کی! مین یکم جنوری سنہ ۱۸۶۸ سے «دبدبہ سکندری» کا خریدار نہیں ہوں۔ نہ بھیجا کرو۔ واسطے خدا کے! نہ بھیجا کرو۔ اس سے زیادہ کیا لکھوں۔ (مسرر غالب ۱۲۷۸)۔ ^(۳) ۲۵) فروری سنہ ۱۸۶۸ ع۔

(۱) یہ لفظ اصل مین ساقط تھا۔ مین تو سیاق کلام کے حسب اقتضا بڑھا دیا ہو۔
(۲) یہ خط میرزا صاحب کی قلم کا نوشتہ نہیں ہو، اسلی ممکن ہو کہ کاتب و مہو و عہداری، کی بجای عہداری، لکھ دیا ہو۔

(۳) خط کے آخر مین تاریخ نہیں تھی۔ مین تو لفافہ کی تاریخ لکھ دی ہو۔ لفافہ کی پشت پر نوٹ ہو: «بموجب خط ہذا بعد استدراک از مرزا نوشہ صاحب مبلغ دو روپیہ ہشت آنہ بابت بقایا حساب اخبار محمد حسن خان حوالہ لالہ ٹنڈی رام محافظ دفتر نمودہ شد»۔ تمت بالخیر۔ والحمد للہ اولاً و آخراً۔

۱ - فہرست اشخاص و قبائل

(ان فہرستوں میں جلی ہندسے متن کیطرف اور خفی ہندسے حاشیہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اور حاشیہ سے فٹ نوٹس اور وہ تحریریں مراد ہیں، جو مکتوب الیہم کے متعلق اون کے نام کے خطوط کے آغاز میں لکھی گئی ہیں۔)

آزردہ (دیکھو: صدر الدین مفتی)۔	احمد علی رامپوری، خلیفہ - ۱۱۷۔
آفتاب بیگم - ۶۴۔	احمد علی رسا - ۶۶، ۸۵۔
آلنقوا - ۶۱۔	اڈمنسٹن صاحب - ۲۲۔
ابدال - ۵۴۔	اصغر علیخان بہادر، صاحبزادہ سید -
ابراہیم ذوق، شیخ - ۱۷۔	۱۴، ۱۰۹۔
ابراہیم علیخان بہادر، نواب سر	اصغر علیخان رسالدار، محمد - ۸۷۔
حافظ - ۵۴۔	اعجاز علیخان، صاحبزادہ محمد - ۶۶۔
ابو الفتح، حکیم - ۱۱۸، ۱۱۹۔	اکبر، جلال الدین - ۸۲، ۱۱۸، ۱۱۹۔
ابو الفضل - ۱۱۹۔	اکبر شاہ، عرش آرامگاہ - ۷۸۔
احسان حسین خان - ۱۱۵، ۱۰۵۔	اکبر علیخان - ۹۶، ۹۸۔
احمد بخش خان بہادر، نواب - ۱۱،	الیٹ صاحب - ۷۹۔
۱۲، ۷۹، ۹۵۔	الہی بخش خان معروف، نواب - ۱۲۔
احمد حسن مودودی، حکیم سید - ۵۴۔	امام بخش صہبائی - ۵۸۔
احمد شاہ درانی - ۵۴۔	امداد اللہ خان، صاحبزادہ سید - ۶۴۔
احمد علی جہانگیرنگری، مولوی آغا -	امیر احمد مینائی - ۳، ۱۳، ۱۷، ۴۲، ۴۶۔
۷۱، ۷۲۔	۴۸، ۴۹، ۹۹، ۱۰۹۔
احمد علیخان بہادر، نواب سید -	امین الدین - ۷۱، ۷۲۔
۲۹، ۱۱۲۔	امین الدین احمد خان بہادر، نواب - ۱۲۔

چشتی پہلوان - ۱۳ .
 چھج مل کھتری ، رای - ۶۷ .
 حالی ، مولانا - ۶۵ .
 حبیب اللہ خان ذکا - ۶۹ .
 حسرتی (دیکھو: مصطفیٰ خان) .
 حسن جہان بیگم - ۹۶ .
 حسن علیخان - ۳۱ .
 حسن علیخان ، صاحبزادہ - ۶۶ .
 حسین خان قزوینی ، میرزا - ۷۷ .
 حسین علیخان ، مرزا - ۶۷ ، ۴۰ ، ۲۶ ، ۷۵ ، ۸۹ ، ۹۵ ، ۹۶ ، ۹۸ ، ۱۰۰ ،
 ۱۰۱ ، ۱۰۲ ، ۱۰۵ ، ۱۰۶ ، ۱۰۷ ،
 ۱۰۸ .
 حفیظ اللہ خان بہادر ، صاحبزادہ
 سید - ۸۵ .
 حیا (دیکھو: رحیم الدین بہادر مرزا) .
 حیات النساء بیگم صاحبہ - ۹۳ .
 حیدر علیخان بہادر ، صاحبزادہ
 سید - ۲۹ ، ۳۰ .
 خاقانی - ۸ .
 خان آرزو - ۸۳ .
 خسرو دہلوی ، امیر - ۷۷ .
 خلد آشیان ، نواب سید محمد کلب علیخان
 بہادر - ۳ ، ۱۷ ، ۲۳ ، ۳۱ ، ۴۰ ، ۴۶ ،
 ۱۱۲ ، ۱۱۵ ، ۱۱۷ ، ۱۲۰ ، ۱۲۱ .
 داغ (دیکھو: نواب مرزا خان) .

انجو ، میان - ۸۲ .
 انوری - ۹۷ .
 اودیسنگھ ، راجہ - ۹۷ .
 اورنگ زیب (دیکھو: عالمگیر) .
 ایڈمنڈ ڈریمنڈ - ۸۶ .
 ایسری پرشاد نراین سنگھ - ۸۶ .
 بابر ، ظہیر الدین - ۱۱۸ .
 باقر علیخان - ۲۶ ، ۲۷ ، ۷۲ ، ۸۹ ، ۹۷ ، ۹۸ .
 باقی باللہ ، خواجہ - ۱۴ .
 بالمٹی ، رانی - ۹۷ .
 بیر علیخان ، حکیم - ۶۳ .
 بدر چاچی - ۷۷ .
 برلیج - ۷۲ .
 بڑیچ - ۱ ، ۱۸ .
 بوعلی سینا - ۶۳ .
 بہادر شاہ ظفر - ۳ ، ۱۲ ، ۷۸ .
 بیخبر (دیکھو: غلام غوث خان بہادر) .
 بیلی صاحب ، ڈاکٹر - ۸۶ .
 ترک - ۷۲ .
 ترکیان - ۹۷ .
 تفتہ ، ہرگوپال - ۲۷ ، ۳۷ ، ۳۹ ، ۴۹ ، ۵۲ .
 تمر ، تیمور - ۶۱ .
 ٹیک چند ، لالہ - ۷۳ ، ۸۳ .
 جان انگلس بہادر - ۸۴ ، ۸۵ .
 جلالای طباطبای - ۷۷ ، ۷۸ .
 جہانگیر ، نور الدین - ۸۲ ، ۹۷ ، ۱۱۸ ، ۱۱۹ .

- سکھ - ۲۲ .
 سلیم ، شاہزادہ (دیکھو: جہانگیر) .
 سنجر ، سلطان - ۹۷ .
 سیاح - ۵۸ .
 سیالکوٹی مل - ۷۳ .
 سیلچند ، منشی - ۷۵ ، ۷۶ ، ۹۹ .
 ۱۰۰ ، ۱۰۳ ، ۱۰۵ ، ۱۱۲ .
 شاہجہان - ۷۷ ، ۹۷ .
 شاہ عالم - ۵۴ ، ۷۸ .
 شاہ محمد خان - ۱۲۰ .
 شعاع (دیکھو: اکبر شاہ) .
 شمس الدین احمد خان ، نواب - ۱۲ .
 شمس الدین خان دہلوی ، نواب - ۱۷ .
 شمشاد علی بیگ رضوان - ۶۵ .
 شیخو بابا (دیکھو: جہانگیر) .
 شیفقہ (دیکھو: مصطفیٰ خان) .
 شیو نراین ، منشی - ۱۰ ، ۳۵ ، ۳۹ .
 صدر الدین خان آزرده ، مفتی - ۲ .
 صہائی (دیکھو: امام بخش) .
 ضیاء الدین احمد خان بہادر نیر ، نواب -
 ۱۰ ، ۱۲ ، ۲۸ ، ۷۹ ، ۸۱ ، ۹۸ .
 طاہر وحید - ۷۷ ، ۷۸ .
 ظفر (دیکھو: بہادر شاہ) .
 عارف (دیکھو: زین العابدین خان) .
 عالمگیر - ۹۷ .
 عالیہ سلطان بیگم (دیکھو: حیات النسایکیم) .

- ڈائل میکلوڈ صاحب - ۸۸ .
 ڈگی سنگھ جی - ۱۲۱ .
 ڈلہوسی ، لارڈ - ۲۲ .
 ڈنکن میکلوڈ صاحب - ۸۸ .
 ڈکا (دیکھو: حبیب اللہ خان) .
 ذوق (دیکھو: ابراہیم شیخ) .
 رحیم بیگ - ۵۸ .
 رحیم الدین بہادر حیا ، مرزا - ۹۵ .
 رخشان (دیکھو: ضیاء الدین احمد خان بہادر)
 رسا (دیکھو: احمد علی) .
 رسا (دیکھو: کریم الدین بہادر مرزا) .
 رشید ، شیخ - ۸۲ .
 رشید وطواط - ۹۷ .
 رضوان (دیکھو: شمشاد علی بیگ) .
 روہیلہ - ۱۱۲ .
 ریو - ۷۷ .
 زین العابدین خان بہادر - ۱۳ ، ۱۰۹ ،
 ۱۱۴ .
 زین العابدین خان عارف - ۴۰ ، ۸۹ ، ۹۷ .
 سخن (دیکھو: فخر الدین حسین خان) .
 سراج الدین احمد - ۳ .
 سرفراز حسین ، میر - ۳۱ ، ۳۲ ، ۳۸ .
 سعید الدین احمد خان بہادر طالب ،
 نواب - ۴۶ .
 سعید الدین خانصاحب - ۶۶ .
 سکندر زمانی بیگم - ۶۴ .

علی ، زین الدین شیرازی - ۱۱۸ .
 علی بخش خان خانسامان - ۳۱ ، ۳۲ ، ۵۲ ، ۹۴ .
 علی حسین خان بہادر ، مسیح الدولہ
 حکیم - ۱۰۵ ، ۱۱۵ .
 علی محمد خان بہادر ، نواب سید - ۱ ، ۶۱ ، ۱۱۲ .
 عمدہ خانم - ۱۷ .
 عنبر شاہ خان عنبر - ۱۱۷ .
 غلام رضا خان ، حکیم - ۵۲ .
 غلام غوث خان بہادر بیخبر - ۵۰ ، ۵۳ .
 غلام محمد خان بہادر ، نواب مید -
 ۱۰۹ ، ۹۳ ، ۸۵ ، ۴۸ ، ۱۴ ، ۱۳ ، ۱ .
 غلام نجف خان ، حکیم - ۶۵ .
 غیاث الدین عزت ، خلیفہ - ۲ ، ۴۸ ، ۱۱۲ .
 فاروق حسن خان صابری ، شاہ - ۱۲۰ .
 فاضل شطرنج باز - ۹۵ .
 فتح النساء بیگم ، جنابعالیہ - ۱ ، ۱۸ ، ۱۹ ، ۲۰ .
 نضر الدین خان ، نواب - ۲۸ .
 نضر الدین حسین خان سخن - ۷۲ .
 نضر الزمان (دیکھو: بدر چاچی) .
 فدا سلمیٰ - ۷۲ .
 فردوس مکان ، نواب سید یوسف
 علیخان بہادر - ۵۰ ، ۵۲ ، ۵۳ .

عباس ثانی ، شاہ - ۵۸ ، ۲۷ .
 عبداللہ خان بہادر ، نواب سید - ۴ ، ۱۳ ، ۱۴ ، ۱۰۹ .
 عبدالحق خیر آبادی ، مولوی - ۴۸ .
 عبدالحکیم خان ، مولوی - ۱۱۸ .
 عبد الرحمن خان بہادر ، نواب سید -
 ۴ ، ۱۴ .
 عبد الرحمن وحید (دیکھو: طاہر وحید) .
 عبد الرحیم خانخانان - ۱۱۸ .
 عبد الرزاق شاہ - ۵۸ .
 عبد الرزاق گیلانی - ۱۱۹ .
 عبد الرشید الحسنی (دیکھو: رشید شیخ) .
 عبد الصمد ، ملا - ۸۲ .
 عبد العلیخان بہادر ، سید - ۴۸ .
 عبد القادر دہلوی ، شاہ - ۳ .
 عثمان خان بہادر ، مولوی محمد - ۷۸ .
 عرش آشیان ، نواب سید محمد مشتاق
 علیخان بہادر - ۶۴ ، ۱۱۲ ، ۱۱۷ ، ۱۲۰ .
 عرفی ، جمال الدین محمد شیرازی - ۸ ، ۸۲ ، ۱۱۷ ، ۱۱۸ ، ۱۱۹ .
 عزت (دیکھو: غیاث الدین ، خلیفہ) .
 عزیز (دیکھو: یوسف علیخان) .
 عصمت اللہ خان بہادر فاروقی ،
 نواب - ۶۶ .
 علاء الدین احمد خان بہادر علائی ،
 نواب - ۱۰ ، ۲۹ .

مجاور علی صاحب، سید - ۱۰۴ .
 مجید الدین احمد خان بہادر عرف مجو
 خان، نواب - ۶۶ .
 محمد تغلق، سلطان - ۷۷ .
 محمد تقی خان سپہر، مرزا - ۴۸ .
 محمد حارثی - ۸۲ .
 محمد حسن خان بہادر صدر الصدور،
 مولوی - ۶۶ .
 محمد حسن خان، صاحبزادہ - ۹۳ .
 محمد حسن خان مالک مطبع، مولوی -
 ۱۲۰ .
 محمد الدین احمد خان - ۶۶ .
 محمد سعید خان بہادر، نواب سید -
 ۳، ۱ .
 محمد علی، مولانا - ۳۱ .
 محمد علیخان بہادر، نواب سید - ۲۹ .
 محمد علی رائج سیالکوٹی - ۸۳ .
 محمد علیخان ابن وزیر محمد خان رئیس
 ٹونک - ۵۴، ۱۲۱ .
 محمد نور خان بڑیچ - ۱۸، ۱ .
 مرتضیٰ خان بہادر، نواب - ۶۶ .
 مرہٹہ - ۵۴، ۱۲، ۱۱ .
 مشتاق علیخان بہادر، نواب سید،
 (دیکھو: عرش آشیان).
 مصطفیٰ خان بہادر، نواب - ۶۶، ۶۸ .
 مظفر حسین خان بہادر - ۱۰۵، ۱۱۵ .

۵۸، ۷۱، ۷۲، ۸۵، ۸۶، ۹۵، ۱۱۲،
 ۱۱۳، ۱۲۰ .
 فضل امام، مولانا - ۳ .
 فضل حسن خان صابری، مولانا - ۱۲۰ .
 فضل حق خیر آبادی، مولانا محمد - ۲
 ۳، ۴، ۵، ۷، ۴۸ .
 فیروز النساء بیگم - ۴۸ .
 فیض اللہ خان بہادر، نواب سید - ۱،
 ۱۸، ۲۹، ۶۶، ۱۱۲، ۱۲۰ .
 فیض محمد خان، نواب - ۳ .
 فیضی، ابوالفیض - ۱۱۹ .
 قتیل - ۷۲، ۷۳ .
 کاظم علیخان بہادر عرف چھوٹے
 صاحب، صاحبزادہ سید - ۴۷ .
 کبیر خان تسلیم - ۱۱۷ .
 کبیر الدین، شاہ - ۱۱۳، ۱۱۴ .
 کریم اللہ خان بہادر، صاحبزادہ
 سید - ۶۴ .
 کریم الدین بہادر رسا، مرزا - ۹۵ .
 کفایت اللہ خان، صاحبزادہ سید - ۶۴ .
 کنور سین، راجہ - ۱۱۲ .
 کیننگ بہادر، لارڈ - ۱۹، ۲۲، ۲۳،
 ۳۳، ۳۶، ۳۷ .
 لارنس صاحب، لارڈ - ۸۶، ۸۹ .
 لیک بہادر، جرنیل لارڈ - ۱۲ .
 مبارک، شیخ - ۱۱۹ .

- معروف (دیکھو: الہی بخش خان نواب) .
 ملک شاہ سلجوقی - ۹۷ .
 ممتاز علیخان بہادر ، صاحبزادہ - ۶۶ .
 مومن خان - ۲ ، ۶۷ .
 مہدی حسین ، میر - ۱۲ ، ۱۴ ، ۲۷ ، ۳۱ ، ۷۹ .
 مہدی علیخان بہادر ، نواب - ۸۵ ،
 ۸۷ ، ۸۸ .
 مہدی علیخان تحویلدار - ۷۲ .
 مہمند - ۱۲۰ .
 میر نصاحب - ۳۱ ، ۳۲ .
 نادر شاہ - ۵۴ .
 نادر علی ، شیخ - ۱۱۷ .
 ناظر حسین ، مرزا - ۱۰ .
 نصر اللہ بیگخان بہادر - ۱۱ .
 نصر اللہ خان بہادر ، نواب سید - ۶۴ .
 نظام حیدر آباد ، حضور - ۱۷ .
 نواب مرزا خان داغ دہلوی - ۱۷
 ۵۷ ، ۶۹ ، ۸۱ ، ۱۰۵ ، ۱۰۷ .
- نور محمد خان - ۱۲۰ .
 نوشہ صاحب ، مرزا - ۶۸ .
 نولکشور صاحب ، منشی - ۵۲ ، ۷۷ .
 نیاز علیخان ، صاحبزادہ - ۶۶ .
 نیر (دیکھو: ضیاء الدین احمد خان بہادر) .
 نیر (دیکھو: ممتاز علیخان) .
 وارستہ (دیکھو: سیالکوٹی مل) .
 وکٹوریہ ، ملکہ معظمہ - ۱۵ ، ۲۱ ،
 ۲۳ ، ۲۴ ، ۳۳ ، ۴۸ ، ۵۴ .
 ولی محمد سوداگر - ۸۷ .
 ولیم فریزر ، مسٹر - ۱۲ .
 ہارڈنگ صاحب ، لارڈ - ۲۲ .
 ہرگوپال (دیکھو: تفتہ) .
 ہمایون - ۱۱۸ .
 یوسف خان برادر غالب - ۲۷ .
 یوسف علیخان بہادر ، نواب سید
 (دیکھو: فردوس مکان) .
 یوسف علیخان عزیز - ۱۰ .

۲ - فهرست مقامات

- آگرہ - ۱۰، ۱۱، ۸۲، ۹۷، ۱۱۰۔
اصفہان - ۷۲، ۷۷۔
افغانستان - ۲۲، ۵۴، ۱۲۰۔
اکبر آباد (دیکھو: آگرہ)۔
الور - ۳، ۹۸۔
الہ آباد - ۸۶۔
امرکوٹ - ۱۱۸۔
انڈمان، جزائر - ۳۔
انگلستان - ۱۲، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۷۔
اودھ - ۱۹، ۱۰۵، ۱۱۵۔
ایران - ۵۴، ۵۸، ۷۲، ۱۱۸۔
بخارا - ۷۲۔
برار، صوبہ - ۲۲۔
برما - ۲۲۔
بریلی - ۶۵۔
بنارس - ۶۷، ۸۶۔
بنگال، بنگالہ - ۷۱، ۷۲، ۸۸، ۱۱۹۔
بینظیر، باغ - ۹۲۔
پارس - ۸۲۔
پانی پت - ۵۴۔
پٹیالہ - ۱۴۔
پنجاب - ۱۹، ۲۲، ۸۸، ۱۱۰۔
تاشقند - ۷۷۔
- ٹونک - ۲، ۵۴، ۱۲۱۔
ٹنٹھہ - ۸۳، ۱۱۸۔
جودھپور - ۹۷۔
جہانگیر آباد - ۶۶۔
جہانگیر نگر - ۷۱۔
جھجر - ۳۔
جیپور - ۱۰۹، ۱۱۴۔
چاج (دیکھو: تاشقند)۔
حیدر آباد - ۱۷۔
خیر آباد - ۳۔
دلی، دہلی - ۳، ۴، ۱۰، ۱۲، ۱۳، ۱۴،
۱۷، ۲۵، ۲۶، ۲۸، ۴۹، ۵۴، ۵۸،
۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۹، ۸۷، ۹۵، ۹۷،
۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۲۔
رامپور - ۳، ۱۰، ۱۷، ۱۹، ۲۵، ۲۶، ۲۸،
۲۹، ۳۰، ۳۱، ۵۰، ۵۱، ۵۴، ۶۵،
۶۷، ۶۸، ۶۹، ۸۵، ۸۶، ۹۰،
۹۲، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۱۳،
۱۱۷، ۱۱۸، ۱۲۰۔
رنگون - ۱۲۔
روہیل کھنڈ - ۱، ۱۱۲۔
ساگر - ۸۸۔
ستلج - ۲۲۔

- سرہند - ۱۱۲ .
 سمرقند - ۷۲ .
 سنہل - ۸۵ .
 سندھ - ۵۴ ، ۷۲ ، ۱۱۸ ، ۱۱۹ .
 سوار ، تحصیل - ۲۶ .
 سونک سونسا ، پرگنہ - ۱۱ ، ۱۲ .
 سہارنپور - ۳ .
 شاہجہان آباد (دیکھو: دلی) .
 شاہجہانپور - ۲۵ .
 شیراز - ۸۲ ، ۱۱۷ .
 علیگڑھ - ۸۶ .
 غازی آباد - ۸۷ .
 فتح پور سیکری - ۱۱۹ .
 فتحگڑھ - ۲۱ ، ۲۴ ، ۱۱۲ .
 فرخ آباد - ۲۵ .
 فیروزپور جھرکہ - ۱۱ ، ۱۲ ، ۷۹ .
 قزوین - ۷۷ .
 قلات - ۲۲ .
 کاشی پور - ۲۲ ، ۲۴ .
 کاشی پور ، محلہ - ۸۶ .
 کانپور - ۸۶ .
 کر بلائی معلی - ۱۱۵ .
 کشمیر - ۱۱۹ .
 کلکتہ - ۱۹ ، ۶۷ ، ۷۱ ، ۸۵ ، ۸۶ ، ۸۷ ،
 ۸۸ ، ۸۹ ، ۹۰ ، ۱۱۰ .
 کمہریا ، موضع - ۲۶ .
 کیچ - ۷۲ .
 گجرات - ۱۱۹ .
 گڑھ مکٹیسر - ۲۵ .
 لاوا - ۵۴ .
 لاہور - ۵۴ ، ۸۸ ، ۱۱۸ .
 لکھنؤ - ۳ ، ۲۸ ، ۷۷ ، ۱۱۵ .
 لندن - ۲۲ ، ۸۸ .
 لوہارو - ۱۱ ، ۱۲ ، ۷۹ .
 مدینہ منورہ - ۸۳ .
 مراد آباد - ۲۴ ، ۲۵ ، ۳۱ ، ۶۵ ، ۶۶ ،
 ۶۷ ، ۶۸ ، ۶۹ .
 مراد نگر - ۲۵ .
 مکران - ۷۲ .
 مالک مغربی و شمالی - ۲۲ ، ۲۴ ، ۱۲۰ .
 میرٹھ - ۴ ، ۱۳ ، ۱۴ ، ۲۵ ، ۵۸ ، ۱۰۹ .
 منجیب آباد - ۳۱ .
 نربدا - ۸۸ .
 ہاپوڑ - ۶۸ .
 ہرات - ۵۴ .
 ہند ، ہندستان - ۱ ، ۱۲ ، ۱۹ ، ۲۲ ، ۲۳ ،
 ۲۴ ، ۵۴ ، ۵۸ ، ۷۲ ، ۷۳ ، ۷۷ ، ۸۲ ،
 ۸۴ ، ۸۸ ، ۸۹ ، ۹۷ ، ۱۱۸ ، ۱۱۹ ،
 ۱۲۰ ، ۱۲۱ .

۳ - فہرست کتب و اخبارات

- آئین اکبری - ۱۱۹ .
 آئینہ سکندر ، اخبار - ۳ .
 ابر گہر بار ، مثنوی - ۳۸ .
 اخبار الصنادید - ۱۸ ، ۲۳ ، ۲۵ ، ۳۱ ، ۳۳ ، ۴۷ ، ۵۲ ، ۵۴ ، ۶۴ ، ۶۵ ، ۷۸ ، ۸۵ ، ۹۲ .
 اردوی معلی - ۱۰ ، ۱۴ ، ۲۷ ، ۲۹ ، ۳۱ ، ۳۲ ، ۳۶ ، ۳۷ ، ۳۹ ، ۴۹ ، ۵۲ ، ۵۴ ، ۵۸ ، ۶۵ ، ۶۷ ، ۶۹ ، ۷۱ ، ۷۹ ، ۸۲ ، ۹۸ ، ۱۰۴ .
 اعجاز خسروی - ۷۷ .
 اکبر نامہ - ۱۱۹ .
 امیر حمزہ کی داستان - ۵۸ ، ۵۹ .
 انتخاب بوستان خیال - ۴۸ .
 انتخاب یادگار ، تذکرہ - ۳ ، ۱۳ ، ۴۰ ، ۴۲ ، ۴۶ ، ۵۹ ، ۶۴ ، ۶۶ ، ۸۵ ، ۹۲ ، ۱۰۹ .
 برہان قاطع - ۵۸ ، ۷۳ ، ۷۴ .
 بہار عجم ، فرہنگ - ۸۳ .
 پنج آہنگ - ۱۳ .
 تاریخ سلاطین تیموریہ - ۱۲ .
 تاریخ شاہان سلف - ۴۸ .
 تاریخ لطیف - ۴۰ ، ۷۲ ، ۷۹ ، ۸۵ ، ۹۸ .
 تاریخ ہند مصنفۃ الیٹ صاحب - ۷۹ .
 تذکرہ کاملان رامپور - ۳۱ ، ۱۱۷ .
 تشریح السنین - ۷۲ .
 تیغ تیز - ۷۱ ، ۷۲ .
 تیغ تیز تر - ۷۱ ، ۷۲ .
 خزانہ عامرہ - ۸۳ .
 خمسہ فیضی - ۱۱۹ .
 داستان حمزہ (دیکھو: امیر حمزہ کی داستان) .
 دبدبہ سکندری ، اخبار - ۴۸ ، ۸۶ ، ۹۲ ، ۹۳ ، ۹۹ ، ۱۲۰ ، ۱۲۱ .
 ✓ دستنبو - ۱۵ .
 دیوان اصغر - ۱۴ .
 ✓ دیوان غالب اردو - ۱۰ ، ۱۵ ، ۷۹ ، ۸۰ ، ۸۱ ، ۱۱۰ .
 ✓ دیوان غالب فارسی - ۵۳ ، ۵۵ ، ۷۹ ، ۸۰ ، ۸۱ .
 دیوان ناظم - ۲ ، ۵۳ ، ۵۵ .
 دیوان نواب - ۴۸ .
 رموز حمزہ (دیکھو: امیر حمزہ کی داستان) .
 ساطع برہان - ۵۸ .

گلشن فتوت - ۱۸ .	سواطع الالهام - ۱۱۹ .
لب لباب رمل - ۶۶ .	شرح اشعار بدر چاچی - ۷۷ ، ۷۸ .
مصطلحات شعرا - ۸۳ .	عود ہندی - ۱۴ ، ۳۱ ، ۵۰ ، ۵۸ ، ۷۹ .
مکاتبات علامی - ۱۱۹ .	غالب ، مصنفہ مہر - ۷۲ .
منتخب اللغات - ۸۳ .	غیاث اللغات - ۲ ، ۴۸ ، ۱۱۲ .
موارد الکلم - ۱۱۹ .	فرہنگ جہانگیری - ۸۰ ، ۸۲ .
موید برہان - ۷۱ .	فرہنگ رشیدی - ۸۰ ، ۸۲ ، ۸۳ .
✓ مہر نیمروز (دیکھو: تاریخ سلاطین	قاطع برہان - ۵۸ ، ۷۱ ، ۸۲ .
تیموریہ) .	کلیات (شر) غالب - ۱۳ ، ۱۱۵ .
ناسخ التواریخ - ۴۸ .	کلیات (نظم) غالب - ۶ ، ۲۸ ، ۲۹ ، ۶۹ ،
✓ نامہ غالب - ۵۷ ، ۵۸ .	۷۹ ، ۸۰ .
ہدیہ سعیدیہ - ۳ .	کلیات فیضی - ۱۱۹ .
✓ یادگار غالب - ۶۵ .	گلشن بینخار - ۶۷ .

تصحیح و استدراک

(پروف کی تصحیح میں انتہائی احتیاط کی باوجود متن اور حواشی میں بعض غلطیاں رہ گئیں تھیں ،
نیز مکاتیب کی طباعت کو بعد کچھ نئی چیزیں بھی معلوم ہوئیں ، اسلئے مجبوراً تصحیح و استدراک کی نامشکور سعی
کرتی پڑی ۔ براہ کرم غلطیوں کی اصلاح فرما لیجائی ، اور نئی معلومات مناسب مقام پر اضافہ کر لیجائیں ، تاکہ
کتاب پڑھتی وقت کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو ۔)

ص ۱۲ ، سط ۱ و ۴ - « لاژد » بجائے « لارڈ » ۔

ایضاً ، حاشیہ نمبر ۴ ، سط ۵ - اضافہ کیجیے (اردو معنی ، ص ۱۶۳) ۔

ص ۱۴ ، حاشیہ نمبر ۳ ، سط ۴ - « بھائی کی حویلی » بجائے « بھائی کی حویلی » ۔

ص ۱۶ ، حاشیہ نمبر ۱ ، سط ۸ - سنہ ۱۸۵۸ ع ، بجائے « سنہ ۱۸۸۸ ع » ۔

ص ۱۷ ، حاشیہ نمبر ۲ ، سط ۴ - « داروغہ تھی اور سو روپیہ » بجائے « داروغہ تھی سو روپیہ » ۔

ص ۱۹ ، سط ۶ - « لاژد » بجائے « لارڈ » ۔

ص ۲۱ ، حاشیہ ، سط ۶ - « بہان » بجائے « بہان » ۔

ص ۲۲ ، حاشیہ نمبر ۳ ، سط ۹ - « تر » بجائے « تر » ۔

ایضاً ، حاشیہ ، نمبر ۵ ، سط ۴ - « مالک مغربی و شمالی کی گورنر » بجائے « پنجاب کی گورنر » ۔

ص ۲۴ ، حاشیہ ، سط ۲۴ - « دعائی » بجائے « دعائی » ۔

ص ۲۶ ، حاشیہ ، سط ۵ - « کی » بجائے « کیائی » ۔

ایضاً ، حاشیہ ، سط ۸ - « جا » بجائے « جاجا » ۔

ص ۲۷ ، سط ۱۴ - « نواز شنامہ » بجائے « لوا شنامہ » ۔

ص ۲۹ ، حاشیہ نمبر ۱ ، سط ۱۵ - « کیا » بجائے « کبا » ۔

ایضاً ، حاشیہ ، سط ۱۷ - « دیدہ ور » بجائے « دیدور » ۔

ص ۳۷ ، حاشیہ ، سط ۱ و ۱۵ - « مارچ » بجائے « فروری » ۔ (یہ اردو معنی کے مطبوعہ ایڈیشن کی غلطی تھی) ۔

ص ۴۰ ، سط ۲ - « ہزار » بجائے « ہزار » ۔

ایضاً ، حاشیہ نمبر ۱ ، سط ۱ - « مرزا » بجائے « مرز » ۔

ص ۴۱ ، سط ۱۰ - « ٹھرتا » بجائے « ٹھرتا » ۔

ص ۴۴ ، سط ۱۵ - « ناتوانان » بجائے « ناتوان » ۔

ص ۴۹ ، سط ۱۳ - « چو » بجائے « چون » ۔

ص ۵۰ ، حاشیہ نمبر ۱ ، سط ۱۹ - « آمر » بجائے « امر » ۔

ص ۵۹ ، سط ۹ - « چو » بجائے « چون » ۔

ص ۶۰ ، سط ۱ - « دستاری » بجائے « دستاری » ۔

ص ۶۶ ، حاشیہ نمبر ۲ ، سط ۹ - اضافہ کیجیے « سعید الدین خان صاحب نو ۲۱ ربیع الثانی سنہ ۱۳۰۳ »

مطابق ۲۷ جنوری سنہ ۱۸۸۶ ع اور ۸ جمادی الاولیٰ سنہ مذکور مطابق

۱۳ فروری سنہ مذکور کے درمیان انتقال کیا ۔

- ص ۶۶، حاشیہ نمبر ۳ - دکنی معلوم نہوسکا، کہ بجائے "اونکی صاحبزادہ مولوی محمد نجم الحسن خان کی مکتوب مورخہ ۲۶ اپریل سنہ ۱۸۷۸ ع می معلوم ہوتا ہی کہ صدر الصدور صاحب بانس بریلی کی باشندی تھی، اور خط لکھتی سی پانچ سال قبل، تقریباً سنہ ۱۸۷۳ ع میں، انتقال کر گئی۔ صدر الصدور صاحب کی برادر خورد مولوی حامد حسن خان بھی صدر الصدور تھی۔ یہ فروری سنہ ۱۸۷۸ ع میں فوت ہوئی۔
- ص ۶۹، حاشیہ، سط ۵ - دکنی، بجائے "دکو۔"
- ص ۷۵، حاشیہ، سط ۴ - ۱۱۰۰ بجائے ۱۰۹۰۔
- ص ۷۸، حاشیہ، سط ۲ - ۱۲۲۱ بجائے ۱۲۴۸۔
- ص ۸۰، سط ۱۸ - "لکھتے، بجائے "لکھتے۔"
- ص ۹۵، حاشیہ نمبر ۱، سط ۲ - رجب سنہ ۱۲۷۲ھ (۱۸۵۵ ع) میں، بجائے "غدر سنہ ۵۷ ع می قبل۔"
- ص ۹۹، خط ۹۱ - (مکاتیب کی ترتیب کی وقت قطعہ آئندہ کی متعلق صرف اسقدر معلوم ہو سکا تھا، کہ نواب خلد آشیان کی مفتی امیر احمد مینائی مرحوم کی حوالہ کر دیا۔ لیکن حسن اتفاق کی طاعت ختم نہوتی تھی، کہ منشی عتیق الرحمن خان کلیم رامپوری کی قطعہ مذکور پیش کیا اور بتایا کہ مینائی امیر مینائی مرحوم کی پوتوں می حال مین پرانی ردی خریدی ہی، اوس مین می یہ قطعہ دستیاب ہوا ہی۔ حقیر عرشی کی امی گنج باد آورد شمار کر کے ہوی سر دست آخر مین شامل کر دینا مناسب خیال کیا۔ انشاء اللہ آئندہ اشاعت مین اپنی مقام پر درج کیا جائیگا۔)

(قطعہ)

ہند مین اہل تسنن کی ہین دو سلطنتین
حیدرآباد دکن، رشک گلستان ارم
رامپور اہل نظر کی ہے نظر مین وہ شہر
کہ جہان ہشت بہشت آکے ہوئی ہین باہم
حیدرآباد بہت دور ہے۔ اس ملک کے لوگ
اوسطرف کو نہیں جاتے ہین۔ جو جاتے ہین تو کم
رامپور آج ہے وہ بقعہ معمور، کہ ہے
مرجع و مجمع اشراف نژاد آدم
رامپور ایک بڑا باغ ہے از روی مثال
دلکش و تازہ و شاداب و وسیع و خورم

جس طرح باغ مین ساون کی گھٹائین^(۱) برسین
 ھے اوسی طور پہ یان دجلہ فشان دستِ کرم
 ابرِ دستِ کرم کلبِ علیخان سے مدام
 دُڑِ شہوار ھین، جو گرتے ھین قطرے پیہم
 صبحدم باغ مین آجائے جسے ھو نہ یقین
 سبزہ و برگِ گل و لالہ پہ دیکھے شبنم
 حَبْنَدَا باغِ ھمایونِ تقدس آثار
 کہ جہان چرنے کو آتے ھین غزالانِ حرم
 مسلکِ شرع کے ھین راہرو و راہ شناس
 خضر بھی یان اگر آجائے تو لے انکے قدم
 مدح کے بعد دعا چاہیے اور اہلِ سخن
 اسکو کرتے ھین بہت بڑھکے بہ اغراق رقم
 حق سے کیا مانگیے؟ انکے لئے جب ھو موجود
 ملک و گنجینہ و خیل و سپہ و کوس و علم
 ھم نہ تبلیغ کے مایل نہ غلو کے قایل
 دو دعائین ھین کہ وہ دیتے ھین نواب کو ھم
 یا خدا! غالبِ عاصی کے خداوند کو دے
 دو وہ چیزیں کہ طلبگار ھے جنکا عالم
 اولاً عمرِ طبعی بہ دوامِ اقبال
 ثانیاً دولتِ دیدارِ شہنشاہِ امم

ص ۱۰۳، حاشیہ نمبر ۲، سط ۱۔ لکھدیا، بجائو، لکھدیا،

ص ۱۰۴، حاشیہ نمبر ۱، سط ۱۔ مشفق، بجائو، مشفق،

ص ۱۰۵، حاشیہ نمبر ۱، سط ۱۲۔ اضافہ کیجیو، مظفر حسین خان نے سنہ ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ع) میں انتقال

کیا (کلیات نمبر، ص ۵۴۷)۔

(۱) میرزا صاحب نے گھٹائین، لکھا ھو۔

The Rampur State Library Publication Series. No. 1.

MAKĀTĪB-I-GHĀLIB

A collection of 115 letters of Najm-ud-Dawlah Dabir-ul-
Mulk Mīrzā Asad-ullāh Khān Bahādur Ghālīb
Nizām-Jang Dihlawī addressed to
Nawwāb Firdaws-Makān,
Nawwāb Khuld-Āshyān
and other persons.

Edited by
IMTIYĀZ 'ALĪ 'ARSHĪ
Librarian, The State Library, Rampur State, U.P., India.



(All rights reserved)

QAYYIMAH PRESS

(PROPS.: SHARAFUDDIN & SONS)

BOMBAY

1937

